محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سب کے لیے

www.KitaboSunnat.com

تصنیف

سید حامد محسن

ترجمہ:

غطریف شہباز ندوی

تصحیح و تخریج

ابو عبداللہ محمد

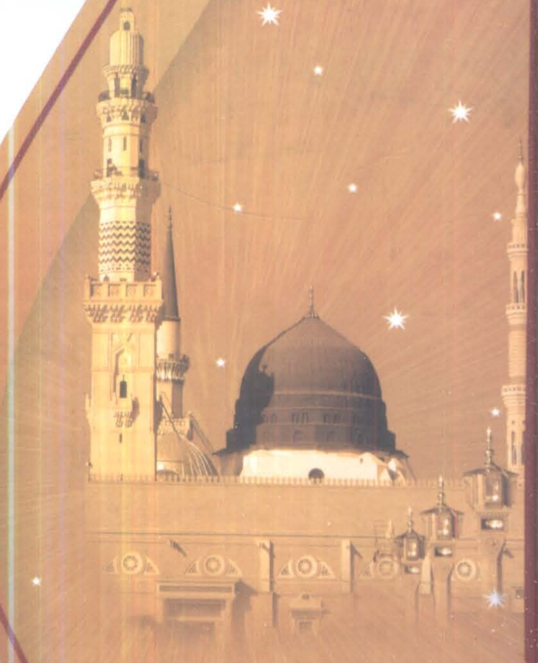

مکتبہ قاسم العلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے لیے

تصنیف
سید حامد محسن

ترجمہ
ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

تصحیح و تخریج
ابوعبداللہ محمد

مکتبہ قاسم العلوم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے لیے

مؤلف: سید حامد محسن

ترجمہ: ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

تصحیح وتخریج: ابوعبداللہ محمد

کمپوزنگ: انس کمیونیکیشن 03004271066

اہتمام: ملک اسد علی قاسمی

ناشر: مکتبہ قاسم العلوم

مطبع: نوید حفیظ پریس

قیمت:

تقسیم کار

ملک اینڈ کمپنی

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور پاکستان

Ph: 042-37248209 Mob : 0321-4021415

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

عرض مترجم		7
عرض ناشر		10
اظہار تشکر		13
پیش لفظ		16
باب اول:	کعبہ، اللہ کا گھر	25
باب دوم:	نبوت کی نشانیاں	35
	پہلی وحی	46
باب سوم:	پیغام	49
باب چہارم:	ظلم و جبر کا دور	54
باب پنجم:	ذہنی اور معاشرتی انقلاب	67
باب ششم:	ہجرت حبشہ	72
باب ہفتم:	قافلہ سخت جاں آگے بڑھتا ہے	78
باب ہشتم:	شعب ابی طالب میں	83
باب نہم:	ہجرت	95
باب دہم:	مدینہ میں	101
	مدینہ کی رفاہی ریاست	109
	جہاد: امن کی جستجو	110
	جہاد اکبر	117

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گیارہواں باب:	پہلی لڑائی	119
	غزوہ بدر	123
بارہواں باب:	تعلیم وتربیت کا حسین نبوی اسلوب	130
تیرہواں باب:	محمد ﷺ رحمۃ للعالمین	140
چودہواں باب:	ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں	190
	غزوہ احد	190
پندرہواں باب:	خندق، غداری اور ایک تدبیر	209
	مسلمانوں کی فراخ دلی	220
	آزادی اظہار رائے	222
	انسانیت کی خدمت	223
سولہواں باب:	امن فتح یات ہوتا ہے	231
	صلح حدیبیہ	238
	اللہ کے دین میں فوج در فوج داخلہ	247
	عظیم سبق	248
	بین الاقوامی پیمانے پر دعوت اسلامی	249
	دور نبوت میں ہندوستان میں اسلام کی دعوت	250
سترہواں باب:	پیغمبر اسلام ﷺ کے غیر مسلموں سے تعلقات	256
	مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات	256
	مدینہ کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات	263
	دین میں کوئی جبر نہیں	269
	دوسرے مذہب کے لیے رواداری	270
اٹھارہواں باب:	خیبر	274
	تفریح اور آرام	279

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انیسواں باب:	عمرہ، حج اصغر	282
بیسواں باب:	فتح مبین	294
	جاؤ تم سب آزاد ہو	296
	خدایا میں بری ہوں	303
اکیسواں باب:	حنین کا معرکہ	306
	مصلح کامل	316
	رسول اللہ ﷺ کی ایک جامع حدیث	323
	مساوات انسانی	325
بائیسواں باب:	پورا عرب اسلام کے سایہ میں	329
	رسول اللہ ﷺ کا حقوق انسانی کا تصور	336
	قرآن اور انسانی شرف	340
	نوجوانوں کی حوصلہ افزائی	345
	اخلاقیات جنگ	348
تئیسواں باب:	رسول اللہ ﷺ کا تصور جنگ	349
چوبیسواں باب:	شادی کا مسئلہ	368
	اسلام میں بیواؤں اور مطلقہ خواتین کے حقوق	378
	خواتین کی رضامندی، اسلام کا موقف	380
پچیسواں باب:	حضرت محمد ﷺ کی متعدد شادیاں	383
	خواتین کا مقام، پاکیزگی اور حجاب	405
چھبیواں باب:	مدینہ ایک ماڈل شہر	410
	سب کے لیے انصاف	426
	اسلامی قانون میں بادشاہ اور عام آدمی سب برابر	428
	بیٹے کی وفات پر غم	429

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

	سورج گرہن	430
ستائیسواں باب:	حجۃ الوداع	432
اٹھائیسواں باب:	جنت میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ	436
انتیسواں باب:	محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول انسانیت	443
	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ	443
	دنیا کے بڑے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہیں	450
	کتابیات	454

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرض مترجم

قارئین کرام! سیرت نبوی علی صاحبہا الف الف تحیہ وسلام پر اُردو میں چھوٹی بڑی، علمی وتحقیقی ادبی وعام فہم ہر طرح کی کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے۔ اور نئی نئی کتابیں بھی برابر منظرعام پر آرہی ہیں۔ ان میں بعض کتابوں میں مغازی کے پہلو کو ابھارا گیا ہے اور بعض میں وقائعِ سیرت کو جمع کر دیا گیا ہے۔ کسی میں سیرت کے مختلف پہلوؤں کا جامع علمی وفلسفیانہ مطالعہ کیا گیا ہے، کسی میں دعوتی وتذکیری پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ بعض کتابوں میں صحیح اور ثابت روایات لینے کا التزام کیا گیا ہے تو بعض میں قرآنی آیات کے ذریعہ سیرت کا ایک مرقع پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جبکہ بعض کتابیں بچوں اور نوجوانوں کے ذوق کا لحاظ کرتے ہوئے بطرزِ قصص، ناول اور ادبی انداز میں لکھی گئی ہیں۔ بعض میں مستشرقین ومعاندین کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور بعض عصری اسلوب میں لکھی گئی ہیں۔ غرض اس موضوع پر ان متنوع تصنیفات و تالیفات نے خود اُردو کے دامن کو سیرت کے گلہائے رنگارنگ سے مالا مال کر دیا ہے۔

یہ انگریزی کتاب جس کا اُردو ترجمہ آپ کے سامنے ہے، عام سیرتی لٹریچر سے اس معنی میں ذرا مختلف ہے کہ اس میں مسلم وغیر مسلم دونوں طرح کے قارئین کو سامنے رکھا گیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ ﷺ صرف مسلمانوں کے لیے ہی اسوۂ حسنہ وکاملہ نہیں بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی ایک رول ماڈل ہیں۔ کتاب کے مصنف جناب سید حامد محسن (بنگلور، انڈیا) ایک داعئ دین ہیں جو غیر مسلموں اور خصوصاً ان کے جدید تعلیم یافتہ طبقات میں دعوتی کاموں کا ایک طویل تجربہ رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں بھی انہوں نے اپنے انہیں مخاطبین کو سامنے رکھتے ہوئے سیرت کے وسیع گلستان سے کچھ پھول چُنے ہیں۔ انہوں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عام قاری کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے اور اس لیے بھی کہ مطالعہ کے تسلسل میں فرق نہ پڑے، کتاب کو حوالوں سے گرانبار نہیں کیا البتہ کتابیات کا آخر میں تذکرہ کر دیا ہے۔ کتاب اصلاً انگریزی میں ہے اور اس کا نام ہے: Follow Me God Will Love You جو قرآن کی ایک آیت کریمہ کا ترجمہ ہے۔

فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔[1]

مصنف نے جب اس کتاب کے اُردو ترجمہ کے لیے راقم سے رجوع کیا تو اس نے پوری کتاب پر ایک نظر ڈالی۔ وہ اُسے عام غیر مسلم تعلیم یافتہ انسان کے لیے بے حد مفید نظر آئی۔ کیونکہ اس میں حیات نبوی اور پیغام نبوی دونوں کو یوں ہم آہنگ و پیوست کر دیا گیا ہے کہ کتاب واقعاتِ سیرت کے ساتھ ساتھ اسلام کا ایک جامع تعارف بھی بن گئی ہے۔ چنانچہ راقم نے کمر ہمت باندھی اور الحمدللہ کہ چھ سات مہینے کی تھوڑی سی مدت میں اس کا ترجمہ مکمل کر دینے کی توفیق ملی۔ اور وہ بھی اس عالم میں کہ میری تین سال کی چھوٹی سی معصوم بچی، نبی' ایک جان لیوا اور مہلک مرض کا شکار تھی اور اسی میں دو سال مبتلا رہ کر وہ بالآخر ہمیں سوگوار کر کے جنت کی مکین ہو گئی۔

اس ترجمہ کو رواں اور سہل بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے، دقیق الفاظ اور اصطلاحوں کے استعمال سے قصداً گریز کیا گیا ہے۔ اس سے قبل بھی راقم نے بہت سی علمی کتابوں کا عربی اور انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ کا عمل نہایت شاق ہے اور بہت وقت لیتا ہے۔ تاہم راقم کو احساس ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ کرتے ہوئے اس نے بڑی محویت، ذہن و دماغ کی شگفتگی، دلی آمادگی اور یکسوئی پائی۔ اس کام میں اس نے کتنی ہی راتیں جاگ کر گزاریں اور اس کی برکت سے تہجد کی نمازیں پڑھنے کا موقع ملا۔ فضاؤں میں نورانیت کا احساس ہوتا اور دل روحانیت کے جذبوں سے شاد و سرشار رہتا۔

[1] آلِ عمران:۳۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجھے خوشی ہے کہ پاکستان میں اس کتاب کو جناب ملک اسد قاسمی صاحب مالک مکتبہ قاسم العلوم، ملک اینڈ کمپنی شائع کر رہے ہیں۔ انہوں نے بڑے حوصلہ سے کام لیکر میرے والد محترم علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی کے قرآن و حدیث پر علمی و تحقیقی کاموں کو بھی بتدریج شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے اور اس کام میں ان کا گراں قدر تعاون جناب سجاد الٰہی اور جناب امتیاز عثمانی صاحبان جیسی علم دوست شخصیات کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ان کی اس محبت اور علم دوستی کے پیش نظر مجھے مناسب یہی لگتا ہے کہ میں ان کی علم دوستی کو خراج تحسین پیش کروں اپنے ہم خیال دوستوں سے مشورہ کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ پاکستان میں اپنی کتابوں کی نشر و اشاعت کے حقوق مکتبہ قاسم العلوم رحمان مارکیٹ اُردو بازار لاہور کے سپرد کر دوں۔ حلقہ احباب نے اس فیصلے کو سراہا اور تعریف کی، اس سلسلہ میں جناب ملک اسد علی قاسمی صاحب نے یہ ذمہ داری قبول کر کے کمال محبت کا ثبوت دیا ہے۔

ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

عرضِ ناشر

اے مالک کائنات ہزاروں درود و سلام تیرے محبوب کی بارگاہ میں کہ جن کا امتی ہونا ہمارے لئے باعث فخر ہے اور ان کی شفاعت کی امید میں ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

صد شکر مالک کائنات کی بارگاہ میں کہ جس نے ہماری رہنمائی کے لئے پیغمبر اسلام رحمۃ اللعالمین کو مبعوث کیا، اور محض اپنی رحمت و کرم سے مجھ ناچیز کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ میں اس کے محبوب آقائے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مبارکہ پر ایک کتاب شائع کروں، بلاشبہ یہ مقام خدا بزرگ و برتر منتخب لوگوں کو عطا کرتا ہے، خدا نے میرا انتخاب کیا اس کے لئے میں کسی بھی طرح اس کا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں۔

اس کتاب کے متعلق ڈاکٹر صاحب گو کہ مناسب معلومات دے چکے ہیں میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اس کتاب کا مطالعہ آپ کو لازمی سیر کرے گا کیونکہ اس کی زبان عام فہم اور زمانہ حال کے مطابق الفاظ کے چناؤ نے اس کی اہمیت کو دو چند کر دیا ہے، جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے بھی کہا یہ کتاب جدید طرز تحریر کا نمونہ ہے اور امید ہے کہ آنے والے زمانے میں اس کی تقلید کی جائے گی۔ اور یہ کتاب اس لئے بھی منفرد ہے کہ یہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے ہے۔

اللہ رب العزت مصنف، مترجم، اور ان تمام لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لئے کسی بھی طرح کی خدمت انجام دی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے نام لینے کے آداب

صلی اللہ علیہ وسلم کہنا:

مسلمانوں پر فرض ہے کہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیا جائے تو وہ درود پڑھیں۔ اسی لیے کتابوں میں جہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام آتا ہے تو اس کے بعد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دعائیہ کلمہ لکھا جاتا ہے۔ چونکہ یہ کتاب وسیع پیمانے پر مسلمانوں وغیر مسلموں تک پہنچے گی اس لیے اس میں ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے بعد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اکتفا کریں گے۔ جو بھی مسلمان اسے پڑھے گا وہ درود پڑھ لے گا۔ پیغمبر پر جو درود پڑھا جاتا ہے وہ خود بتاتا ہے کہ پیغمبر خدا نہیں ہیں بلکہ ایک انسان ہیں گر چہ سید انسانیت اور خاتم الانبیاء ہیں۔ انہیں بھی خدا کی رحمتوں اور عنایتوں کی ضرورت ہے۔ یہ مسلمانوں کے لیے بھی عظیم یاددہانی ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر کے مقام پر ہی رہنے دیں خدا کے مرتبہ کو نہ پہنچائیں۔ اس سے بنیادی طور پر اسلام کے عقیدہ توحید کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔

علیہ السلام کہنا:

عربی جملے ”علیہ السلام“ کا معنی ہوتا ہے ”اُن پر سلامتی ہو“ جب بھی کسی پیغمبر کا نام لیا جاتا یا پڑھا جاتا ہے تو یہ دعائیہ کلمہ کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں ہم صرف بریکٹ میں ” “ لکھ دیں گے۔ مسلم قاری خود اس کو سمجھ جائیں گے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ یہ دعائیہ جملہ اس لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے کہ قرآن کی ہدایت ہے کہ خدا کے پیغمبروں میں کسی طرح سے تفریق نہ برتی جائے۔

رضی اللہ عنہ کہنا:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کے نام کے بعد بھی دعائیہ کلمہ رضی اللہ تعالیٰ کہنا یا لکھنا ضروری ہے۔ اسی لیے کتابوں میں جہاں بھی کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے۔ ہم اس کتاب میں صحابی کے نام کے بعد بریکٹ میں "رض" لکھیں گے کیوں کہ مسلمان قاری اس سے سمجھ جائیں گے کہ ان کو کیا پڑھنا ہے مثلاً حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ۔

❀❀❀❀❀❀

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اظہار تشکر

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے مجھ کو اپنے پیغمبر ﷺ کی سیرت طیبہ لکھنے کی توفیق بخشی۔ کتاب لکھتے وقت مسلم وغیر مسلم دونوں قارئین کا وسیع حلقہ میرے سامنے رہا ہے۔ یہ کتاب رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے ان گوشوں کو نمایاں کرنے کی ایک چھوٹی سی کوشش ہے جن سے برادران اسلام فائدہ اٹھائیں اور ہمارے سماج کو موجودہ دنیا میں ترقی ونجات حاصل ہو سکے۔ کتاب کے قارئین سے میری یہ عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کو محض آپ ﷺ کی عام سوانح عمری سمجھ کر نہ پڑھیں بلکہ آپ ﷺ کی تاریخ ساز اور انقلابی شخصیت سے اپنے لیے رہنمائی حاصل کریں کہ آپ ﷺ کی شخصیت ہی نے تاریخ کا دھارا بدلا ہے۔

عام معنوں میں ہمارا مقصد پیغمبر اسلام کی سوانح عمری لکھنا نہیں تھا، نہ ہی یہ شوقیہ طور پر سیرت کی کتابوں میں ایک اور کتاب کا اضافہ کرنے کے لیے لکھی گئی ہے اور نہ ہی اس سے رسالت کے مشن اور سیرت رسول ﷺ کے سلسلہ میں اپنے علم کا اظہار مقصود ہے۔ بلکہ 2008 میں، میں نے ''قرآن سب کے لیے'' نام سے پراجیکٹ تیار کیا جس کے نفاذ میں میں ایک مدت تک لگا رہا۔ اسی دعوتی مہم کے دوران اچانک یہ خیال میرے اندر پیدا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو بھی سادہ ترین اسلوب میں عام لوگوں تک پہنچایا جائے۔ میری اہلیہ شبانہ اور بیٹی صوفیہ نے اس کام کے لیے مزید آمادہ کیا اور جب ایک بار شروع کر دیا تو پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ یہ دونوں ہر قدم پر مسلسل میرا سہارا بنی رہیں اور حوصلہ دلاتی رہیں یہاں تک کہ یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے۔ یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ اس پروجیکٹ کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ سے دنیا والوں کو روشناس کرانا اور ان کو راہ نجات دکھانے کی کوشش ہے۔

اسی طرح میں اپنے خاندان کے لوگوں، بھائیوں اور بہنوں کا شکر گزار ہوں، نیز دل کی گہرائیوں سے اپنی والدہ ماجدہ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے اس کام میں گہری دل چسپی لی اور برابر اس کی تکمیل کی رُوداد مجھ سے سنتی رہیں اور اس کو مکمل کرنے کی ہمت دلاتی رہیں۔

سن 1976 میں والد محترم سید عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد یہ امی جان کی تعلیم و تربیت ہی تھی جس کی بدولت ہم لوگوں نے دعوت دین اور قرآن پاک کی نشر و اشاعت میں لگنے کی سعادت پائی ہے اور اب ان کی دعاؤں کے طفیل میں پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کی چند جھلکیاں پیش کرنے کی توفیق ملی۔

آخر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں جس نے مجھے اس بات کی طاقت اور توفیق عنایت کی کہ کتاب کی تکمیل کر سکوں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

توحید اسلام کی اساس ہے۔ اس کا سادہ مفہوم یہ عقیدہ ہے کہ اللہ صرف ایک ہے۔ توحید رسالت کی تاریخ میں ہمیشہ سے ہی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ آغاز ہی سے اللہ نے انسانوں کے پاس پیغمبر اور رسول بھیجے جن کا کام یہ تھا کہ اللہ کے وجود کا اثبات کریں، اس کے احکامات کی اقامت کی دعوت دیں، اس سے محبت کرنے اور اسی سے لو لگانے کا سبق یاد دلائیں۔ پہلے رسول آدم علیہ السلام سے لے کر آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک رسالت کا یہ سلسلہ چلا۔ جس میں اولوالعزم پیغمبران، حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کئی اور معروف انبیاء شامل ہیں اور وہ بھی ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے۔ توحید کے معانی میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے۔ ہم ابتدا سے لے کر انتہا تک اس کی مخلوق ہیں اور ایک دن ہمیں اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ جیسا کہ قرآن نے واضح طور پر کہا ہے:

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾

ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف سب پلٹ کر جانے والے ہیں۔[1]

اللہ کی طرف سے انبیاء و رسل کا بھیجا جانا بتاتا ہے کہ زمین و آسمان کے مابین ایک محکم رابطہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کے اندر خیر کا پہلو غالب ہے اور اس کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ تمام انبیاء و رسل اعلیٰ کردار اور اونچے مرتبہ والے تھے۔ انہیں اللہ نے انسانوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب اور تیار کیا تھا۔ ان کی ایمانداری، صداقت، دیانت اور شخصی کمالات ہر شک و شبہ سے بالا تھا۔ وہ معصوم تھے کہ انہوں نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا نہ اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی۔

---

[1] سورۃ البقرۃ:١٥٦

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسالت سے انسان کو صراط مستقیم پانے میں مدد ملتی ہے، معروف کو اختیار کرنے اور منکر کو چھوڑنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ رسالت انسان سے خدا کی محبت کا اظہار ہوتی ہے اور اس حقیقت کا اظہار بھی کہ اللہ چاہتا ہے کہ انسان کو صحیح فکر وعمل کی رہنمائی کی جائے۔ رسالت سے اللہ کے عدل کا اظہار ہوتا ہے کہ پہلے وہ انسان کو اس کے اچھے برے سے آگاہ کر دیتا ہے اس کے بعد اسے اس کے کاموں کے لیے ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ پہلے وہ رسولوں کے ذریعہ آگاہ کرتا ہے اور اگر انسان اپنے برے کرموں کا برا نتیجہ دیکھنے میں ناکام رہتا ہے تو پھر وہ سزا کے قابل ہو جاتا ہے، یہ اللہ کے عدل اور اس کی محبت کے بالکل مطابق ہے۔ اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان اپنے مالک کے آگے جواب دہ ہے۔

رسالت کا مرکز اور تمام رسولوں کا مرجع حقیقی ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ ان کا مقصد خدا کی نصرت ہوتا ہے۔ وہ لوگوں میں اس کی معرفت پیدا کرتے ہیں اس کی تعلیمات سے ان کو آگاہ کرتے اور خیر کی اقامت کرتے ہیں۔ ان کی تعلیم لوگوں کو مقصد زندگی سے آشنا کرنے اور بامقصد طریقے سے زندگی گزارنے کی تعلیم ہے۔ اسی بنیاد پر مسلمان انبیاء میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ وہ ان کی تعلیمات کو ہم آہنگ اور تکمیلی مانتے ہیں اور اسی سبب سے مسلمان اللہ کے تمام نبیوں اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

محمد ﷺ کو آخری نبی اور قرآن پاک کو آخری کتاب قرار دے کر اللہ نے انسان اور خدا کے مابین رابطہ کا ایک مستقل ذریعہ اور ایک لازوال مینارہ نور پیدا کر دیا ہے۔ قرآن بالکل صاف صاف الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ محمد ﷺ تمام انسانوں کی طرف رب السمٰوات والارض کی جانب سے بھیجے گئے ہیں۔ وہ رحمت للعالمین بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں جو صرف انسانوں کے لیے نہیں بلکہ انسان وغیر انسان سب کے لیے یکساں رحمت ہیں۔ اور وہ خاتم النبیین ہیں۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور تمام مسلمانوں اور سارے انسانوں کو اس پر غور وفکر کرنا اور عمل کرنا چاہیے۔ محمد ﷺ سادہ طور پر محض کسی ایک قوم کے لیے ہیرو یا نجات دہندہ نہیں اور نہ ہی آپ ﷺ کی آمد تاریخ کا کوئی غیر مربوط انقلاب تھا۔ محمد ﷺ کا پیغام کل بھی ایک عالمی تبدیلی کا نقیب تھا اور آج بھی ہے۔ وہ سب کے لیے رحمت ہیں، سب کے لیے عظیم ورثہ اور زندہ وجاوید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روحانی نوید نجات ہیں۔

یہ کتاب ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے لیے'' ایک دعوتی کوشش ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور تعلیمات کے ان پہلوؤں کو جمع کر دیا گیا ہے، جو قاری کو اس حقیقت سے روشناس کرائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح عرب اور پھر ساری دنیا میں انقلاب برپا کیا اور جزیرۃ العرب میں امن وامان اور خوش حالی کا دور قائم کر دیا تھا۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن پاک نازل ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک رسول، ایک بشیر ونذیر، ایک رول ماڈل اور ایک ہادی ورہنما ہونے کی حیثیت پر بار بار روشنی ڈالتی ہے۔ قرآن کریم جو رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا تھا، کی روشنی میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتخاب رسالت کے لیے اللہ نے کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمونہ کو اسوہ حسنہ واسوہ کاملہ قرار دیا۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوزیشن غیر معمولی اور ممتاز ہو جاتی ہے۔

کل کی طرح آج بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان امت کی زندگی میں اور اس کے شعور اور ضمیر میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف مسلمانوں کا پیغمبر یا اللہ اور انسانوں کے درمیان کوئی ثالث نہیں سمجھتے بلکہ اللہ کی عبادت اور اس سے دعا کرنے کے لئے ہر مسلمان کو ذاتی طور پر مکلف بنایا گیا ہے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض مواقع پر اپنی امت کی جانب سے بھی دعا فرمائی۔ تاہم یہ ہر مسلمان مرد وعورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ سے ذاتی تعلق قائم کرے اور اس سے دعا ومناجات کرے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اللہ کے وجود سے روشناس کرایا۔ اس کی معرفت کا راستہ بتایا اور اس روحانیت کا درس دیا جس کے ذریعہ رسول کی محبت، احترام اور اطاعت سے آگے بڑھ کر وہ اللہ کی عبادت، اس کی اطاعت اور اس سے محبت کرنے لگیں جو نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔

جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزات کا مطالبہ کیا اور کہا کہ نبوت کی کوئی نشانی دکھاؤ، ان کو قرآن نے یوں جواب دینے کے لیے کہا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے! کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔ [1]

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ موجود ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔ [2]

یہ آیات قیامت تک کے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عظیم سے آگاہ کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول مجتبیٰ ہیں۔

اس کتاب میں ہماری توجہ اس بات پر مرکوز رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کو بیان کرتے ہوئے وہ حالات، وہ رویے اور وہ اقوال سامنے لائیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا عکس جمیل بھی سامنے آئے اور موجودہ زندگی کے لیے رہنمائی کا سامان بھی ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق طیبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا

"کان خلقه القرآن"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو قرآن کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو چلتا پھرتا قرآن تھے۔

اس کتاب کے سلسلے میں ابتدائی خیال یہ تھا کہ حیات رسول مکی و مدنی سے اس کے لازوال روحانی خزانوں کو اخذ کیا جائے گا۔ تاہم ساتھ ہی سیرت طیبہ کے تاریخی واقعات میں بھی عملی سبق ملتے ہیں۔ ساتویں صدی میں ایک خاص اجتماعی سیاسی اور ثقافتی ماحول میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جدوجہد کی اور اسلام کے لیے ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ اس خاص تاریخی و جغرافیائی پس منظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کے مطالعہ سے ہم اس قابل ہو سکتے ہیں کہ انسان کی

---

[1] سورة الكهف:110

[2] الاحزاب:21

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زندگی میں عقیدہ کی اہمیت، انسانی اخوت، محبت، اجتماعی زندگی، عدل وانصاف اور قوانین صلح و جنگ سے متعلق روشنی اخذ کرلیں۔ اسی لیے سیرت سے متعلق ہمارا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ اس کو عصری تناظر میں دیکھیں اور اس سے یہ سبق لیں کہ موجودہ زمانے کے بارے میں وہ کیا کہتی اور کیا رہنمائی کرتی ہے۔

چنانچہ مسلمان وغیر مسلم سب قارئین کو صلائے عام ہے کہ وہ اسوہ حسنہ کا مطالعہ کریں اور آپ ﷺ کے نقوش قدم پر چلیں۔ چنانچہ اسی نقطہ نظر سے ہم نے بعض خاص خاص واقعات کو زیادہ اجاگر کیا ہے، جبکہ بعض واقعات کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اس کی بنیادی وجہ سیرت سے وہ تعلیمات اخذ کرنا رہی ہے جو فی زمانہ ہمارے کام آئیں اور جو معاصر زندگی کے بارے میں کلام کرتی ہوں۔

کتاب کے ابواب ہم نے قصداً مختصر رکھے ہیں۔ اور ان کے مطالعہ کے دوران قاری یہ محسوس کرے گا کہ وہ سیرت کے تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا صاحب قرآن کی معاصر سماجی، سیاسی، ثقافتی وتہذیبی، قانونی وعدالتی، فلسفیانہ اور روحانی زندگی کی فضاؤں میں سفر کر رہا ہے۔

ہمارا مقصد ہے کہ قاری خود پیغمبر کو جانے اور اس معرفت سے وہ محبت کے سمندر میں ڈوب کر اس روح کو پالے جو آپ ﷺ کے مشن میں جاری وساری تھی۔ اس کتاب کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ اس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ایک آئینہ بن کر ہمارے سامنے آئے اور ہم اس کی روشنی میں عہد حاضر کے چیلنجوں کو دیکھ اور سمجھ سکیں اور ہمارے دل ودماغ میں وسیع اخلاقی اور معاشرتی مسائل کا فہم اجاگر ہو سکے۔

کتاب وسیع تناظر میں لکھی گئی ہے اور لکھتے وقت مسلم وغیر مسلم قارئین کا وسیع حلقہ سامنے رہا ہے۔ بیان واقعات کے ساتھ فکری انگیز سبق اور غور وتامل کو یوں سمویا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ اسلام کے عالمی وآفاقی روحانی پیغام کو پیش کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا تاریخی تجربہ دراصل ان ابدی اصول ومبادی کو جاننے کا بہترین ذریعہ ہے جن کو پوری دنیا کے 1.5 بلین مسلمان عزیز رکھتے ہیں۔ اس طرح کتاب اسلام کا ایک زندہ تعارف بن گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیارے صحابہ رضی اللہ عنہم اور مسلمانوں کو خدا سے محبت کرنا سکھایا، اس بارے میں قرآن کہتا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی جو خود اس بات کا ثبوت بھی تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت میں اتنی شدت تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں سنا تو انہوں نے تلوار سونت لی کہ جس نے بھی زبان سے یہ بات نکالی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان میں بلایا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقینا واپس آئیں گے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بڑے صحابی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خاموش کر یا اور کہا:

لوگو! جان لو کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اسے جان لینا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اور جو لوگ اللہ کی عبادت کرتے تھے انہیں جاننا چاہیے کہ اللہ حی لا یموت ہے۔"

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾

محمد صرف رسول ہی ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہر گز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔ [2]

[1] آل عمران:31
[2] آل عمران:144

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ الفاظ پوری قوت سے نبی ﷺ کی زندگی کے انسانی رخ کو پیش کرتے ہیں تاہم ان سے کسی بھی طرح مسلمانوں کی رسول اللہ ﷺ سے شدید محبت میں کوئی کمی نہیں آتی جو وہ پوری تاریخ میں آپ ﷺ سے رکھتے آئے ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو۔ [1]

یہ کتاب محبت اور بصیرت کے ساتھ اسی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش ہے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ روحانیت کی کھلی دعوت ہے اور سیرت طیبہ میں پیش آئے حالات، آزمائش اور مصائب کی راہ سے ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ موجودہ مسائل، سوالوں اور بحرانوں کا جواب جذبہ دل ہی سے پایا جا سکتا ہے۔ محمد ﷺ معلم انسانیت ہیں آپ ﷺ کی تعلیمات آج بھی باقی اور محفوظ ہیں۔ آپ ﷺ ہادی عالم اور رہنمائے بشر ہیں۔ آپ ﷺ ایسے رول ماڈل ہیں جن کی تقلید کیے بغیر انسان فلاح نہیں پا سکتا اور سب سے اوپر یہ کہ آپ ﷺ ایسے انسان مجتبیٰ ہیں جن کے اقوال ہدایت، جن کا سکوت رہنمائی اور جن کے اعمال واجب الاتباع۔

اس طرح ایک مسلمان کا ایمان ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں، کیونکہ قرآن اس کی گواہی دیتا ہے اور یہ کہ محمد ﷺ کا پیغام بدرجہ اتم ایک عالمی اور مکمل دین ہونے کی تمام خصوصیات رکھتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں وفات سے قبل اپنا مشن پورا کر دیا تھا جیسا کہ قرآن کریم بیان کرتا ہے:

”اللہ کا دین مکمل ہو گیا، ایمان والوں پر اس کی نعمت تمام ہو گئی، وحی الٰہی ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دی گئی“

چنانچہ جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی دین اسلام مکمل ہو چکا تھا۔ اہل ایمان استقرار پا

[1] الاحزاب 56:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

چکے تھے۔ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں پورا حتمی اور اصل متن میں محفوظ کر لیا گیا تھا۔ یعنی اللہ کا دین تصور و عمل ہر اعتبار سے مکمل ہو چکا تھا۔ اللہ کی بادشاہت زمین پر قائم ہو چکی تھی، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کارنامے یہ ثابت کر چکے تھے کہ اللہ کی بادشاہت کا تعلق زمین سے بھی ہے اور یہ کہ جب بھی مخلص اہل ایمان اس کے لیے جد وجہد کریں گے وہ زمین پر قائم کی جا سکے گی۔

اب انسان کو نئی وحی اور نئے نبی کی ضرورت نہیں۔ اس کو صرف ضرورت ہے جاگ جانے کی، آنکھیں کھولنے اور دل کو بیدار کرنے کی۔ اس کو ضرورت ہے وحی موجود کا استعمال کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی، کیوں کہ وحی محمدی نے سابقہ تمام وحیوں کی روح اور تعلیمات کشید کر لی ہیں۔

ہم نے ان تمام حقائق کو خاصی محنت اور تحقیق کے بعد پیش کیا ہے۔ بارگاہ ایزدی میں عاجزانہ دعا ہے کہ اللہ تعالی ہماری اس محنت کو قبول فرمالے اور ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں پر ہمیں معاف فرمائے۔ آمین!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

باب اول

کعبہ اللہ کا گھر

اسلامی روایات کے مطابق اللہ کا گھر کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ اس کی حیثیت توحید کے مرکز کی تھی جہاں تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، جو کائنات کا رب اور خالق و مالک اور تمام انسانوں اور پیغمبروں کا رب ہے۔ صدیاں اسی طرح گزریں۔ مکہ حج و زیارت کے مرکز کے ساتھ ہی ایک بڑا تجارتی و کاروباری مرکز بھی بن گیا۔ کچھ وقت بعد اللہ تعالیٰ کی جگہ بتوں کی پوجا ہونے لگی جس نے مقامی وقبائلی رنگ اختیار کیے اور مختلف قسم کے بت اور اصنام پیدا ہو گئے۔ اسلامی روایات کے مطابق جب نزول قرآن کا آغاز ہوا تو اس وقت کعبہ میں 360 مورتیاں اور بت رکھے ہوئے تھے۔

محض ایک چھوٹا سا گروپ توحید کے راستہ پر چل رہا تھا جو بتوں کی پوجا سے اجتناب کرتا تھا۔ ان لوگوں کو حنفاء کہتے ہیں۔ یہ لوگ ابراہیمی توحید کی باقیات کو گلے لگائے ہوئے تھے کیونکہ قرآن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے طریقہ عبادت کو حنیف قرار دیا ہے۔ فرمایا:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

اس سے بہتر دین کس کا ہو سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور جو بہترین طریقہ پر ہو۔ اور اس نے ابراہیم علیہ السلام حنیف کی پیروی کی؟ کیوں کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو دوست بنایا تھا۔[1]

[1] النساء: 125

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آفتاب نبوت کا طلوع:

محمد ﷺ کی پیدائش بروز پیر 20 اپریل 571ء کو مکہ کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی، جسے بنی ہاشم کہتے ہیں۔ جس کو مکہ اور اطرافِ مکہ میں بڑا شرف و مرتبہ حاصل تھا۔ تاہم اس خاندانی عز و شرف کے ساتھ ہی آپ ﷺ کی ذاتی زندگی خاص طور پر بڑے دکھ بھرے حالات سے پُر تھی۔ کیوں کہ جب آپ ﷺ ماں حضرت آمنہ علیہا السلام کے شکم میں ابھی محض دو مہینہ کے ہی تھے، تب ہی والد محترم حضرت عبداللہ علیہ السلام مکہ کے شمال میں یثرب شہر کے ایک سفر میں انتقال کر چکے تھے۔ کم سن و پیدائشی یتیم محمد دو متضاد حالتوں میں تھے، ایک طرف بن باپ کی زندگی دوسری طرف وجاہت والا گھرانہ۔

محمد کا معنی ہوتا ہے تعریف کے لائق یا جس کی تعریف بار بار کی جائے۔ یہ نام آپ ﷺ سے پہلے عرب میں بالکل غیر معروف تھا اور خواب میں حضرت آمنہ علیہا السلام کے ذہن میں اس وقت آیا تھا جب وہ ابھی حمل سے ہی تھیں۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ خواب میں ہی کہنے والے نے بی بی آمنہ علیہا السلام سے کہا کہ ان کو جو بچہ پیدا ہوگا وہ انسانوں کا سردار ہوگا۔ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو بی بی آمنہ کی زبان سے نکلا ''میں اسے حاسدوں کے شر سے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں'' شوہر کو کھونے کا غم اور بچہ کی پیدائش کی خوشی کے ملے جلے جذبات کے عالم میں بی بی آمنہ علیہا السلام کو دورانِ حمل عجیب و غریب نشانیاں دکھائی دیتی رہیں اور آخر میں بچہ کی پیدائش بھی بہت آسانی سے ہوئی۔ بی بی آمنہ علیہا السلام کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ وہ ایک منفرد بچہ کی ماں ہیں۔ یہی احساس بچہ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا بھی تھا۔ مکہ میں دستور یہ تھا کہ بچوں کو صحرائی بدو قبیلوں کی دودھ پلانے والیوں کے حوالہ کر دیا کرتے۔ چونکہ محمد یتیم تھے لہٰذا سبھی دودھ پلانے والیاں یکے بعد دیگر آپ ﷺ کو لینے سے انکار کرتی رہیں آخر میں دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا جو اپنے اونٹ کی کمزوری کی وجہ سے پیچھے رہ گئی تھیں آئیں، اور انہوں نے بچہ کو یتیم ہونے کے باوجود لے لیا کہ جب واپس لوٹیں تو قبیلہ کے لوگوں کے طعنے نہ سننا پڑیں۔ حضرت بی بی آمنہ کی طرح حلیمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر کو بھی واپسی میں بہت سی نشانیاں دیکھنے کے بعد یہ احساس ہو گیا کہ یہ بچہ ایک منفرد بچہ اور دریتیم ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحرا

چار سال تک یتیم محمد ﷺ کی پرورش بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ہوئی جن کا تعلق بدوی قبیلہ بنو سعد سے تھا۔ عرب کے صحرا میں وہ اس دوران صحرا نشینیوں میں رہے۔ جن کا ماحول فطری اور زمین سخت اور بنجر تھی۔ جہاں تک آنکھ جاتی انسان کو آفاق سے گھرا ماحول نظر آتا۔ جو انسانی زندگی کی کمزوری بھی عیاں کرتا اور ساتھ ہی یہ ماحول انسان کو غور و فکر پر بھی ابھارتا۔ انجانے میں محمد ﷺ اس عظیم کام کے لیے تیار ہو رہے تھے جو آپ ﷺ کو انجام دینا تھا۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی منتخب کر لیا تھا۔ اور اب وہی آپ ﷺ کا معلم و نگراں تھا۔ وہی رب و پالنہار تھا۔ عربی لفظ رب کا ترجمہ آقا اور پالنہار بھی ہوتا ہے۔

بعد میں قرآن نے آپ ﷺ کی زندگی کے اس مرحلہ اور یتیمی و صحرائی روحانی تجربہ پر یوں تبصرہ کیا:

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝٦ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝٧ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝٨ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝٩ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝١٠ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝١١

کیا اس نے تجھے یتیم پا کر جگہ نہیں دی، اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی، اور تجھے نادار پا کر تونگر نہیں بنا دیا؟ پس یتیم پر تو سختی نہ کیا کر اور نہ سوال کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ، اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتا رہ۔[11]

ان قرآنی آیات میں کئی تعلیمات پوشیدہ ہیں: یتیم و نادار ہونا مستقبل کے پیغمبر کے لئے ابتدائی مرحلہ تھا۔ جس کی کم از کم دو وجوہ ہیں:

1 عاجزی و انکساری اور بے بسی کی کیفیت آپ ﷺ کو اپنی یتیمی کے عہد سے ہی محسوس کرائی گئی۔ اس کیفیت میں اس وقت اور اضافہ ہو گیا جب ماں جناب حضرت آمنہ بھی آپ ﷺ کو محض ۞ سال کی عمر میں چھوڑ کر چلی گئیں۔ اس سے آپ ﷺ کلی طور پر اللہ پر منحصر

[11] الضحیٰ: 6-11

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو گئے، ساتھ ہی سب سے زیادہ بے کس لوگوں کے قریب بھی۔ قرآن آپ ﷺ کو یاد دہانی کراتا ہے کہ اس کو آپ ﷺ کبھی نہ بھولیں بطور خاص نبوی زندگی میں۔ آپ ﷺ یتیم و نادار تھے اسی وجہ سے آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ کبھی یتیموں و بے سہاروں کو تنہا نہ چھوڑیں۔ پیغمبر کی زندگی سب کے لیے مثالی ہوتی ہے اسی سے یہ چیز اخذ کی جاسکتی ہے کہ کسی بھی آدمی کو اپنے ماضی کو نہیں بھولنا چاہیے، نہ اپنی مشقتوں اور ماحول کو اور نہ اپنی اصل کو۔ نیز اپنے دکھ بھرے تجربہ کو اپنے اور دوسروں کے لیے ایک مثبت سبق میں بدل دینا چاہیے۔ اس طرح آیات مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد ﷺ کا ماضی ان کے لیے ایک درس ہے جس سے ان کو مفید علمی سبق اور درست معرفت اخذ کرنی چاہیے تاکہ ان لوگوں کو فائدہ ہو جو مشقتوں کے دور سے گزر رہے ہیں۔ کیوں کہ آپ ﷺ کو تو ذاتی تجربہ ہو چکا ہے لہٰذا آپ ﷺ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے کہ مصیبت کے مارے لوگوں پر کیا گزرتی ہے۔

فطرت کے سایہ میں تعلیم

صحرا کی زندگی تخلیق اور عناصر تخلیق کے بارے میں انسان کے تصور کی تشکیل کرتی ہے۔ جب محمد ﷺ صحرا میں آئے تو بدوؤں سے فصیح زبان اور خطابت سیکھنے کے لائق تھے۔ چنانچہ بدوی ماحول میں آپ ﷺ کی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پروان چڑھی، بعد کے زمانہ میں اسی تربیت کے ذریعہ آپ ﷺ اس قابل ہو سکے کہ اسلام کے آفاقی پیغام اور تعلیمات کو جامع، رواں، مختصر اور بلیغ جملوں میں ادا کر سکیں۔ صحرا کی زندگی آدمی کے ذہن کو سب سے زیادہ مشاہدے اور غور و فکر کے لیے کھولتی ہے۔ اپنی شروع کی زندگی میں محمد ﷺ نے فطرت کے ساتھ ایک خاص رشتہ قائم کر لیا جو آپ ﷺ کے پورے مشن میں برقرار رہا۔ قرآن کریم کی بہت ساری آیات کتابِ کائنات اور تخلیق پر کلام کرتی ہیں۔ اشیا کے بارے میں بتاتی ہیں۔ اس کے علاوہ صحرا واضح طور پر ایک حساس و باشعور آدمی کو زندگی کے بعد موت کی حقیقت کا احساس کراتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣٩﴾

اس اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر ابھرنے لگتی ہے جس نے اسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے۔ بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ [1]

محمد ﷺ کی زندگی میں فطرت کے ساتھ انتہائی گہرا رشتہ ہے اور یہ مسلم ہے کہ فطرت سے قرب اور مشاہدہ اور تفکر ایمان کو تازہ کرتا ہے کئی سال بعد جب محمد ﷺ مدینہ میں تھے لڑائیوں اور جنگوں کا سلسلہ چل رہا تھا کہ ایک آیت اتری جو معانی کے نئے آفاق کھولتی ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾

آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ [2]

حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ ساری رات روتے رہے، صبح میں جب موذنِ رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دینے کے لیے آئے تو انہوں نے آپ کے آنسوؤں کا سبب دریافت کیا، آپ ﷺ نے ان کو آیت کے معانی سمجھائے اور فرمایا ''برا ہو اس شخص کا جو اس آیت پر سے گزرے اور اس کے معانی پر غور نہ کرے! ایک دوسری آیت میں یہی معنی متعدد نشانیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں بیان کیا گیا ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا

[1] حم سجدہ 39

[2] آل عمران:190

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

''آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات دن کا ہیر پھیر، کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا، آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو زندہ کر دینا، اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا، ہواؤں کے رخ بدلنا اور بادل جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں ان میں عقل مندوں کے لیے قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں۔''[1]

یقینی طور پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے ابتدائی سالوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصور حیات کی تشکیل کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کائنات کی نشانیوں کے فہم کی صلاحیت دی۔

جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دل پر ''اللہ'' کا نام لکھا گیا

سیرت و تاریخ کی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار سال کے ہوئے تو ایک بڑا ہی عجیب واقعہ رونما ہوا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدوی قبیلہ بنو سعد کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کا شوہر اور لڑکا دونوں خوف زدہ بھاگتے ہوئے آئے اور انہوں نے بتایا کہ ''سفید کپڑوں میں ملبوس دو آدمیوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑ لیا، ان کا سینہ چاک کیا اور اپنا ہاتھ اس کے اندر ڈال دیا۔'' حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے، انہوں نے دیکھا کہ محمد خوف کے مارے پیلے پڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے تصدیق کی کہ دو آدمیوں نے ان کا سینہ چاک کیا تھا اور مزید یہ کہ ''اُنہوں نے میرے سینہ میں کسی مقام کو چھوا معلوم نہیں کہ وہ کون سی جگہ تھی''۔[2] اس واقعہ سے پریشان ہو کر اور یہ سوچ کر کہ بچہ پر کسی آسیب کا سایہ پڑ گیا ہے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر نے طے کیا کہ بچہ کو مکہ میں اس کی ماں کے پاس پہنچا دیا جائے۔ شروع میں انہوں نے حضرت بی بی آمنہ علیہا السلام

[1] البقرہ:164
[2] یہ شق صدر کا مشہور واقعہ ہے، اللہ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر کو شفاف و منزہ کر دیا گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے اصل بات چھپائی لیکن ان کے بار بار اصرار پر ان کو پورا واقعہ سنا دیا۔ حضرت بی بی آمنہ علیہا السلام کو یہ قصہ سن کر حیرت نہیں ہوئی۔ وہ بولیں کہ انہوں نے خود ایسی نشانیاں دیکھی ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کا بچہ ایک انوکھا اور خاص بچہ ہے۔ سچ پوچھو تو یہ دریتیم ہے۔

''کئی سالوں کے بعد محمد ﷺ نے اس واقعہ کو یاد کرتے ہوئے بتایا کہ ان دو آدمیوں نے آپ ﷺ کا سینہ چاک کر کے آپ ﷺ کا قلب اطہر نکالا تھا اور اس کو کھول کر اس میں سے ایک کالا ٹکڑا نکال دیا پھر دل و سینہ کو برف سے صاف کر دیا تھا۔''

ایک دوسرے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا تذکرہ کیا اور اس واقعہ کی روحانی تشریح کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ

''تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ ایک شیطان یا ایک فرشتہ نہ لگا ہو (بعض روایتوں میں شیطان کی جگہ جن ہے) صحابہ نے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی۔ مگر اللہ نے میری مدد کی اور وہ شیطان ایمان لے آیا ہے۔ اور وہ مجھے صرف اچھائی کا حکم دیتا ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ جن ایسی مخلوق ہیں جو انسانوں کی طرح نیک و بد ہوتے ہیں ان میں اہل ایمان اور اہل کفر دونوں طرح کے لوگ ہیں''

یہاں محمد ﷺ پیش آمدہ واقعات پنہاں روحانی پہلو کی وضاحت کرتے ہیں کہ: بچپن سے ہی محمد ﷺ کو شیطانی خواہشات سے بچایا گیا جو کہ ہر آدمی کے دل پر مسلط رہتی ہیں۔ شق الصدر کے ذریعہ آپ ﷺ کو نبوی مشن کے لیے تیار کیا گیا، عموی طور پر آپ ﷺ کے تصفیہ قلب کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝٢ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝٣ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝٤

کیا ہم نے آپ ﷺ کے سینہ کو کھول نہیں دیا، اور آپ ﷺ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ کا بوجھ ہٹا نہیں دیا جس سے آپ کمر ٹوٹ رہی تھی؟ اور آپ کے مقام کو بلند نہیں کر دیا۔ [1]

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیتیں بنیادی طور پر حضور ﷺ کو دیے گئے تین انعامات کی طرف اشارہ کرتی ہیں،

1. آپ ﷺ کے دل میں توحید کا تخم ڈالنا۔
2. بحیثیت نبی آپ ﷺ کا انتخاب۔
3. زندگی بھر نصرت خداوندی کی ہم رکابی۔

بچپن سے ہی محمد ﷺ کے ساتھ ایسے معجزات اور واقعات پیش آرہے تھے جنہوں نے آپ ﷺ کی تربیت کی اور اپنے مشن کے لیے تیار کر دیا۔

مکہ واپس آ کر کم سن محمد ﷺ اپنی ماں حضرت بی بی آمنہ علیہا السلام کے ساتھ دو سال رہے۔ جب آپ ﷺ چھ سال کے ہو گئے تو وہ آپ ﷺ کو ننھیال مدینہ والوں سے ملانے لے گئیں لیکن واپسی میں مقام ابواء پہنچ کر بیمار پڑ گئیں اور وہیں انتقال فرما گئیں۔ اب محمد ﷺ بغیر ماں باپ کے تھے۔ ایک طرف یہ غم اور دوسری طرف وہ نشانیاں جو آپ ﷺ کی منتخب شخصیت پر دلالت کر رہی تھیں۔ حضرت آمنہ علیہا السلام کے غلام برکہ، جو ساتھ میں تھے، آپ ﷺ کو لے کر مکہ آئے۔ جہاں مشفق و مہربان دادا نے فوراً آپ ﷺ کو اپنی آغوش محبت میں لے لیا۔ وہ محبت و شفقت سے آپ ﷺ کی پرورش کرتے رہے یہاں تک کہ دو سال بعد خود بھی چل بسے۔

در یتیم خدا کی نگرانی میں

محمد ﷺ کی داستان مشکل ہے اور اس آیت کریمہ کی تفسیر بھی کہ:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾

یقیناً مشکل کے بعد آسانی ہے یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ [2]

---

[1] الم نشرح 1-4
[2] الم نشرح 5-6

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آٹھ سال کی عمر میں ہی ننھے محمد ﷺ کو یتیمی، غربت، تنہائی اور ماں کی جدائی اور آخر میں دادا کی موت جیسے تلخ تجربات سے گزرنا پڑا تاہم اس مدت میں بھی قدرت کی طرف سے وہ نشانیاں اور علامتیں ظہور پذیر ہوتی رہیں جو لوگوں میں برابر یہ خیال پیدا کرتی رہیں کہ یہ الگ ہی قسم کا بچہ ہے اور یہ آگے چل کر بڑا آدمی بنے گا۔

بستر علالت پر حضرت عبدالمطلب نے کم سن پوتے کا ہاتھ مشفق چچا جناب حضرت ابو طالب کے ہاتھ میں دے دیا۔ جنھوں نے اپنی ذمہ داری بالکل ویسے ہی نبھائی جیسے ایک باپ اپنے بچہ کی نبھاتا ہے۔ بعد کے دنوں میں حضور ﷺ حضرت ابو طالب اور چچی حضرت فاطمہ بنت اسد کی محبت وشفقت کو یاد کیا کرتے۔ ''یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے''۔

بلاشبہ آزمائش کی ان گھڑیوں میں حضور اپنے رب کی تربیت ونگرانی میں رہے جو مالک کارساز اور معلم اور رب ہے۔ چنانچہ روایات بتاتی ہیں کہ مکہ میں آپ ﷺ کو بتوں کی پوجا، میلوں ٹھیلوں اور ان دعوتوں اور شادی بیاہ کی تقریبات سے غیبی طور پر بچا لیا جاتا جن میں گانا بجانا ہوا کرتا تھا۔

مثال کے طور پر ایک بار آپ ﷺ شادی کی ایک تقریب میں لے جائے گئے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے راستہ میں تکان کا احساس ہوا، چنانچہ آپ ﷺ لیٹ گئے اور فوراً سو گئے۔ دوسرے دن سورج کی تپش نے ہی آپ ﷺ کو بیدار فرمایا۔

اگر چہ یہ چھوٹی سی کہانی ہے مگر یہ بتاتی ہے کہ کس طرح رب تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو نازیبا محفلوں کی شرکت سے گہری نیند کے ذریعہ روک لیا جاتا، حالانکہ آپ ﷺ کی عمر کے کسی بھی بچے کے لئے ایسی محفلوں کی شرکت فطری سمجھی جاسکتی تھی، لیکن ایسے موقع پر بھی خدا کی دست گیری نے آپ ﷺ کو بچایا۔

نوجوان چرواہا:

آنے والے دنوں میں محمد ﷺ نے بکریاں چرائیں اور اس طرح سے روزی کمانا شروع کیا۔ آپ ﷺ مکہ کے مضافات میں عرب کے صحرا میں دور دور تک بکریوں کے ریوڑ لے کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نکل جایا کرتے۔ اس سے نہ صرف آپ ﷺ نے فطرت کو کھلے طور پر دیکھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے کرشمے بھی آپ ﷺ کو دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ ﷺ کو اس پر فخر تھا کہ آپ ﷺ نے بچپن میں بکریاں چرائیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے کہ بکریاں چرانا نبیوں کی عام سنت رہی ہے۔ ''کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریاں چرائیں، حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریاں چرائیں۔ اصل میں بکریوں، اونٹوں اور بھیڑوں کے ریوڑوں کو کنٹرول کرنا ایک بڑا مشکل کام ہے۔ کیونکہ یہ بے زبان مخلوق اچھے برے کا کوئی احساس نہیں رکھتی۔ بکریاں چراتے ہوئے کم سن محمد ﷺ میں انتہائی صبر و تحمل، غور و فکر اور بیدار مغزی جیسی صفات پیدا ہوئیں۔ پیغمبروں کے لیے اپنا مشن انجام دینے کے لیے یہ صفات بہت ضروری ہیں۔ بچپن ہی سے آپ ﷺ کے ساتھ وہ تجربات اور نشانیاں رونما ہوتی رہیں جنھوں نے آپ ﷺ کو تعلیم و تربیت دی اور آپ ﷺ کو اسلامی مشن انجام دینے کے لیے تیار کر دیا۔

❁❁❁❁❁❁

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب دوم

نبوت کی نشانیاں

عمر کے آخری حصہ میں محمد ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کی دولت میں بہت کمی آ گئی تھی اور چچا ابو طالب جواب بھتیجے محمد ﷺ کے سرپرست تھے، خاصے مشکل مالی حالات سے گزر رہے تھے۔ اسی لیے محمد ﷺ نے چھوٹی عمر سے اپنی روزی کمانا شروع کر دی۔ آپ ﷺ ہمیشہ اپنے خاندان کی مالی مدد فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابو طالب جو ایک تاجر تھے ایک بار شام کے تجارتی سفر کی تیاریاں کر رہے تھے کہ محمد ﷺ نے ان کے ساتھ جانے کی شدید خواہش کا اظہار کیا۔ اگرچہ ایسے مشکل سفر کے لیے ابھی آپ ﷺ کم سن تھے مگر جناب ابو طالب آپ ﷺ پر اتنے مہربان تھے کہ وہ آپ ﷺ کے اصرار کو ٹھکرا نہ سکے اور آپ ﷺ کو ساتھ لے جانے پر راضی ہو گئے۔ شام کے مقام بصریٰ میں یہ تجارتی قافلہ ٹھہرا، وہاں بحیرا نام کا ایک عیسائی راہب تھا جس نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہوا تھا کہ آخری نبی کے ظہور کا وقت اب قریب آ گیا ہے۔

اسلامی تاریخ کے مطابق دوسرے اکثر عیسائی، یہودی اور حنفائے عرب کی طرح بحیرا بھی آخری نبی کے ظہور کا انتظار کر رہا تھا اور اس کی نشانیوں کا برابر مشاہدہ کیا کرتا تھا۔ جب بحیرا نے اس مکی کاروان تجارت کو آتے دیکھا تو اس نے دیکھا کہ بدلی کا ایک ٹکڑا شدید گرمی سے بچانے کے لیے کارواں کے اوپر سایہ فگن ہے۔ مزید جاننے کے ارادے سے بحیرا نے اس کاروان کی دعوت کی۔ حالانکہ یہ چیز علاقہ کے راہبوں میں رائج نہیں تھی۔ گروپ کے ہر ممبر کے گہرے مشاہدہ کے بعد بحیرا کی نگاہ محمد ﷺ پر مرکوز ہو گئی۔ اس نے محمد ﷺ کو ایک طرف لے جا کر ان سے کئی سوال کیے جن میں خاندان کی حالت، آپ ﷺ کی سماجی حیثیت اور آپ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے خواب وغیرہ کے بارے میں استفسارات تھے۔ اس نے آخر میں پوچھا کہ کیا وہ ان کی کمر پر ایک نظر ڈال سکتا ہے؟ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیار ہو گئے۔ بحیرا نے گوشت کے اس ابھار کو دیکھ لیا جسے کتابوں میں ''مہر نبوت'' کے نام سے بیان کیا گیا تھا۔ راہب نے مہر نبوت کی نشانی دیکھ لی اور فوراً سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی آخری زمانے کے نبی ہیں۔

اس کے بعد عیسائی راہب بحیرا نے ابو طالب سے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا کیا رشتہ ہے؟ وہ بولے یہ میرا بیٹا ہے۔ بحیرا بولا یہ نہیں ہو سکتا اس کا باپ زندہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابو طالب نے بتایا کہ ہاں اب ان کے والد بزرگوار زندہ نہیں ہیں۔ تب بحیرا نے کہا کہ ''یہ تمام انسانیت کے سردار ہیں، اللہ ان کو ایک پیغام دے کر بھیجے گا جو دنیا کے لیے رحمت ہی رحمت ہو گا۔

حضرت ابو طالب تعجب سے بولے:

آپ کو اس کا کیسے پتہ چلا؟

بحیرا نے بتایا:

> ''کہ جب تم لوگ عقبہ کی طرف بڑھ رہے تھے تو تمام شجر و حجر سجدہ کی حالت میں چلے گئے جو کہ وہ کسی نبی کے ساتھ ہی کر سکتے ہیں۔ میں ان کو سیب کی مانند ایک گوشت کے ٹکرے سے بھی پہچان سکتا ہوں جو ان کے کندھے کے نیچے ہے وہ مہر نبوت ہے''۔

بحیرا نے ان کو فوراً لوٹ جانے اور اپنے بھتیجے کی دشمنوں سے حفاظت کا مشورہ دیا اور کہا کہ اگر اس بات کو لوگوں نے جان لیا تو وہ ضرور اس کو نقصان پہنچائیں گے۔ جناب ابو طالب نے راہب کا کہا مان کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بعض غلاموں کے ساتھ مکہ واپس بھیج دیا۔

چند سال تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی پہاڑیوں میں بکریاں چراتے رہے۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوخیز تھے اور مکہ کے باشندوں کی سماجی زندگی سے تھوڑا الگ تھلگ رہتے تھے پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے قبائل میں ہونے والے جھگڑوں اور نزاعوں کے بارے میں سنا کرتے۔ مکہ میں ہمیشہ قبائلی جنگیں برپا رہتیں، گٹھ بندیاں بنتی بگڑتی رہتیں اور جو تاجر کسی معاہدہ یا کسی اتحاد کا حصہ نہ ہوتے وہ بسا اوقات استحصال کا شکار ہو جاتے۔ یمن سے آنے والے ایک تاجر کے ساتھ ایسا ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا کہ اس کے ساتھ ظلم ہوا۔ مگر اس نے اس کو یوں ہی برداشت نہ کرنے کا فیصلہ کیا، کیونکہ قریش ہی خطہ کی تجارتی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنے کی وجہ سے وہاں مالدار اور طاقتور تھے چنانچہ اس نے مکہ کے شیوخ و شرفا کے سامنے اپنا کیس بیان کر دیا۔

حلف الفضول

اسی شکایت کے نتیجہ میں بنوتیم کے سردار اور قریش کے دو بڑے حلیفوں میں سے ایک کے ممبر عبداللہ بن جدعان نے ان سب لوگوں کو اپنے گھر دعوت دی جو باہمی جنگوں اور رقابتوں کا خاتمہ کرنا اور عدل و انصاف کا ایک معاہدہ کرنا چاہتے تھے جو عام معاہدوں سے آگے بڑھ کر تمام قبائل کو خیر کی باتوں کا پابند بنائے۔ کیوں کہ عمومی حلیفانہ معاہدے بالعموم محض قبائلی، سیاسی اور تجارتی فائدوں کو سامنے رکھ کر کیے جاتے تھے۔ اس طرح مختلف قبیلوں کے شیوخ وارکین نے یہ معاہدہ کیا کہ یہ ان کا اجتماعی فرض ہوگا کہ وہ مختلف نزاعوں میں مداخلت کریں گے اور ظالموں کے خلاف مظلوموں کا ساتھ دیں گے۔ زیادتی کرنے والے چاہے جس قبیلہ اور جس حلیف سے تعلق رکھتے ہوں ان سے مظلوم کو اس کا حق دلوایا جائے گا۔ اس معاہدہ کو حلف الفضول کہا جاتا ہے (یعنی فضیلتوں کے لیے کیا گیا معاہدہ) اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں عدل اور مظلوم کی نصرت جیسے اصولوں کو دوسری تمام چیزوں مثلاً رشتہ داریوں اور قوت سے اوپر رکھا گیا تھا۔ نوجوان محمد ﷺ اور ان کے یار غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس تاریخی اجلاس میں شرکت کی۔

ایک زمانہ گزرنے کے بعد، نزول قرآن کے آغاز پر بھی محمد ﷺ کو اس معاہدہ کی دفعات یاد تھیں۔ ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا:

> جب یہ معاہدہ ہوا میں عبداللہ بن جدعان کے گھر پر موجود تھا، یہ مجھے اس قدر مرغوب تھا کہ اس شرکت کے بدلے سرخ اونٹوں کا ایک ریوڑ بھی لینا نہیں چاہوں گا۔ (سرخ اونٹ عرب میں نہایت قیمتی مانے جاتے تھے) اور اگر اب اسلام میں بھی مجھے اس میں شرکت کی دعوت دی جائے تو میں خوشی سے قبول کروں گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلف الفضول جیسے معاہدہ کو محض قبائلی بنیاد پر ہونے والے معاہدوں پر فضیلت دی بلکہ یہ بھی کہا کہ بحیثیت نبی اور داعیٔ اسلام کے بھی وہ اس معاہدہ کی روح کو قبول کرتے ہیں اور اس کی طرف اب بھی بلایا جائے تو پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

یہاں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاف طور پر عدل و انصاف اور مظلوم کی حمایت جیسے اصول کو مطلقاً قبول کرتے ہیں اور اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کہ یہ اصول اسلام کے اندر سے آئے ہیں یا باہر سے۔

الصادق الامین

قرآن کے نزول سے پہلے اور بعد میں بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی یہ بتاتی ہے کہ نبوت ملنے سے پہلے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی انسانی فضائل سے آراستہ تھی اور یہ کہ نبوت کے لیے ان فضائل کا ہونا ضروری تھا۔ بکریاں چرانے کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاجر بن گئے اور اپنی صلاحیت اور ایمانداری کا لوہا منوایا۔ پورے علاقہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت ہوگئی۔ اب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعور کی عمر کو پہنچ گئے۔ جاہلیت کی وسیع پیمانہ پر پھیلی ہوئی تمام برائیوں سے خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محفوظ رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی سادہ زندگی گزارتے، غرور و تکبر سے نفرت، بلند اخلاق، سنجیدگی و متانت اور شرافت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مثال تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جاہلی برائیوں مثلاً جوا، شراب اور فحش باتوں سے جو اس وقت کے نوجوانوں میں بالکل عام بات تھی، کنارہ کش رہتے۔ ہمیشہ اپنے آپ کو جھگڑوں اور نزاعات سے بلند رکھتے۔ نہ کبھی کسی کے خلاف زبان درازی کی نہ کبھی کسی کے حق میں خراب زبان کا استعمال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت الصادق الامین جیسے لفظوں کے ساتھ ہوئی یعنی ہمیشہ سچ بولنے والے اور نہایت امانت دار شخص کی حیثیت سے۔ اگر دو فریقوں میں جھگڑا ہوتا تو دونوں ہی پارٹیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثالث بنانے میں فخر محسوس کرتیں۔

حضرت ابوطالب کے بیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب جاتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے لگتا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شادی

مکہ میں خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نامی ایک خاتون بیوہ اور مالدار تاجر تھیں۔ وہ عیسائی راہب ورقہ بن نوفل کی چچازاد بہن تھیں۔ وہ سنتی آ رہی تھیں کہ محمد ﷺ نام کا ایک نوجوان ''ایماندار، انصاف پسند اور قابل'' ہے۔ انہوں نے محمد ﷺ کو آزمانے کا فیصلہ کیا اور اپنے ایک نمائندہ کے ذریعہ محمد ﷺ کو کہلا بھیجا کہ ان کا سامانِ تجارت لے کر شام جائیں اور وہاں اس کو فروخت کریں۔ انہوں نے کامیابی کی صورت میں دوگنا کمیشن دینے کا وعدہ بھی کیا۔ محمد ﷺ نے اس پیشکش کو قبول کرلیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ سفر پر روانہ ہو گئے۔ شام کے اس سفر میں امیدوں سے کہیں بڑھ کر کامیابی ملی۔ کارواں کی واپسی کے بعد حضرت خدیجہ k نے خاموشی کے ساتھ میسرہ کی رپورٹ سنی اور اس کی روشنی میں 25 سالہ نوجوان محمد ﷺ کے رویہ اور اخلاق کا جائزہ لیا۔ میسرہ نے بتایا کہ راستہ بھر اس نے بہت ساری نشانیاں محمد ﷺ کے ہم رکاب دیکھیں اور محمد ﷺ کے سلوک و عملی رویہ کے بارے میں اس نے کہا کہ وہ بے نظیر آدمی ہیں۔ تب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک سہیلی نفیسہ کو محمد ﷺ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ کیا وہ شادی کے لیے راضی ہو سکتے ہیں۔ محمد ﷺ نے نفیسہ کو بتایا کہ وہ شادی کی استطاعت نہیں رکھتے مگر جب نفیسہ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا جو ''اعلیٰ نسب، صاحبۂ جمال وثروت'' ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شادی کی پیشکش خود خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے تھی۔ محمد ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ تجویز تو انہیں منظور ہے مگر سر دست وہ اس کے مصارف کے متحمل نہیں ہیں۔ نفیسہ نے عرض کیا کہ وہ باقی معاملات اُن پر چھوڑ دیں کیونکہ وہ خود اس شادی کا نظم کرسکتی ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی کہ محمد ذہنی طور پر تیار ہیں۔ خدیجہ نے محمد ﷺ کو اپنے گھر بلایا اور خود شادی کی تجویز پیش کی جسے محمد ﷺ نے قبول کرلیا۔ آپ ﷺ کے رشتہ دار اور قبائل اس نکاح کے لیے راضی ہو گئے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی وفات تک آپ ﷺ کی تنہا بیوی رہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ اس نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ﴿40﴾ سال تھی۔ ان کا پہلا بچہ ایک لڑکا حضرت ابوالقاسم ہوا جو صرف ﴿2﴾ سال حیات رہا اس کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ترتیب وار پیدا ہوئیں اور آخر میں عبداللہ جو دو سال کے ہونے سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ اسی زمانہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نامی غلام کو جن کو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کچھ سال پہلے بطور تحفہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیں۔ بعد میں جب صاحبزادے عبداللہ کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چچا ابو طالب کی مدد کرنے کا ارادہ کیا جو معاشی پریشانیوں میں تھے اور جن پر بڑے کنبہ کا بوجھ تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بیٹے علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر لے آئے، جن سے بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھوٹی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔

منہ بولا بیٹا

منہ بولے بیٹے زید رضی اللہ عنہ کی داستان بھی کئی وجوہ سے دلچسپ ہے۔ ایک لڑائی کے دوران ان کو پکڑ لیا گیا تھا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام بننے سے پہلے کئی مرتبہ ان کو فروخت کیا گیا تھا۔ پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گئے اور کئی سال تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ یہ سن کر کہ زید رضی اللہ عنہ مکہ میں ہے ان کے باپ اور چچا مکہ آئے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کر کے انہوں نے یہ پیشکش کی کہ وہ زید رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واپس خرید لیں لیکن جواب میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو والد ہی کے ساتھ چلے جائیں اور چاہے تو ان کے ساتھ رہیں۔ زید رضی اللہ عنہ کے چچا اور باپ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھایا کہ فیصلہ زید رضی اللہ عنہ پر چھوڑ دیں اگر وہ واپس جانا چاہیں گے تو وہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو بغیر کوئی معاوضہ لیے جانے دیں گے۔ لیکن اگر وہ اپنے مالک کے پاس ہی رہنا چاہیں تو ان کے گھر والوں کو ان کے فیصلہ کو مان لینا چاہیے۔ زید رضی اللہ عنہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہنے کو ترجیح دی اور اپنے باپ اور چچا کو سمجھایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا کوئی دوسرا آدمی دنیا میں نہیں ہو سکتا، اس لیے وہ انہی کے پاس رہنے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ یہ سن کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ان کو آزاد کر دیا اور علی الاعلان ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ آج سے ان کو زید بن محمد پکارا جائے اور یہ کہ وہ ان کے وارث بھی ہوں گے۔ زید رضی اللہ عنہ کو اسی نام سے پکارا جاتا تھا، تاہ یہاں تک کہ وحی حق نے آ کر متبنیٰ کو کالعدم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرار دیا اور یہ فیصلہ کر دیا کہ تمام منہ بولے بیٹوں کو ان کے پہلے گھر والے نام سے ہی پکارا جائے، فرمایا:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝

کسی آدمی کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں رکھے اور اپنی جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھتے ہو انہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری (سچ مچ کی) مائیں نہیں بنایا اور نہ تمہارے لے پالک لڑکوں کو (واقعی) تمہارے بیٹے بنایا ہے یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے اور وہ (سیدھی) راہ سجھاتا ہے۔[1]

زید رضی اللہ عنہ کی یہ کہانی کہ وہ آزادی اور والدین کے ساتھ جانے پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو ترجیح دیتے ہیں خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے ایک دل آویز پہلو کو اجاگر کرتی ہے۔ وہ شخصیت جو وحی کے نزول سے پہلے بتدریج ابھر رہی تھی۔ ایک سادہ، غور وفکر کرنے والے اور وضع دار شخص، ایماندار اور باصلاحیت تاجر ہونے کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں، بچوں اور مردوں سب کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آتے، سب سے محبت کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صادق القول کے سچے و پکے اور الامین (قابل اعتماد اور ایماندار) اور باوقار شخص تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطراف میں وہ سب نشانیاں جمع ہو گئی تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابناک مستقبل کی بشارت تھیں۔

بھرپور ذہانت

ایک دوسرا واقعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرپور ذہانت کی عکاسی کرتا ہے۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں اور قبیلوں کے درمیان امن واحترام کی بقا کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ایک مرتبہ

[1] الاحزاب:4

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیلاب سے کعبہ کی دیوار میں دراڑ پڑ گئی، اس کی بنیادیں کمزور ہو گئیں تو قریش نے فیصلہ کیا کہ کعبہ کی ازسرِ نو تعمیر کی جائے۔ پرانی عمارت کو ڈھا دیا گیا اس کے بعد تعمیر نو کا کام شروع کیا گیا۔ جب تعمیر اس جگہ تک پہنچی جہاں حجر اسود لگا ہوا تھا، جو جنت سے لایا ہوا ایک پتھر ہے، جس کی تاریخ حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا علیہا السلام تک پہنچتی ہے اور جو کعبہ کی مشرقی سمت میں لگا ہوا تھا، تو حجر اسود دیوار میں نصب کرنے کے معاملے میں مختلف قبائل کے لوگوں میں زبردست بحث و تکرار ہوئی ہر آدمی اور ہر قبیلہ یہ اعزاز خود حاصل کرنا چاہتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے تلواریں نکل آئیں۔ ان میں سے ایک بڑے میاں نے مشورہ دیا کہ دوسرے دن جو آدمی بھی سب سے پہلے حرم میں داخل ہو اُسے یہ ذمہ داری دی جائے کہ وہ اس قضیہ کا فیصلہ کرے۔ اس بات سے سب نے اتفاق کر لیا۔ اگلے دن محمد ﷺ ہی سب سے پہلے حرم میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر شیوخ قبائل اور اکابر قریش خوش ہو گئے کہ قدرت نے اس نازک معاملہ کا فیصلہ کرنے کے لیے محمد ﷺ کو منتخب کر لیا۔ چنانچہ پہلے محمد ﷺ نے ان لوگوں کی باتیں سنیں، پھر ایک کپڑا منگوایا حجر اسود کو اس کپڑے میں رکھا اور ہر قبیلہ کے سردار سے اس کپڑے کا ایک سرا پکڑنے کے لیے کہا۔ سب نے پکڑ لیا تو آپ ﷺ نے اسے اٹھا کر اس کی جگہ میں نصب کر دیا۔ چونکہ کسی کے ساتھ کمی نہیں کی گئی تھی اس لیے سب مطمئن اور خوش ہو گئے۔

اپنی بھرپور اور زبردست ذہانت سے محمد ﷺ نے ہر قبیلہ کی عزت کی لاج رکھ لی اور ان کے اتحاد پر بھی کوئی آنچ نہ آنے دی۔ بعد کے دنوں میں بھی اسی ذہانت سے کام لے کر آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں اولین اسلامی جماعت کی وحدت کو برقرار رکھا حالانکہ جماعت میں مختلف شخصی رجحانات و طبائع والے اشخاص موجود تھے۔ آپ ﷺ ہمیشہ امن کے لیے جدوجہد کرتے رہے اور متحارب قبائل قریش میں اتحاد پیدا کر دیا جس کے لیے آپ ﷺ جن وسائل سے کام لیتے وہ عبارت تھے دلوں کو فتح کرنے، جذبات کو بے قابو نہ ہونے دینے اور اعلیٰ دماغ سے کام لے کر مسائل کے حل تجویز کرنے سے۔ جن سے دل ٹھنڈے ہوں اور انسان کے لیے اپنے آپ پر اور اپنے جذبات پر قابو پانا ممکن ہو سکے۔ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کے رب اور معلم نے آپ ﷺ کو یہ خاص خوبی عنایت کی تھی کہ جذبہ دروں کے ساتھ بھرپور ذہانت اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عقل کی پختگی کے ساتھ گرمیٔ دل اور روح و وجدان کا اجتماع ہو گیا اور اس امتزاج و ہم آہنگی سے محمد ﷺ کو وہ حکمت اور دانائی حاصل ہو گئی کہ کس موقع پر کیا کیا اور کیا کہا جائے جس سے اپنے اور دوسروں سب کے ساتھ انصاف ہو سکے۔

جب تک محمد ﷺ 35 سال کے ہوئے آپ ﷺ نے اتنی اچھی تربیت پائی تھی کہ بنو ہاشم کے اندر بہت سے لوگ یہ سوچنے لگے کہ محمد ﷺ کی قیادت میں بنو ہاشم اپنی پرانی سیادت وعزت حاصل کر لیں گے۔ شادی کے بعد اپنی سرگرمیوں اور اپنے شخصی اوصاف کے ذریعہ سیاسی اور معاشی طور پر آپ ﷺ معروف ہو گئے اور بیٹیوں کے لیے شادی کے پیغامات موصول ہونے لگے مثلاً ابولہب نے آپ ﷺ کی دو بیٹیوں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لیے مانگ لیا۔ قبیلہ کے اندر یہ رشتہ داریاں اس امید میں بھی قائم ہوئیں کہ محمد ﷺ کے قبیلہ کے سردار بننے کی صورت میں مزید فائدے حاصل ہوں گے۔

عالم گیر جاہلیت

محمد ﷺ سے پہلے عرب معاشرے میں قبائلی جنگوں، نزاعوں، خونریزی، ظلم اور اوہام پرستی وخرافات جیسی برائیوں نے آماجگاہ بنا رکھی تھی۔

عیسائیت و یہودیت دونوں مذاہب اس وقت پادریوں اور ربائیوں کے ذریعہ اتنے منحرف ہو چکے تھے کہ ان میں عقل وحکمت کے لیے کوئی رغبت نہ تھی۔ قریش مکہ ان بتوں کو پوجتے تھے جن کو وہ خود بنا لیا کرتے تھے۔ ان بتوں میں تین بت سب سے بڑے تھے: ''ہبل''، ''لات'' اور ''عزیٰ''۔ ان بتوں کو کوئی توڑ دیتا تو یہ بت خود اپنے آپ کو بھی نہیں بچا سکتے تھے۔ پھر بھی قریش مکہ اور عرب کے دوسرے قبائل ان کی پوجا کرتے، ان سے مدد مانگتے ان کے لیے چڑھاوے چڑھاتے، ان کے نام پر حلف لیتے اور ان کے لیے جنگ لڑتے۔

انسانی زندگی، کمزور طبقات اور بطور خاص صنف نازک کا کوئی احترام نہ تھا۔ عورتوں کو مردوں کا سامان عیش وطرب سمجھا جاتا تھا۔ لڑکی کی پیدائش باعث عار تھی اور شقی القلب باپ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾

جب بھی ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خوش خبری دی جاتی تو غم سے اس کا چہرہ کالا پڑ جاتا۔ [1]

ظلم و جارحیت ملک کے کونہ کونہ میں پھیلی ہوئی تھی، انسانیت ظلمت و جاہلیت میں ڈوبی ناانصافی، محرومی، زوالِ اخلاق اور دکھ سے سسک و کراہ رہی تھی۔ قرآن اس کو یوں بیان کرتا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾

خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا اس لیے کہ انہیں ان کی بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھا رہے ہیں، ممکن ہے کہ وہ باز آ جائیں۔ [2]

سچائی کی تلاش

لیکن محمد ﷺ کو سرداری جیسی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی آپ ﷺ لوگوں کے معاملات میں بہت کم دلچسپی لیتے تھے۔ اسی زمانے میں آپ ﷺ نے مکہ کی غاروں میں طویل عبادت میں وقت گزارنا شروع کر دیا۔ جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ ﷺ غار حرا میں قیام فرماتے۔ گھر سے ضرورت کی چیزیں لے کر چلے جاتے اور وہاں معتکف ہو جاتے۔ جب کھانے کی اشیا ختم ہو جاتیں تو آپ ﷺ دوبارہ گھر تشریف لاتے۔ اس غار میں پہنچنے کے لیے آپ ﷺ ایک پہاڑی پر چڑھ کر دوسری طرف اتر کر ایک اور چھوٹی چوٹی پر چڑھتے جس کے لیے راستہ بڑا تنگ تھا، یہ غار خود اتنی چھوٹی تھی کہ اس میں دو آدمی بھی نہیں آ سکتے تھے۔ غار کے منہ سے کعبہ نیچے کی جانب نظر آتا تھا اور اس سے ذرا فاصلہ پر تا حد نگاہ بنجر ولق ودق صحرا پھیلا ہوا تھا۔ لوگوں سے دور اور فطرت کے قریب محمد ﷺ قلبی سکون اور زندگی کے بلند معنی و مقصد کی

[1] النحل: 58
[2] الروم: 41

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تلاش میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتوں کی پوجا میں کبھی حصہ نہیں لیا تھا۔ اطراف کے قبائل کی رسومات میں شریک نہیں ہوئے تھے، ناانصافی اور توہمات سے بہت بلند رہے تھے۔ اصنام باطلہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت فرمائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کبھی بتوں کی پوجا کی اور نہ طاقت اور مال وزر کی خواہش رکھی۔

کچھ دنوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زوجہ محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اپنے کچھ خواب بیان فرمایا کرتے جو سچے ثابت ہوتے اور ان خوابوں کی وجہ سے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوتے تو سخت اضطراب کا شکار ہو جاتے تھے۔ دراصل یہ حقیقت کی تلاش تھی۔ ذہن میں جو سوال اٹھتے اور ماحول سے ان کے جو جواب مل رہے تھے ان سے سخت غیر مطمئن ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پختہ ارادہ کر لیا کہ حقیقت کی تلاش جاری رکھی جائے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنہائی میں مزید تفکر کا عزم کر لیا۔

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 40 سال کے ہو چکے تھے اور اپنے روحانی ارتقا کی ایک خاص منزل پر پہنچ چکے تھے۔ غار حرا کی تنہائی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر غور کرتے رہے کہ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ زمین پر وجود کی حقیقت کیا ہے؟ میری زندگی میں ظاہر ہونے والی نشانیاں اور آیات کیا کہتی ہیں؟ حقیقت اعلیٰ کیا ہے؟ ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاروں طرف پھیلی فضائے بیکراں یہ یاد دلاتی ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن بھی اسی سے ملتے جلتے ماحول میں گزرا ہے مگر اب شعور کی عمر میں بہت سے بنیادی سوال گھیرے ہوئے تھے زمانہ گذشتہ اور زمانہ موجود میں یہی فرق تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جستجو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حقیقتِ کبریٰ کی طرف رہنمائی کر رہی تھی جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اب تک کی زندگی میں رونما ہونے والے آثار وعلائم اشارہ کرتے آرہے تھے۔ وہ نشانات جنھوں نے اب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکون دیا تھا۔ حقیقتِ اعلیٰ کا تصور پہلے تو خوابوں میں دکھائی دیا، پھر جاگتے میں، پھر سامنے آنے لگا۔ جو سوال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل ودماغ میں گونج رہا تھا اور فطرت کے اشارے انجانے میں جس جانب لے جا رہے تھے وہ رب تعالیٰ اور خدائے واحد سے ملاقات تھی۔

چالیس سال کی عمر میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک مرحلہ ختم ہو گیا اب دوسرا مرحلہ شروع ہونا تھا۔ ایک دن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا کی طرف جا رہے تھے رمضان کا مہینہ اور 609ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عیسوی، کہ محمد ﷺ نے پہلی آواز سنی جس نے آپ ﷺ کو السلام علیک یا رسول اللہ (ﷺ) کہہ کر پکارا تھا۔

پہلی وحی

غار حرا میں محمد ﷺ اکیلے حق اور زندگی کے معنی کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ بروز پیر رمضان کی 21 ویں تاریخ مطابق 10 اگست 610ء کو اچانک جبرئیل امین علیہ السلام فرشتۂ وحی نے نمودار ہو کر محمد ﷺ کو زور سے بھینچ لیا اور کہا اقرأ (پڑھو)۔ آپ ﷺ نے سادگی میں کہا "ما انا بقاری" (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں)۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے دوبارہ آپ ﷺ کو بھینچا اور کہا پڑھو۔ آپ ﷺ نے دوبارہ وہی جواب دیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے تیسری دفعہ خوب زور سے بھینچ کر کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤

پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسانوں کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا تو پڑھتا رہ تیرا رب کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ (علم) سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ [1]

یہ قرآن کی پہلی آیات تھیں جو جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعہ آپ ﷺ پر نازل ہوئیں۔ یہ الفاظ آپ ﷺ کو بتا کر جبرئیل امین علیہ السلام واپس چلے گئے۔ محمد ﷺ پر حیرت و اضطراب کی کیفیت طاری تھی۔ اسی عالم میں آپ ﷺ گھر تشریف لائے۔ سخت گھبراہٹ میں آپ ﷺ نے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

زملونی زملونی

"مجھے چادر اڑھاؤ مجھے چادر اڑھاؤ"

---

[1] العلق: 1-5

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو چادر اڑھادی اور دریافت کیا کہ آپ ﷺ کو کیا ہوا۔ محمد ﷺ نے سارا ماجرا بیان کیا اور خوف کے مارے پوچھا، میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور فرمایا:

''اللہ آپ ﷺ کی محافظت و معاونت فرمائے گا، کیوں کہ آپ ﷺ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کے ساتھ فیاضی برتتے ہیں اور خیر کے ہر کام میں تعاون دیتے ہیں۔''

ورقہ راہب

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے عیسائی بھائی ورقہ بن نوفل کی رائے لینی مناسب سمجھی اور وہ ان کے پاس آپ ﷺ کے ساتھ ورقہ کے پاس پہنچی اور ان سے واقعہ بیان کیا۔ ورقہ نے فورا ان نشانیوں کو پہچان لیا جن کے انتظار میں وہ مدت سے تھے۔ وہ چلائے: مقدس مقدس!! خدا کی قسم یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا، یہ خدائے بزرگ و برتر کا فرشتہ ہے۔ محمد اس قوم کے نبی ہیں۔ بعد میں کعبہ کے پاس ورقہ کا محمد سے آمنا سامنا ہوا تو اس نے کہا

''آپ ﷺ کو جھوٹا کہا جائے گا، آپ ﷺ ساتھ برا سلوک کیا جائے گا، آپ ﷺ پر حملے ہوں گے، آپ ﷺ کو یہ لوگ گھر سے نکال دیں گے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں تمہاری مدد کروں گا تا کہ خدا کا کلمہ بلند ہو۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ

''آپ ﷺ کو لوگ مکہ سے نکال دیں گے۔ یہ سن کر محمد ﷺ کو سخت حیرت ہوئی اور آپ ﷺ نے پوچھا کیا یہ مجھ کو واقعی نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا'' ہاں یقینا جو پیغام آپ ﷺ لے کر آئے ہیں جب بھی کوئی نبی یہ پیغام لے کر آیا اس کے ساتھ دشمنی کی گئی۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن شروع ہی ہوا تھا۔ پہلی وحی کی مبادیات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھنا تھی خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام کو سمجھ گئی تھیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبردست مددگار بن گئیں۔ پہلی وحی کے نزول کے بعد بتدریج اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مدد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حقیقت کا کامل ادراک ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے آخری نبی منتخب کر لیے گئے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیسرا باب

پیغام

نزول وحی کے بعد ابتدائی سال میں قرآنی دعوت کے چار بنیادی محور تھے: توحید، قرآن کا مقام و مرتبہ، نماز اور آخرت کی زندگی۔ پہلے ایمان لانے والوں میں مضبوط اور اساسی روحانی تبدیلی پیدا کی گئی اور ان کے اندر آجانے والے انقلابی تغیر کو دشمن بھی سمجھ رہے تھے جنہیں یہ احساس ہو رہا تھا کہ نیا مذہب ان کے معاشرتی عقائد اور نظم میں زبردست تبدیلیاں لا کر رہے گا۔

پیغام کی قبولیت

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے اسلام قبول کر لیا اور دعوت کے ابتدائی دس سالوں میں وہ مسلسل نبی اکرم ﷺ کے شانہ بشانہ کھڑی رہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد شروع میں آپ ﷺ کے کنبہ کے قریبی افراد نے اور اس کے بعد آپ ﷺ کے دوستوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو اس وقت کم سن تھے، آپ ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جنہوں نے اس وقت آپ ﷺ کی پرورش کی جب آپ چار سال کی عمر میں مکہ آئے تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے یار غار اولین مسلمان میں سے ہیں۔ جنہوں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار و اعلان کیا۔

آپ ﷺ کی تبلیغ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پر جوش شرکت کے باعث اسلامی دعوت پھیلنے لگی اور لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ غلاموں کو ان کے آقاؤں سے خرید لیتے اور اسلام کی راہ میں آزاد کر دیتے اور اسلام کے پیغام مساوات کا درس دیتے۔ ان سالوں میں محمد ﷺ کے مکہ میں رہنے اور آپ ﷺ کی سیرت و کردار نے کتنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی لوگوں کو بتدریج اسلام کی طرف مائل کر دیا۔

پہلے تین سالوں میں صرف تیس سے چالیس قریشی مسلمان ہوئے۔ وہ نبی اکرم ﷺ سے ایک مسلمان کے گھر میں ملاقات کرتے اور اسلام کی تعلیمات سیکھتے جب کہ وحی کا سلسلہ جاری رہا۔ جیسے جیسے دعوت کا کام آگے بڑھا لوگوں نے اسلام کو جاننا شروع کیا، مکہ کا ماحول ویسے ہی اسلامی دعوت کے لیے غیر سازگار تھا، اب دن بدن اور سخت ہوتا چلا گیا۔

ابتدا ہی سے آپ ﷺ نے تعداد پر معیار کو ترجیح دی اور اپنے مخاطبوں کے دل ودماغ کو بدلنے اور نئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ تعداد بڑھانے پر دھیان کم دیا۔ آنے والے خطرات اور تنازعات سے واقف رسول اکرم ﷺ نے تدریج کی حکمت اپنائی اور اپنی مختصر جماعت کو خالص اور ٹھوس تعلیم وتربیت سے گزارا۔ آپ ﷺ اچھی طرح جانتے تھے کہ قریش اس مختصر سی جماعت کو طعن وتشنیع اور ظلم واستبداد کا نشانہ بنائیں گے اور اس کا بھی قوی امکان تھا کہ ان کو شہر سے نکال دیں۔ یہی وہ گروپ تھا جسے بعد میں تمام مسائل ومشکلات کے سامنے استقلال کے ساتھ کھڑا ہونا تھا۔ شروع کے پانچ سالوں میں آپ ﷺ نے خاموشی کے ساتھ اہل ایمان کی پہلی جماعت کی تشکیل کی۔ جس کی خصوصیت یہ تھی کہ بغیر امتیاز کے ہر قبیلہ کے مرد وعورت اس میں شامل تھے۔

وحی حق کا تسلسل

خدا تعالیٰ نے اپنا ظہور فرمادیا تھا۔ ابتدائی وحی نے محمد ﷺ کے شعور کو اللہ تعالیٰ کے تئیں پوری طرح جگا دیا اور اس کی حضوری کا احساس پیدا کر دیا کیوں کہ اس میں بار بار "ربك" (آپ کا رب) سے خطاب آیا ہے، محمد ﷺ کا معلم ہی آپ ﷺ کا مالک حقیقی تھا۔ جبریل علیہ السلام فرشتۂ وحی نے آپ ﷺ کو وحیٔ ربانی کے مبادی اور اس کا جوہر وجود باری تعالیٰ اور توحید کا تصور منتقل کر دیا۔ اسی طرح علم (پڑھنے لکھنے) کی اہمیت واضح فرمادی اور ساتھ ہی عمل صالح کی بھی۔ مستقبل کے بارے میں بشارتوں کے ساتھ پیش آنے والے خطرات سے بھی آگاہ کر دیا۔ کیوں کہ خدا کی زمین پر سچائی کے ہر منادی کو نفرت، جھوٹ اور دشمنی کا سامنا کرنا پڑتا ہے حتی یہ بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا کہ نبی کے اپنے رشتہ دار اور احباب و دوست ہی اس کو مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔

جبرئیل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے سامنے کئی بار آئے، آپ ﷺ نے بعد میں یہ بھی بتایا کہ جبرئیل علیہ السلام کبھی کبھی آپ ﷺ کے پاس اپنی ملکوتی شکل میں آتے تھے اور کبھی انسانی شکل میں۔ اور بعض دفعہ آپ ﷺ گھنٹی جیسی آواز سنتے اور اس کے مابعد نزول وحی ہونے لگتا۔ جس میں آپ ﷺ کو زبردست ارتکاز کرنا پڑتا، اتنا زیادہ کہ آپ ﷺ کا دم گھٹنے لگتا۔ وحی کی یہی آخری شکل آپ ﷺ پر بہت شاق گزرتی تھی۔ اگرچہ اس عمل کے آخر میں آپ ﷺ اس قابل ہو جاتے کہ لفظ بہ لفظ وحی کے الفاظ دہرا لیں۔ 23 سال تک جبرئیل امین علیہ السلام فرشتۂ وحی کو آپ ﷺ کے پاس برابر آنا تھا اور جیسے جیسے حالات ہوتے اور حالات کا تقاضا ہوتا وہ آیات لے کر آجاتے جن سے آخر میں پورا متن قرآن تیار ہوا۔

تدوین قرآن میں ترتیب نزولی کا خیال نہیں رکھا گیا بلکہ جیسے جیسے جبرئیل علیہ السلام بتاتے ویسے ہی آیات کو مرتب کیا جاتا اور جبرئیل علیہ السلام کی بتائی ہوئی ترتیب کے لحاظ سے آپ ﷺ ان کی تلاوت فرماتے۔ اس طرح نازل شدہ حصہ کی توثیق کا عمل مسلسل جاری رہتا اور جو بالآخر کم و بیش 23 سال میں پورا ہوا اور قرآن پاک ایک مکمل و مدون کتاب کی شکل میں ڈھل گیا۔

وضو اور نماز

ایک دن جب آپ ﷺ مکہ کے اطراف میں گشت پر تھے جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے۔ انہوں نے زمین پر ٹھوکر ماری جس سے پانی کا ایک چشمہ ابل پڑا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس سے وضو کیا اور آپ ﷺ کو نماز سکھائی:

وضو، قیام، رکوع، سجود اور قومہ، تہلیل و تکبیر اور تشہد و سلام۔

جیسے جیسے جبرئیل امین علیہ السلام نے کیا آپ ﷺ نے بھی ویسے ہی دہرایا۔ نماز سکھا کر جبرئیل علیہ السلام چلے گئے۔ آپ ﷺ گھر واپس آئے اور آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نماز پڑھنی سکھائی اور پھر آپ دونوں نے مل کر نماز پڑھی۔ اس طرح وضو اور نماز پر مذہب کی عمارت رکھ دی گئی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں حضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ مکہ کے اس ابتدائی زمانہ میں نماز صرف دو مرتبہ پڑھی جاتی تھی، صبح اور شام۔ بعد میں پھر تمام مسلمانوں پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کر دی گئیں۔

مکہ کے قلب میں بڑھتے ہوئے جبر کے ماحول میں مسلمان مرد و عورتیں پابندی سے اور خموشی سے روحانی تربیت سے گزرنے لگے۔ وہ راتوں میں اٹھ کر اللہ کے آگے سر بسجود رہتے، لمبی لمبی نمازوں میں قرآنی آیات پڑھتے۔ قرآن جو اللہ تعالیٰ اور انسان کے مابین ربط کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس سخت روحانی تربیت نے السابقون الاولون میں اعلیٰ صفات پیدا کر دیں۔ پرہیزگاری، تقویٰ اور استقلال کے ساتھ وہ خدا سے رحمت اور امن کے طالب تھے۔ اس کی آیات پڑھتے رہتے جن میں ہدایت اور روشنی کا سامان تھا اور اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرتے۔ اسلام کے پیغام کا مغز اور جوہر اللہ پر کامل اعتماد اور اس سے سچی محبت اور فرداً فرداً اس سے تعلق قائم کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ عظیم تر ہے اس نے خلق عظیم کا اظہار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ کیا ہے۔ ایک انسان جسے اللہ نے ایک ماڈل کے طور پر پیش کیا۔ ان تعلیمات کا خلاصہ تین آیات میں کر دیا گیا:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

جب میرے بندے میرے بارے میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کریں تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکاریں قبول کرتا ہوں۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مضبوط رشتہ کا راستہ کھول دیا۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

[1] البقرہ:186

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

کہہ دو اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو خدا تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ [1]

نبی انسانیت کی معراج ہوتے ہیں اور خدا سے نہایت قریب جیسا کہ فرمایا:

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ [2]

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

[1] آل عمران:31

[2] الاحزاب:21

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چوتھا باب

ظلم و جبر کا دور

آغاز وحی کے تجربے سے گزرنے سے جو پریشانی پیش آئی تھی، اس سے نکلنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلسل وحی آنے لگی اور آپ نے قریبی رشتہ داروں میں تبلیغ شروع کردی۔ ابھی تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اپنی قوم میں کس طرح سے دعوت پیش کریں۔ لیکن جیسا کہ ورقہ بن نوفل نے پیشین گوئی کردی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کی طرف سے شدید رد عمل کا خدشہ تھا۔

دعوت عام

تین سالوں کے بعد جب آپ پر وحی نازل ہوئی کہ

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾

اپنے قریبی اعزہ واقربا کو انذار کیجیے۔[1]

عرب دستور کے مطابق جب کسی اہم معاملہ کی اطلاع لوگوں کو دینی ہوتی تو آدمی پہاڑی پر چڑھ جاتا۔ چنانچہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کے اوپر تشریف لے گئے اور آواز میں ایک ایک کرکے قبائل کے سرداروں کا نام پکارا۔ لوگ یہ سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ان ہونی کی خبر دیں گے لہذا فوراً جمع ہوگئے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے قریش کے لوگوں کا نام لیا اور پکارا ''اگر میں تم کو یہ بتاؤں کہ وادی کے اس طرف نشیب میں ایک لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میرے اوپر یقین کرو گے؟ ان سب نے یک زبان ہوکر کہا ''یقیناً آپ علیہ الصلاۃ والسلام صادق وامین ہیں ہم نے کبھی آپ کو جھوٹ بولتے

[1] الشعراء: 214

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئے نہیں دیکھا!

آپ ﷺ نے اپنی بات جاری رکھی، ''تو ٹھیک ہے میں تم کو ایک بڑے آنے والے طوفان سے خبردار کرتا ہوں، اللہ نے مجھے حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو آگاہ کرو، میں اس دنیا میں تمہارے تحفظ کی کوئی قوت نہیں رکھتا۔ نہ ہی آخرت میں کوئی فائدہ پہنچا سکتا جب تک تم ایک خدا پر ایمان نہ لاؤ۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: میری حیثیت اس آدمی کی سی ہے جو دشمن کو دیکھ کر اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لیے اس کے پاس بھاگ کر جائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن قوم پر بے خبری میں حملہ کر دے اور وہ چلا ئے، آگاہ ہو جاؤ! آگاہ ہو جاؤ!۔

آپ ﷺ کے چچا ابولہب کا ردعمل فوری اور بدتمیزی کا تھا، وہ بولا: تمہارا ناس جائے! کیا اسی چیز کے لیے ہمیں یہاں اکٹھا کیا تھا؟ یہ کہہ کر وہ دوسرے سرداروں کو لے کر واپس چلا گیا۔ اس طرح ابولہب نے نہ صرف آپ ﷺ سے علیحدگی اختیار کر لی بلکہ آپ ﷺ کی دعوت کا شدید دشمن بھی بن گیا۔

ابولہب اس کی بیوی اور مکہ کے دوسرے لیڈروں نے آپ ﷺ کو رشوت دینے کی کوشش بھی کی جس میں یہ بھی تھا کہ اگر آپ ﷺ اپنی دعوت چھوڑ دیں تو آپ ﷺ کو مکہ کا بادشاہ بنا دیا جائے۔ جب اس چیز نے کام نہیں کیا تو انہوں نے آپ ﷺ پر یہ الزام لگایا کہ آپ ﷺ پر شیطان آتا ہے، بعضوں نے کہا آپ ﷺ پاگل ہو گئے ہیں (نعوذ باللہ)۔

بعد میں آپ ﷺ نے دو بار کھانے کی دعوت پر لوگوں کو بلایا اور اپنی بات پیش کی۔ پہلی بار تو ابولہب کی مداخلت کے باعث آپ ﷺ بول نہ سکے۔ لیکن دوسری دعوت میں آپ ﷺ نے اپنے پیغام کا خلاصہ پیش کر دیا جس کو لوگوں نے سنا اور ان میں بعض خفیہ خفیہ ایمان بھی لے آئے۔ آپ ﷺ قریبی رشتہ داروں میں تبلیغ کرتے رہے۔ حتیٰ ذیل کی آیت نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ کو کہا گیا کہ واشگاف انداز میں اپنی دعوت پیش کریں۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾

پس اے نبی (ﷺ) جس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے اسے پکار کر کہہ دو اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شرک کرنے والوں کی ذرا پروانہ کرو۔[1]

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن اب ایک نئے دور میں داخل ہو رہا تھا اب اسلام کی دعوت سب کو دی جانی تھی اور توحید و شرک اور ایمان و کفر میں کھول کھول کر فرق کر دینا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک قابل اعتماد اہل ایمان مردوں و عورتوں کی ایک جماعت جمع فرما چکے تھے۔ جن میں کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار بھی تھے لیکن وہ بہت سے مختلف قبیلوں اور سماجی گروپوں سے آئے تھے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سال سے روحانی، اخلاقی و دینی تعلیم دے رہے تھے۔ ان مسلمانوں کو صبر و تحمل اور خلوص کے ساتھ مکہ والوں کی طرف سے دھتکار، ہراسانی، تشدد اور قتل وغیرہ کو برداشت کرنا تھا۔ مکہ میں ان کو ستائے جانے کے آثار پیدا ہو چلے تھے۔

پیش کش اور مطالبات:

اسلام کی دعوت اب عام ہو چکی تھی۔ اگرچہ حضرت الارقم رضی اللہ عنہ کے گھر جو دینی تربیت نت نئے مسلمان ہونے والے پا رہے تھے وہ بھی نازک حالات میں ہو رہی تھی پھر بھی مسلمان اپنے رشتہ داروں اور ارد گرد کے لوگوں سے گفتگو کرنے میں ہچکچا نہیں رہے تھے۔ دن بدن قریش کے لیڈر نئے مذہب سے پیش آنے والے خطرہ کو دیکھ رہے تھے۔ یہ مذہب ان کے خداؤں اور ان کی رسموں رواجوں کے خلاف ایک کھلی بغاوت تھی جو انجام کار کے اعتبار سے ان سرداروں کے مفادات کو زک پہنچا رہی اور ان کی قوت کے لیے چیلنج بن رہی تھی۔ پورا پورا خدشہ تھا کہ اگر اسلام پھیلتا ہے تو مختلف قبیلے مکہ کی زیارت کرنی اور بتوں پر چڑھاوے چڑھانے چھوڑ دیں گے۔ اس سے ان کے کعبہ کا خادم ہونے کی عزت جاتی رہے گی۔ مزید یہ کہ ان کی خوشحالی میں بتوں پر آئے چڑھاؤں اور نذرانوں کا بڑا ہاتھ تھا جو سالوں سال سے پاس پڑوس کے قبائل لے کر آیا کرتے۔ اور زیارت کعبہ کے ساتھ ہی ساتھ تجارت اور کاروبار بھی جاری رہتا۔ کاروبار و تجارت ہی باشندگان مکہ کی روزی روٹی کا بڑا ذریعہ تھی کیونکہ مکہ میں اور کوئی سامان معیشت دستیاب نہ تھا۔

اپنی طرف سے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے قریش کے سرداروں نے یہ فیصلہ کیا کہ رسول اکرم

---

[1] الحجر:94

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس جو آپ ﷺ کے محافظ تھے ایک وفد بھیجیں۔ انہوں نے حضرت ابوطالب سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے بھتیجے سے بات کریں کہ وہ مکہ میں اسلام کی تبلیغ سے باز آ جائیں جس کو یہ مشرکین قریش خطرناک اور ناقابل قبول تصور کرتے تھے کیونکہ اس میں ان کے بتوں پر براہ راست تنقید ہوتی تھی جن کو وہ بزرگوں کی میراث مانتے تھے۔ ان سرداروں کی پہلی ملاقات کا ابوطالب نے کوئی اثر نہیں لیا چنانچہ وہ دوسری بار پھر آئے اور اصرار کیا کہ معاملہ بہت سنگین ہے تب حضرت ابوطالب نے آپ ﷺ کو بلایا اور قائل کرنے کی کوشش کی کہ آپ ﷺ وہ کام نہ کریں جس سے ان کو پریشانی لاحق ہو۔

تاہم محمد ﷺ کا جواب دوٹوک تھا:

''پیارے چچا، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر وہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں کہ اس کام کو میں چھوڑ دوں تو بھی میں اسے نہیں چھوڑ سکتا یہاں تک کہ اللہ یا تو اسے غالب کردے یا اس کے لیے میں مرجاؤں۔''

آپ ﷺ کے پختہ عزم وارادہ کو دیکھ کر ابوطالب نے پھر آپ ﷺ کو کچھ نہیں کہا بلکہ اپنے تعاون کی یقین دہانی کروائی۔

اب قریش کا ایک نیا وفد خود حضور ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کے سامنے مال و اقتدار کی پیش کش کی آپ ﷺ نے ان کی پیشکش مسترد کردی اور بہ اصرار کہا کہ آپ ﷺ کی ساری دلچسپی اپنے مشن کے ساتھ ہے۔ آپ ﷺ نے کہا کہ لوگوں کو توحید کی دعوت دینے کی جو قیمت بھی ہوگی وہ آپ ﷺ دیں گے:

''مجھ پر جن نہیں آتا، نہ ہی میں تمہارے درمیان عزت اور روپیہ پیسہ چاہتا، خدا نے مجھے تمہاری طرف اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں اچھے عمل پر خوشخبری دوں اور بدعملی کے برے نتائج سے آگاہ کروں۔ اگر تم میری دعوت کو قبول کر لیتے ہو تو اس دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہوگے۔ لیکن اگر تم نے انکار کیا تو اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا''۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان الفاظ کے ساتھ محمد ﷺ نے اپنے مشن کے ساتھ کسی بھی سمجھوتہ سے قطعی انکار کر دیا کہ آپ ﷺ اپنی دعوت تو نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ ﷺ اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور جو بھی نتائج ہوں گے آپ ﷺ برداشت کریں گے۔ اس کے بعد عملاً آپ ﷺ کے خلاف بھی اہل مکہ کی زیادتیاں شروع ہوگئیں قبائل کے سرداروں نے حضور ﷺ کی اہانت و اذیت رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا جس میں آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) پاگل، مجنون، یا ساحر اور کاہن کہا جاتا۔

قریش کا ظلم

حضور ﷺ کو قریش کی اہانت و اذیت رسانی سے سابقہ پیش آ گیا۔ مکہ کے لوگ آپ ﷺ سے معجزات کا مطالبہ کرتے، آپ ﷺ مسلسل ان کو قرآن کی آیات پڑھ کر جواب دیتے کہ "میں تو بس ایک نبی ہوں" دباؤ بڑھتا گیا اور عملی طور پر قریش جبر وتشدد پر اتر آئے۔ سرداران قریش خاص طور پر غریب و نادار مسلمانوں کو نشانہ بناتے جن کے پاس کوئی قبیلہ حمایتی نہ تھا۔ اس طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو غلام تھے، ان کو ان کا آقا رسی میں باندھ کر تپتے صحرا میں جھلساتی دھوپ میں ڈال دیتا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر گرم پتھر کی بھاری سل رکھ دیتا اور انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرتا مگر بلال رضی اللہ عنہ "احد احد" پکارتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوسرے غلاموں کی طرح آپ رضی اللہ عنہ کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ بلال رضی اللہ عنہ کو بعد میں مدینہ کے اندر موذن رسول (ﷺ) کی حیثیت سے اپنے اخلاص و وفاداری نیز آواز کی خوبصورتی کے باعث بڑا مقام حاصل ہوا۔

جبر وتشدد کے اس مرحلہ کی شروعات ابولہب نے کی اور آپ ﷺ کے خلاف نفرت، توہین اور جسمانی آزار کا کوئی ایسا داؤ نہ تھا جو اس نے چھوڑا ہو۔ آپ ﷺ پر پتھر پھینکے، اپنے بیٹوں کو مجبور کیا کہ آپ ﷺ کی بیٹیوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں۔ جب حضور ﷺ کے دوسرے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو اس پر خوشی منائی اور آپ ﷺ کو "ابتر" دم کٹا قرار دیا۔ (نعوذ باللہ) طارق بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ابولہب اتنے پر ہی بس نہیں کرتا تھا بلکہ آپ ﷺ کے اوپر پتھر پھینکتا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے ٹخنوں سے خون بہنے لگتا۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل بھی اذیت رسانی کی اس بے رحم مہم میں آگے آگے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہتی۔ وہ کھجور کی ٹہنیوں اور کانٹے دار پتیوں کو رسی میں باندھ کر بنڈل بناتی اور آپ ﷺ کے راستے میں پھینک دیتی، گالم گلوچ، بدتمیزی اور دشمنی کی آگ بھڑکانے اور ایذارسانی میں شیطنت کی اس پُتلی کو قرآن نے ''حمالۃ الحطب'' (آگ جلانے کی لکڑیاں لانے والی) قرار دیا۔

''ایک بار نبی اکرم ﷺ کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ ابوجہل اپنے بعض دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک بولا تم میں سے کون اونٹ کی اوجھڑی لا کر جب محمد ﷺ سجدے میں جائیں ان کے اوپر رکھے گا؟ ان میں سے سب سے بڑا شقی اور بدمعاش عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اونٹ کی اوجھڑی لے کر آیا۔ اس نے انتظار کیا جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے آپ ﷺ کی پیٹھ پر اسے رکھ دیا۔ پھر یہ ظالم ہنسی اور ٹھٹھول سے ایک دوسرے کے اوپر گرنے لگے، آپ ﷺ سجدے میں پڑے ہوئے تھے اور اس وقت تک نہیں اٹھ سکے جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نہ آئیں اور اس غلاظت کو آپ ﷺ کی پیٹھ پر سے نہ اٹھا دیا۔

ایک بار یہی عقبہ آپ ﷺ کی مجلس میں شریک ہوا اور آپ ﷺ کی دعوت کو سنا، اس کے ایک قریبی ساتھی اُبی نے یہ بات سن کر سختی کے ساتھ اس کو ملامت کی اور عقبہ سے کہا (نعوذ باللہ) کہ وہ محمد کے منہ پر تھوکے۔ اس لعین نے بے شرمی سے ایسا ہی کر دیا۔ یہ ابی ملعون پیغمبر علیہ السلام کو آزار پہنچانے کے نت نئے طریقے ڈھونڈا کرتا تھا، کم بخت زمین کھود کھود کر بوسیدہ ہڈیاں نکالتا اور ان میں پھونک مار کر آنحضور ﷺ پر اڑاتا۔ ایک دن صبح جب حضور ﷺ پُرنور کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اشرار کے اس گروہ نے آپ ﷺ کو گھیر لیا عقبہ نے آپ ﷺ کے پاس آکر چادر کا پھندا آپ ﷺ کے گلے میں ڈالا اور کھینچنے لگا۔ ایک آدمی چلاتا ہوا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ ''اپنے نبی کو بچاؤ'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دوڑ کر آئے اور عقبہ کے کندھے پکڑ کے اسے زور سے جھٹکا دے کر دور ہٹا دیا اور فرمانے لگے:

تم بس اتنی سی بات پر ان کو مار ڈالو گے کہ وہ کہتے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے؟

ایک بار ملعون عقبہ آپ ﷺ کے پاس چیختا چلاتا ہوا آیا اور سرکشی میں کہنے لگا کہ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن کی کسی آیت پر ایمان نہیں لاتا۔ اس کے بعد گالم گلوچ کی اور آپ ﷺ پر ہاتھ اٹھا دیا۔ آپ ﷺ کی قمیص پھاڑ دی اور آپ ﷺ کے اوپر تھوکا، لیکن آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک تھوک سے بچ گیا۔ اس کے بعد نبی ﷺ اس کو بددعا دی اور فرمایا:

''اللہ اس کے اوپر اپنے کسی کتے کو مسلط فرمائے۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور یوں ہوا کہ جب یہ شیطان قریش کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ شام کے سفر پر گیا تو وہاں الزرقا نامی مقام پر ٹھہرا۔ اچانک ایک شیر گروپ پر جھپٹا اس وقت اس کو پیغمبر کی بددعا یاد آئی، کہنے لگا

میرے بھائی کو ماں روئے! محمد (ﷺ) نے جو بددعا دی تھی یہ وہی ہے یہ شیر مجھے نہیں چھوڑے گا۔ اتنے میں شیر اس کے اوپر کودا اور اس کا سر کچل ڈالا۔

اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل تھا۔ اس نے ایک بار اپنے ساتھیوں کو خطاب کیا:

اے قریش کے لوگو! ایسا لگتا ہے کہ محمد ﷺ نے ہمارے باپ دادا کے دین کو برا بھلا کہنے اور ہمارے طریقہ زندگی کی مذمت کرنے کا تہیہ کر لیا ہے، میں اپنے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایک بھاری پتھر سے محمد (ﷺ) کا سر کچل دوں گا جب وہ سجدے میں پڑا ہوگا، تاکہ تمہیں ہمیشہ کے لیے اس سے نجات دلا دوں۔ سرکشوں اور بدمعاشوں کے اس گروہ نے اس کی شیطانی اسکیم پسند کی، اس کی حوصلہ افزائی کی اور اسے عملی جامہ پہنانے پر اکسایا۔

دوسرے دن صبح کو ابوجہل نبی رحمت کی گھات میں بیٹھ گیا کہ جب آپ ﷺ کعبہ میں نماز پڑھنے آئیں وہ آپ ﷺ پر وار کرے۔ قریش کے لوگ اپنی مجلس میں دور بیٹھے خبر کا انتظار کرنے لگے۔ جب نبی ﷺ سجدہ میں گئے یہ لعین ابوجہل بھاری پتھر لے کر آپ ﷺ کی طرف بڑھا، مگر آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک دم زرد ہو کر کانپتا ہوا پیچھے ہٹا اور پتھر اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ لوگ جو تماشہ دیکھ رہے تھے فوراً آئے اور ماجرا پوچھنے لگے۔ بولا جب میں محمد ﷺ کی طرف بڑھا تو بیچ میں ایک خوفناک اور غیر معمولی اونٹ آ گیا جو اگر میں پیچھے نہ ہٹتا تقریباً مجھے نگل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی جاتا۔

ابن اسحاق نے یہ واقعہ لکھنے کے بعد اس کے بارے میں آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ:

''یہ جبرئیل امین علیہ السلام تھے اور ابوجہل تھوڑا اور قریب آجاتا تو وہ اسے یقیناً قتل کر ڈالتے۔''

میڈیا کی دشمنی اور اظہار رائے کی آزادی کا غلط استعمال

اسلام سے قبل کے جاہلی زمانہ میں نہ ٹیکنالوجی تھی نہ مواصلات کے جدید اور ترقی یافتہ ذرائع۔ پھر بھی مکہ میں اظہار رائے کی آزادی کا خوب غلط استعمال ہو رہا تھا۔ کیونکہ مکہ کے لوگوں کی زبانیں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور اسلامی دعوت کے خلاف بہتان تراشیوں اور بے ہودہ گوئی سے باز نہ آتی تھیں۔ آس پاس میں ایسے شاعروں کی کمی نہ تھی جنھوں نے اپنی شعرو شاعری کو رسول اللہ، اسلام اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی ہجو گوئی میں لگا دیا۔ یہ ہذیان گو شاعر آپ ﷺ کی شان میں انتہائی گھٹیا زبان استعمال کرتے اور بے ہودہ بکواس کرتے اور چن چن کر جھوٹی باتیں اور بہتان تراشیاں کرتے اور اس طرح آپ ﷺ کے کردار کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کرتے۔ وقت کے عظیم شاعروں کعب بن زہیر، حارث بن تلاتل، ہبیرہ بن ابی وہب، حویرث بن نفیدہ، عبداللہ بن خنظل وغیرہ شاعروں نے اپنی شاعری کو کسی مثبت مقصد کے لیے استعمال کرنے کی بجائے آپ ﷺ کی ہجو گوئی کے لیے وقف کر دیا۔

قریشی سرداران لوگوں کے لیے باقاعدہ مجلسیں جماتے، جن میں شرابیں پی جاتیں، ٹھٹھول ہوتا اور یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی ہجو کرتے۔ شاعر عبداللہ بن خنظل کی باندی قرتنہ اور عکرمہ بن ابی جہل کی باندی سارہ ان شاعروں کے ہجو یہ اور بے ہودہ قصیدوں پر رقص کرتیں اور ناچ رنگ کی ان محفلوں کو رسول اللہ کی شان میں گستاخی کے لیے استعمال کیا جاتا۔ یہ آپ ﷺ کو زبردست ذہنی کرب میں ڈالنے اور نفسیاتی طور پر تارچر کرنے کی ترکیب تھی۔

تاہم جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ ''ہر عسر کے بعد یسر ہے'' اور ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔ چنانچہ چند سال بعد آپ کو ایک بڑی راحت یوں ملی کہ کئی بڑے شاعروں نے اسلام قبول کر لیا جن میں کعب بن زہیر، حسان بن ثابت اور عبداللہ بن رواحہ جیسے چوٹی کے شاعر تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زبردست خوشی ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہا کہ وہ مشرکین کا جواب دیں اور اسلام کے محاسن بیان کریں۔ اور فرمایا کہ اس کے لیے وہ مسجد نبوی کا منبر تک استعمال کر سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قل و روح القدس معك (حسان! اپنے شعر سے ان کا جواب دو روح القدس (جبریل) تمہارا ساتھ دیں گے) عرب معاشرہ میں شعر گوئی کی زبردست اہمیت تھی، اسی کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا: کبھی ایک شعر کی کاٹ تلوار سے زیادہ ہوتی ہے"۔ اور "ایک مسلمان جیسے تلواروں سے جہاد کرتا ہے ویسے ہی لفظوں سے بھی کرتا ہے" اسی طرح سے پیغمبر اسلام اور اسلام کے خلاف جو مہم ہجوگوئی کی چلائی گئی تھی اس کا سدباب ہوا۔ آج بھی دنیا میں منظر تبدیل نہیں ہوا۔ دنیا بھر میں آج بھی نام نہاد مصنفوں، شاعروں اور مفکروں، مصوروں، آرٹسٹوں اور کارٹونسٹوں کی کمی نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور مسلمانوں کی دل آزاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ اور میڈیا میں کئی متعصب لوگ اسلام اور رسول اللہ کے خلاف مضامین اور کارٹون شائع کرتے رہتے ہیں جس سے پوری فضا مغموم ہو جاتی ہے۔

اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

قریش کے سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزا کرتے دوسروں کو استہزا پر ابھارتے۔ یہ لوگ کہتے کہ اللہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی آدمی نبی بنانے کے لیے نہ ملا۔ اس کے پاس کوئی خاص قوت نہیں یہ تو عام لوگوں کی طرح ہی بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں کوئی ایسی نشانی نہیں جو ان کو دوسروں سے الگ کر سکے۔ اس طرح وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام سب میں شکوک وشبہات ابھارتے۔ معاندین نے یہ افواہیں پھیلائیں کہ محمد دراصل ایک جادوگر ہیں اور اپنے جادو کے بل پر باپ کو بیٹے سے، شوہر کو بیوی سے اور ماں کو بیٹی سے اور بھائی کو بہن سے جدا کر دیتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) جب مکہ میں لگنے والے سالانہ میلوں کا وقت آیا تو کئی سرداروں نے شہر کی مختلف نکڑوں پر اپنے آدمی متعین کر دیئے جو لوگوں کو ہادی عالم کی بات سننے سے روکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے۔ آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو تنہا کرنے کا یہ منصوبہ کامیاب رہا۔ پھر بھی کچھ لوگ ان کے بہکاوے میں نہیں آئے۔

مثلاً راہزن ابوذر (رضی اللہ عنہ) جو غفار قبیلہ کے تھے اور لوٹ مار ان کا پیشہ تھا۔ جب ابوذر (رضی اللہ عنہ) نے اس نئی دعوت کے بارے میں سنا تو قریش کی وارننگ کے باوجود وہ آپ ﷺ سے ملنے کے لیے آئے۔ انہوں نے محمد ﷺ کو کعبہ کی ایک دیوار کے سائے میں لیٹے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو پکارا اور آپ ﷺ کے پیغام کے بارے میں پوچھا۔ جب آپ ﷺ نے مختصراً ان کے سامنے دعوت توحید پیش کی تو انہوں نے فوراً قبول کر لی اور کلمہ پڑھ لیا۔ ان کی سبقت پر حضور ﷺ کو حیرانی ہوئی اور آپ ﷺ کے منہ سے نکلا: ''اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے'' یہی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ وہ مشہور صحابیؓ ہیں جن کے فقر، اخلاص، قناعت اور زہد کے چرچے ہیں اور جنہوں نے بعد میں معاشرہ کی کاہلی اور تعیش پر زبردست تنقید کی تھی۔

اسلام کے لیے پہلی شہادت

یمنی نژاد حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ آغاز اسلام میں ہی مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں تربیت پائی ان کے معاً بعد ہی ان کے والد یاسر رضی اللہ عنہ اور ماں حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا اور دین سیکھنے لگے۔ ابوجہل نے اس خاندان کو اپنی نفرت و وحشت کا خاص نشانہ بنا رکھا تھا۔ وہ دھوپ میں کھڑا کر کے ان کو مارتا اور اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ہفتوں اسی تشدد پر گزر جاتے مگر وہ ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں ناکام رہا۔ ایک بار ایسے ہی تشدد کر رہا اور گالیاں دے رہا تھا کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے پلٹ کر درشت جواب دے دیا۔ ظالم بتھے سے اکھڑ گیا اور برچھا مار کر مظلومہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو شہید کر دیا ان کے بعد ان کے شوہر پر پل پڑا اور ان کو بھی شہید کر دیا۔ یہ دونوں اسلام کے پہلے شہید ہیں۔ جنہوں نے کلمہ توحید پڑھ لینے کے بعد تشدد و تعذیب اور آخر میں شہید ہو جانا گوارا کر لیا مگر اسلام کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔

ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما

اب روز بروز صورت حال مسلمانوں کے لیے مشکل ہوتی جا رہی تھی خاص طور پر ان لوگوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے جو معاشرتی اور سماجی طور پر دبے اور کچلے ہوئے تھے۔ آنحضور ﷺ کو آپ کے دونوں چچاؤں ابو طالب اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حفاظت حاصل تھی مگر دوسرے مسلمانوں کے لئے تذلیل، بدسلوکی اور تشدد سہنا روزمرہ کا معمول بن گیا تھا۔

لہٰذا محمد ﷺ نے اس کی کوششیں شروع کیں کہ صحابہ کرام پر ہونے والے ظلم و ستم میں کیسے تخفیف لائی جائے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے قبیلہ مخزوم کے سردار ولید سے رجوع کرنے کا سوچا۔ اسی قبیلہ سے ابوجہل کا تعلق تھا۔ ولید تمام قریش مکہ میں زبردست اثر ورسوخ کا مالک تھا۔ اگر آپ ﷺ ولید کو اسلام کی حقانیت پر مطمئن کر لیتے یا کم از کم اسے اتنا قائل کر لیتے کہ وہ آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ پر ہونے والے ظلم و ستم کو مداخلت کر کے روک دے، تو یہ ایک بڑی کامیابی ہوتی، چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے ملاقات کی۔ جب آپ ﷺ اس کے سامنے اپنی دعوت اور اس کے دلائل رکھ رہے تھے کہ اسی وقت ایک غریب اور نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے مداخلت کر کے آپ ﷺ سے کسی آیت کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہا۔ پہلے تو آپ ﷺ نے تھوڑا سا اعراض کیا مگر ان کے اصرار پر آپ ﷺ کو تھوڑی سی ناگواری ہوگئی۔ آخر میں تکبر سے چور قریشی سردار نے نبوی دعوت کو مسترد کر دیا اور مزید سننے سے بھی سرتاب ہوگیا۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم کی سورہ عبس نازل ہوئی اور ہر مسلمان کے لیے ایک ابدی رہنمائی اس قسم کی فضا کے لیے فراہم کر دی گئی۔ فرمایا:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰى ﴿۲﴾ وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ﴿۳﴾ اَوۡ يَذَّكَّرُ فَتَنۡفَعَهُ الذِّكۡرٰى ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰى ﴿۵﴾ فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰى ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيۡكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنۡ جَآءَكَ يَسۡعٰى ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخۡشٰى ﴿۹﴾ فَاَنۡتَ عَنۡهُ تَلَهّٰى ﴿۱۰﴾

(محمد مصطفٰے ﷺ) ترش رو ہوئے اور بے رخی برتی، اس بات پر کہ اندھا ان کے پاس آیا۔ اور تم کو کیا خبر کہ وہ سدھر جائے یا نصیحت کو سنے تو نصیحت اس کے کام آئے۔ جو شخص بے پروائی برتتا ہے آپ اس کی فکر میں پڑتے ہیں۔ حالانکہ آپؐ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں اگر وہ نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سدھرے۔ اور جو شخص آپؐ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈرتا ہے، تو آپؐ اس سے بے پروائی برتتے ہیں۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہدف یہ تھا کہ اس سردار قریش سے اپنے صحابہ کے لیے کچھ تحفظ حاصل کر لیں مگر اس مقصد کے لیے رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سرزنش کی کہ ایک معزز سردار سے حمایت حاصل کرنے کے مقابلہ میں کسی بھی انسان کو خواہ کیسا ہی فقیر وحقیر، مفلس و بے نوا اور نابینا ہی کیوں نہ ہو ہرگز نہ چھوڑیں۔ اپنے پیارے نبی ﷺ کو یہ فہمائش کر کے اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کو یہ سبق دیا کہ وہ کبھی کسی مفلس و بے نوا کو حقیر نہ سمجھیں اور اسے نظر انداز نہ کریں، بلکہ اس کی خدمت کریں اور اس سے محبت کریں۔ رسول اللہ ﷺ سے وقتی طور پر یہ لغزش ہوگئی مگر پھر آپ ﷺ ہمیشہ ندامت اور توبہ کا اظہار کرتے رہے۔ آپ ﷺ فرماتے:

یا اللہ! ہمیں تقوی پرہیزگاری، عزت روحانیت، دولت اور غریبوں کی محبت عطا فرما!۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے لیے صرف اپنے کمال اور اپنی جلالت شان میں ہی نمونہ نہیں ہیں بلکہ وہ اپنی بشری کمزوریوں میں بھی نمونہ ہیں جن کو قرآن نے بتایا اور یوں ہمیشہ کے لیے مسلم شعور کا ایک حصہ بنا دیا کہ مسلمان اس سبق کو فراموش نہ کریں۔ سیاسی قوت، سماجی مرتبہ اور معاشی خوش حالی کوئی بھی چیز ان کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ وہ کسی کو حقیر نظروں سے دیکھیں، اس کو وہ انسانی عزت نہ دیں جس کا وہ مستحق ہے اور اس کو مطلوبہ توجہ نہ دیں۔ اسلامی اصولوں سے کسی حال میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا چاہے قوم کو کیسا ہی خطرہ کیوں نہ درپیش ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مخلص مگر غریب و بے نوا شخص کا مقام ایک متکبر اور خودغرض مالدار سے ہزاروں گنا بڑھ کر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وعمل سے اس قرآنی تعلیم کی گواہی دی۔ آپ ﷺ نے خود ہمیشہ اس کا بہترین نمونہ بن کر دکھایا۔ مگر مسلمان اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں اس نصیحت سے روگردانی کرتے رہے یہاں تک کہ خود عہد رسالت میں اس کے ابتدائی نقوش دکھائی دینے لگے تھے جب مالداری، عزت اور سیاسی قوت اور شان وشوکت کو دین واخلاق پر ترجیح دی جانے

[1] عبس: 1-10

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لگی۔ چنانچہ صحابی رسول حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اس پر بارہا احتجاج کیا اور لوگوں کو تعلیمات نبوی کی یاددہانی کرائی۔ خود رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہمارے سامنے موجود ہے جو بتاتی ہے کہ مال کا فتنہ ایک روحانی ملت کے لیے سب سے بڑا فتنہ اور آزمائش ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہر امت کے لیے ایک فتنہ تھا اور میری امت کے لیے فتنہ و آزمائش اور فساد کا سبب مال ہوگا''

❁❁❁❁❁❁

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پانچواں باب

ذہنی اور معاشرتی انقلاب

اسلامی دعوت کی مخالفت جو قریش کر رہے تھے وہ کسی ایک فرد اور کسی ایک دعوت کی مخالفت نہ تھی بلکہ جب جب بھی انبیاء آئے ان کو ہمیشہ ہی اپنی قوموں کی اکثریت کی جانب سے ایسی ہی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کی دعوت معاشرہ میں ایک انقلاب کی دعوت ہوتی ہے۔ مختلف زمانوں میں مختلف نبی جب اپنی قوموں کے پاس اپنا پیغام لے کر آئے تو ان کا استقبال کس طرح سے کیا گیا؟ ان کی طرف سے نبی کو سب سے پہلا جواب دعوت کو ٹھکرا دینے کا ہوتا تھا جس میں قوم کے بڑوں کا اپنا اقتدار کھو دینے کا خوف ہی شامل ہوتا تھا۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام کو یوں جواب دیا تھا:

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ اور تم دونوں کو دنیا میں بڑائی مل جائے اور ہم تم دونوں پر کبھی ایمان نہ لائیں گے۔[1]

محمد ﷺ کی دعوت بتوں کو چھوڑ دینے، توحید کو ماننے، زندگی بعد موت پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ سماج میں عدل و انصاف اور اخلاقیات برپا کرنے کی دعوت تھی۔ اس طرح آپ ﷺ نے سماج میں ایک ہمہ گیر تبدیلی کی مہم چھیڑ دی تھی۔ اس کا آغاز ذہنیت کو بدلنے سے ہوتا

[1] یونس:78

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا۔اس کی بنیاد آخرت رخی تھی لہٰذا اس دعوت نے دنیاوی اقتدار کو ہلا کر رکھ دیا۔

رسالت محمدی میں توحید الٰہی، اللہ تعالیٰ کی معرفت اور بلند اخلاقیات کی تعلیم بھی تھی اور نئے مسلمانوں کے لیے روحانی، عقلی اور معاشرتی آزادی کا پیام بھی۔قریش کے لیڈر بھی اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے۔ان کی دعوت کی شدید مخالفت کی وجہ یہی تھی کہ وہ اپنے مفادات، اپنی سرداری اور لیڈری کو خطرہ میں دیکھ رہے تھے۔وہ خوب اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ وحدانیتِ رب کا واقعی مطلب کیا ہے یعنی یہ کہ سوسائٹی میں ایک زبردست عمومی تبدیلی کی دعوت دی جا رہی ہے۔قرآن نے کہا:

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۝ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہم سر ہے۔[1]

سورہ کافرون دونوں محاذوں: ایمان و کفر میں خط فاصل کھینچ دیتی ہے:

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۝ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۝ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ۝

آپ کہہ دیجیے کہ کافرو! نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی عبادت تم کرتے ہو، نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں۔تمہارے لیے تمہارا دین ہے میرے لیے میرا دین۔[2]

یہ سورہ اس وقت نازل ہوئی جب قریش کے بعض لوگوں نے اسلام و کفر کے مابین ایک قسم کے سمجھوتہ کی تجویز رکھی تھی لیکن ان کی تجویز کا وحی ربانی نے جو جواب دیا وہ صریح اور حتمی تھا۔

[1] سورہ اخلاص: 1-4

[2] الکافرون: 1-6

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام وکفر کے مابین واضح حد کھینچ دی گئی، اگرچہ آیات میں یہ اشارہ بھی شامل تھا کہ دونوں احترام باہمی کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔

تین سوال

قریش دعوتِ محمدی کو پھیلنے سے روکنے میں ناکام ثابت ہو رہے تھے اب انہوں نے فیصلہ کیا کہ مدینہ ایک وفد بھیج کر یہودی سرداروں سے اس نئے دین کی حقیقت وصداقت کے بارے میں معلوم کریں۔ یہودی بھی ایک خدا پر ایمان رکھتے تھے اور خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ بار بار دے رہے تھے۔ اس لیے بہتر مشورہ بلکہ مقابلہ کا بہتر طریقہ بھی وہی دے سکتے تھے۔ یہودی ربائیوں نے صلاح ومشورہ کر کے قریش کو یہ تجویز دی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوال کریں جس سے یہ پتہ چل جائے گا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وحی کی بنیاد پر کہتے ہیں یا اپنی طرف سے ہے؟

پہلا سوال اصحاب کہف کے متعلق تھا۔ دوسرا سوال اس عظیم بادشاہ کے متعلق تھا جو زمین کے آخری سرے پر پہنچ گیا تھا یعنی ذوالقرنین۔ تیسرا سوال روح کے بارے میں تھا۔ قریش کے وفد کو یقین تھا کہ وہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جال میں پھانس سکتے ہیں۔ مکہ پہنچ کر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور تینوں سوال پوچھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً کہا کہ ''میں تمہارے سوالوں کا جواب کل دوں گا۔'' لیکن دوسرے دن حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نہیں آئے، کوئی وحی نہیں اتری، قریش کے لوگ خوش ہو گئے کہ اب وہ نبی کو آسانی سے جھوٹا ثابت کر سکیں گے کیوں کہ وہ ربائیوں کے سوالوں کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ جیسے جیسے دن آگے بڑھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غم واندوہ نے گھیر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا پر تو شک نہیں گزرا مگر یہ احساس ہوا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ تو نہیں دیا گیا۔ قریش کے استہزاء سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احساس میں اور شدت پیدا ہو گئی۔

انشاء اللہ کہنا:

دو ہفتوں بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی ہے جس میں یہ وضاحت تھی:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا مگر (انشاء اللہ کہہ کر یعنی اگر) خدا چاہے تو (کر دوں گا) اور جب خدا کا نام لینا بھول جاؤ تو یاد آنے پر لے لو۔ اور کہہ دو کہ امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کی باتیں بتائے [1]

اس آیت میں تنبیہ بھی ہے تعلیم بھی کہ نبی کا مقام، اس کا علم اور اس کی قسمت سب اس کے رب پر موقوف ہے جو قادر مطلق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیز بھولنی نہیں ہے کہ ان شاء اللہ کہنے کا مفہوم یہی ہے۔ یہ کلمہ آدمی کے علم کی حدود، عاجزی اور انکساری کو ظاہر کرتا ہے۔ تنہا اللہ ہی میں یہ قدرت و طاقت ہے کہ اس کے کہنے سے چیزیں ہو جاتی ہیں۔ یہ صرف ایک فلسفیانہ خیال نہیں بلکہ اس کا تقاضا عمل ہے۔ البتہ یہ جملہ کوئی بھی کام کرتے وقت آدمی کو اپنی حدود کا علم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ؐ کو بھی یاددہانی کرائی ہے کہ چاہے مشکل حالات ہوں دنیا میں آدمی کی قوت اور آزادی اس میں ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ عزوجل پر اپنے انحصار کو یاد رکھے۔

جن تین سوالوں کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تھا وحی خدا نے بعد میں ان کا جواب فراہم کر دیا، تاخیر میں یہ مصلحت تھی کہ

1. اس سے خدا پر اعتماد بڑھا
2. دوسرے یہ ثابت ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود قرآن پاک کے مصنف نہیں بلکہ اس کی وحی بھی رب العالمین کی مرضی پر ہے۔
3. روح کے بارے میں سوال کا جواب ٹھیک اسی انداز میں دیا گیا جس سے خدا کے تئیں بندے کی بے چارگی ظاہر ہو۔ فرمایا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ

---

[1] سورہ الکہف:23-24

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٥﴾

اور یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب دے دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔ [1]

جہاں تک دوسرے واقعات کا تعلق ہے یعنی افیسوس کے سات غار والوں (اصحاب کہف) اور ذوالقرنین سے متعلق سوالوں کا تو سورہ کہف میں ان سوالوں کا جواب مذکور ہے۔ اور اتنی تفصیل کے ساتھ ہے کہ جس کا اندازہ قریش مکہ اور یہودی ربائیوں کو بھی نہ ہوگا اور جس کے بارے بھی نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام بھی وحی سے پہلے نہیں جانتے تھے۔ اسی سورہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ جوان کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا جب انہوں نے گمان کر لیا تھا کہ نبی وقت ہونے کی حیثیت سے وہی سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا:

ہمارا ایک بندہ (خضر) تم سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کو (خضر) کے علم کا تجربہ کرایا گیا جنہوں نے آپ کو صبر و تحمل تواضع اور بہت زیادہ سوال نہ کرنے کی تعلیم دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تجربہ میں جنہوں نے بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیے گئے اس الوہی درس میں، جو ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے، تمام انسانوں کے لیے عبرت و حکمت کے خزانے ہیں۔ وہ انسان جس کو کم علم عطا ہوا ہے اسی طرح ہر چیز اہل ایمان کو ان کی کمزوریوں کے بارے میں یاد دہانی کراتی اور یہ ضروری قرار دیتی ہے کہ اپنی کمزوریوں کے باعث وہ اپنے آپ کو اور اللہ تعالیٰ کو نہ بھولیں۔

❁❁❁❁❁❁

[1] بنی اسرائیل:85

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چھٹا باب

ہجرت حبشہ

جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا جارہا تھا قریش کا ظلم وستم بھی بڑھتا جارہا تھا۔ اور یہ صرف زیادہ کمزور طبقات تک محدود نہ تھا بلکہ وہ مرد وعورت جو سماجی عزت رکھتے تھے اور اس کی وجہ سے اب تک تھوڑے بہت بچے ہوئے تھے، اب اس تشدد کی لپیٹ میں آ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور خود رسول خدا ﷺ جو ابوطالب کی حمایت میں تھے، کو بھی استہزاو تمسخر کا سامنا تھا۔ جب حالت زیادہ خراب ہوئی تو آپ نے صحابہؓ کو مشورہ دیا کہ:

> اگر تم حبشہ کی زمین میں چلے جاؤ تو وہاں ایک رحم دل اور منصف بادشاہ ہے
> تم وہاں سکون سے رہو گے جب تک اللہ تمہارے مصائب سے مخلصی کی
> راہ پیدا نہ فرمادے۔

نبی ﷺ کا اشارہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف تھا۔ جو عیسائی تھا اور اپنی رحم دلی و انصاف کے لیے معروف تھا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے ہجرت کی تیاری شروع کی اور تقریباً 100 لوگوں نے جن میں 83 یا 82 مرد اور تقریباً 20 عورتیں تھیں حبشہ کی جانب کوچ کر دیا۔ ہجرت حبشہ 615ء اور 5 نبوی میں ہوئی۔ حالات اتنے نازک ہو گئے تھے کہ ان مسلمانوں نے مکہ سے دور جا کر رہنے کا خطرہ فوراً مول لے لیا۔ قریش کے لیڈروں کو معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں نے، جن میں بہت سے اچھے گھرانوں کے افراد بھی تھے، مکہ چھوڑ دیا ہے۔ انہیں یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ لوگ حبشہ گئے ہیں۔ ان کو تشویش ہوئی کہ اگر یہ لوگ حبشہ میں کامیابی سے سکونت پذیر ہو گئے تو امکان ہے کہ وہ قریش کے خلاف مورچہ کھول دیں۔ ان کے ظلم وستم کے خلاف آواز اٹھائیں اور حبشہ کے بادشاہ کے ساتھ مل کر ان کے خلاف کاروائی پر آمادہ ہو جائیں۔ کیوں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حبشہ کا بادشاہ بھی توحید پرست ہے۔ مسلمانوں کو ہجرت کیے تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ اکابرِ قریش نے اپنے دو قاصدوں کو حبشہ بھیجا تا کہ بادشاہ کو مسلمانوں سے عدم تعاون اور ان مہاجرین کو مکہ واپس کر دینے پر آمادہ کریں۔ اس وفد میں عمر بن العاص اور عبداللہ بن ربیع تھے جو تحفے تحائف لے کر نجاشی کے دربار میں پہنچے اور حبشہ کے معززین سے ملے۔ جنہوں نے وعدہ کیا کہ جب آپ بادشاہ کے پاس درخواست گزاریں گے تو ہم آپ کے ساتھ تعاون کریں گے۔

شاہ نجاشی

قریشی وفد چاہتا تھا کہ شاہ نجاشی مسلمانوں کو بغیر ان کا کیس سنے ان کے ساتھ واپس کر دے۔ مگر نجاشی نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا کہ جن لوگوں نے اس کی سلطنت میں آ کر پناہ لی ہے انہیں بھی اپنا معاملہ رکھنے کا حق ہے۔ اس نے اجتماع بلایا جس میں مکی وفد کے ساتھ ہی مسلمانوں کے نمائندے بھی ہوں۔ مسلمانوں نے اپنا نمائندہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو چنا جو فصیح و بلیغ خطیب اور دانا آدمی تھے۔ بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ وہ اپنا ملک چھوڑ کر یہاں کس وجہ سے آئے؟ اور ان کے نئے دین کا پیغام کیا ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> اے بادشاہ ہم لوگ جہالت کی زندگی بسر کرتے تھے، گناہوں میں مبتلا رہتے، بتوں کو پوجتے، مردار کھاتے، نفرت کی بولی بولتے، انسانیت کی کوئی پروانہ کرتے، مہمانوں کی ضیافت نہ کرتے اور پڑوسیوں کو ستاتے، کمزوروں پر ظلم کرتے، برائیوں اور گناہوں کا ارتکاب کرتے معاملات میں دھوکہ دہی سے کام لیتے اور بس طاقت کے آگے جھکتے تھے۔ اس کے بعد ہمارے پاس اللہ نے اپنا انسان نبی بھیجا جن کا بچپن اور جوانی ہمیں میں گزری اور جو ہمارے ہاں نہایت سچے اور نہایت امانت دار کے نام سے معروف تھے۔ اس نبی نے ہمیں وحدتِ رب اور وحدتِ انسان کی طرف بلایا، گناہوں سے بچنے، سچ بولنے جھوٹ سے برحذر رہنے اور مردار کھانے سے بچنے کی تلقین کی اور پڑوسیوں کے حقوق کا لحاظ رکھنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سکھایا۔ اس نے ہمیں عورتوں کے بارے میں بری باتیں کرنے سے روکا، یتیموں کے مال کھانے سے منع کیا۔ نماز پڑھنے اور صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے اس کی دعوت کو قبول کرلیا اور ہماری زندگیوں میں تبدیلی آگئی۔ تب ہماری قوم کے لوگوں نے ہم پر ظلم کرنا شروع کردیا اور ہمیں مجبور کیا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوبارہ پتھر اور لکڑی کی مورتیوں اور بتوں کو پوجنا شروع کردیں۔ اے بادشاہ اسی لیے ہم آپ کے پاس آئیں ہیں کہ یہاں اپنے دین پر آزادی سے عمل کرسکیں اور امید ہے کہ آپ ظلم سے ہمیں تحفظ دیں گے۔

نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا ان کے پاس وحی کا کچھ حصہ ہے جو محمد ﷺ پر نازل ہوتی ہے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب میں سورہ مریم کی کچھ آیات پڑھ کر سنائیں:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾

اس کتاب (قرآن) میں مریم کا واقعہ بھی بیان کرو۔ جب کہ وہ اپنے گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہوکر مشرقی جانب آئیں، اور ان لوگوں کی طرف سے پردہ کرلیا۔ پھر ہم نے اس کے پاس روح الامین جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا پس وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا یہ کہنے لگیں کہ تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو کچھ بھی اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ اس نے جواب دیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں۔
کہنے لگیں بھلا میرے یہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ اس نے کہا بات تو یہی ہے لیکن تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ وہ مجھ پر بہت ہی آسان ہے۔ ہم تو اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیں گے اور اپنی خاص رحمت، یہ تو ایک طے شدہ بات ہے۔[1]

بادشاہ اور اس کے درباری عربی زبان کی ان بلیغ آیات سے شدید متاثر ہوئے اور خاص کر جب ان کا ترجمہ ان کی زبان میں کیا گیا، کیونکہ ان آیات میں حضرت عیسیٰؑ کی معجزانہ پیدائش بیان کی گئی ہے۔ شاہ نجاشی نے کہا:

حقیقت میں یہ کلام بھی اسی منبع سے آیا ہے جہاں سے حضرت یسوع مسیح اپنا پیغام لائے تھے۔ پھر اس نے مکہ کے دونوں ایلچیوں سے خطاب کر کے کہا کہ مکہ کے مہاجرین یہیں رہیں گے ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے گی۔

عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

دونوں قریشی قاصد عبداللہ بن ربیع اور عمرو بن العاص باہر نکل گئے مگر عمرو نے طے کیا کہ معاملہ کو یوں ہی نہ چھوڑا جائے گا اور وہ دوبارہ نجاشی کے پاس جائے گا اور اس سے کہے گا کہ عیسیٰ کے بارے میں جعفر رضی اللہ عنہ سے معلوم کرے کہ اسلام کا عقیدہ کیا ہے، کہ اسلام ان کے بارے میں عیسائیت کا سا عقیدہ نہیں رکھتا۔ دوسرے دن انہوں نے ایسا ہی کیا۔ مسلمانوں کو معلوم تھا کہ بادشاہ سے سامنا کرنے میں خطرات ہیں۔ دونوں مذہبوں کے اختلافات کو جان کر نجاشی ان کو واپس بھی بھیج سکتا ہے۔ پھر بھی انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ جو بھی ہو حق وصداقت کا دامن نہیں چھوڑنا ہے۔ نجاشی نے جب راست سوال کیا کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہمیں

[1] مریم: 16-21

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ بتایا ہے کہ

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ مریم علیہا السلام کے اندر پھونکا تھا۔"

مسلم وفد نے یہ نہیں کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔

تاہم نجاشی نے ایک لکڑی اٹھا کر کہا

"ہاں، عیسیٰ بن مریم جتنا تم نے بیان کیا اس سے اتنا بھی زیادہ نہیں تھے جتنی یہ لکڑی ہے۔"

درباری معززین کو اس جواب پر حیرت ہوئی اور انہوں نے کھانسنا شروع کر دیا۔ لیکن نجاشی نے کوئی پرواہ نہ کی اور حکم دیا کہ مکہ کے دونوں ایلچیوں کو تحفوں سمیت واپس کر دیا جائے۔ اس نے مسلمانوں کو ایک بار پھر پناہ کی یقین دہانی کرائی اور امن واطمینان سے رہنے کا یقین دلایا۔

ایک خطرہ اور سچائی

قریش کے لیے وفد کی اس طرح ناکامی ایک بڑا نقصان تھا چنانچہ انہوں نے مکہ کے مظلوم مسلمانوں پر مزید مشق ستم شروع کر دی۔ حبشہ پہنچے مسلمانوں کو ظلم وستم سے تو نجات مل گئی اور اگرچہ ایک اجنبی ماحول میں ہی سہی ان کو پناہ مل گئی۔ شاہ نجاشی سے مقابلہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گفتگو نہایت نازک موقع تھا تاہم انہوں نے حقیقت سے پہلو تہی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے سچ بات کہی اور واپس بھیج دیئے جانے کا خطرہ مول لیا۔ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا جو عقیدہ تھا وہی بیان کیا۔ سچائی بیان کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا اور انہوں نے صداقت کا راستہ ہی اختیار کیا۔

مزید برآں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں کے قائد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلام اور عیسائیت کے مابین مماثل ومشترک چیزیں بیان کی تھیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف سے سب سے پہلے پیش کی جانے والی آیات اور انجیل دونوں کی تعلیمات کا منبع ومرجع ایک ہی ہے۔ اور مسلمان بحیثیت مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا پیغمبر اور ان پر اتری کتاب پر ایمان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لاتے ہیں۔ یہ تو مکی ایلچی تھے جنھوں نے دونوں کے درمیان اختلافات کو نمایاں کر دیا تا کہ اپنی غرض پوری کریں۔ لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے پوری وضاحت سے اسلام کی دعوت اور اس کے خصائص بیان کر دیئے۔

حبشہ میں مسلمانوں کی موجودگی نے واضح طور پر عیسائیوں کو ایک پیغام اور دیا کہ مسلمانوں کو نجاشی پر اعتماد ہے جو کہ عادل، منصف اور اصول پسند شخص ہے۔ اور اسی وجہ سے مسلمانوں نے ان کی سرزمین میں آ کر پناہ لی۔ نجاشی مسلمان نہیں تھا مگر اس نے راست اور بالواسطہ دونوں طور پر اسلام کے پیغام کو سمجھ لیا کہ دونوں مذاہب اپنی تفصیلات اور متون میں اختلاف سے قطع نظر توحید پرست ہیں۔ اسی طرح دونوں کا نظام اقدار اور انصاف پر یقین بھی یکساں ہے۔ بادشاہ نے اس پیغام کو سنا اور مسلمانوں کو خوش آمدید کہا۔ اس کے بعد نجاشی مشرف بہ اسلام ہو گیا اور پیغمبر اسلام سے مسلسل رابطہ میں رہا۔ اور جب ان کا انتقال ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ بیشتر مہاجرین حبشہ وہاں تقریباً 15 سال ٹھہرے رہے (630ء میں خیبر کی فتح تک) اس کے بعد وہ مدینہ پہنچے۔

❀❀❀❀❀❀

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساتواں باب

قافلۂ سخت جاں آگے بڑھتا ہے

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

ظلمتوں، ناانصافی اور جبر کے بادلوں میں افق کے پار مظلوموں کے لیے امید کی کرن دکھائی دی یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے اسلام قبول کیا۔ جن کے قبول اسلام کا واقعہ 6 نبوی میں پیش آیا۔

سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ بیت اللہ کے پاس صفا پہاڑی پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے ابوجہل گزرا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہاں دیکھ کر بدتمیزی کی دین اسلام کو گالیاں دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار کی۔ ظالم ابوجہل نے یہ دیکھ کر ایک پتھر اٹھا کر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر میں مارا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر سے خون بہنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مار کر ظالم ابوجہل کعبہ میں اپنے ساتھیوں کے بیچ میں جا بیٹھا۔ اس کے کچھ دیر بعد وہاں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا جو شکار سے آرہے تھے اور ہاتھ میں تیر کمان لیے ہوئے تھے۔ ایک باندی نے یہ سارا ماجرا دیکھا تھا، اس نے جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے کو ابوجہل نے گالیاں دیں اور مارا۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر سخت طیش آیا، سیدھے کعبہ میں اسی جگہ پہنچے جہاں ابوجہل بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سر پر زور سے کمان مار کر کہا "میں بھی اپنے بھتیجے کا دین قبول کرتا ہوں جو کرنا ہو کرلو"۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر کہا کہ بھتیجے خوش ہوجاؤ میں نے تمہارا بدلا لے لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چچا جان مجھ کو اس انتقام سے نہیں مجھ کو تو جب خوشی ہوگی جب آپ بھی یہ دین قبول کرلیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فوراً لا الہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الااللہ پڑھ لیا اور آپ ﷺ کو اپنی ذاتی حفاظت میں لے لیا۔ چنانچہ ابوجہل اور اس کے گماشتوں کو پھر آپ ﷺ کو ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں ہوئی البتہ انہوں نے زیادہ نادار اور غریب مسلمانوں کو اور زیادہ اپنی ستم رانیوں کا تختۂ مشق بنالیا۔

یہ تو حقیقت ہے کہ ابتدا میں حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کی وجہ عربی نخوت تھی جو اپنی اور کسی عزیز کی توہین اور اس پر ظلم برداشت نہیں کرسکتی تھی لیکن جلد ہی وہ ایمان کی لذت سے آشنا ہو گئے اور خدا پر ایمان کامل نے دل میں گھر کر لیا۔ اسلام اور مسلمانوں کو ان کے اسلام لانے سے زبردست تقویت حاصل ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

دوسرا اہم واقعہ جس سے اسلام کی قوت میں اضافہ ہوا وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام تھا۔ جو نبوت کے 6 سال اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے تین دن بعد مسلمان ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بہادر، بے خوف اور جری انسان تھے۔ مکہ میں ان کی دھاک تھی۔ ساتھ ہی وہ اب تک اسلام کے سخت دشمن چلے آرہے تھے اور مسلمانوں پر دست ستم دراز کرنے میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضر عمر رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کے اسلام کی دعا یوں فرمائی تھی کہ:

''بار الہ! عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ابوجہل بن ہشام دونوں میں سے جو بھی تجھے زیادہ پیارا ہو اس کے ذریعہ اسلام کو تقویت عطا فرما۔''

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا طیش آیا اور تلوار سونت کر چلے کہ آج اس نئے نبی کو قتل ہی کر ڈالیں گے نعوذ باللہ۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ حضور ﷺ کو قتل کر کے یقینی طور پر اسلام کو ختم کیا جاسکتا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لے کر گھر سے باہر نکلے اور محمد ﷺ کو تلاش کرنے لگے۔ راستہ میں ایک مسلمان حضرت نعیم رضی اللہ عنہ ملے، انہوں نے پوچھا عمر! (رضی اللہ عنہ) کہاں کا قصد ہے؟ کہنے لگے آج اس نئے نبی کو قتل کر کے رہوں گا۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے فوراً ان کی توجہ ہٹانے کی کوشش کی اور کہا:

''پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ سن کر عمر (رضی اللہ عنہ) اپنی بہن کے گھر پہنچے۔

بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا اور بہنوئی سعید رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ عمر (رضی اللہ عنہ) کو آتے دیکھ کر قرآن کے اوراق چھپا لیے۔ عمر نے پوچھا کہ دونوں کیا پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے خاموشی اختیار کی ان کا غصہ بڑھا اور بولے میں نے تم دونوں کو کچھ پڑھتے سنا ہے وہ کیا ہے؟ وہ خاموش رہے تب عمر (رضی اللہ عنہ) سعید رضی اللہ عنہ پر جھپٹ پڑے فاطمہ رضی اللہ عنہا شوہر کو بچانے کے لئے آئیں تو انہیں بھی مارا جس سے خون نکل آیا۔ بہن کے چہرہ پر خون دیکھ کر ٹھنڈے پڑ گئے تبھی بہن نے جوش میں آ کر کہا ''ہاں ہم مسلمان ہو چکے ہیں تم جو چاہو کر لو ہم یہ دین نہیں چھوڑیں گے۔'' عمر کو حیرت ہوئی۔ بہن کو مارنے کے دکھ اور ان کے مسلمان ہو جانے پر حیرت کے درمیان انہوں نے بہن سے قرآن مانگا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پہلے اپنے آپ کو پاک کر لیں اور وضو کر لیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے وضو کر لیا اور قرآن لے کر پڑھنا شروع کیا۔

طٰهٰ ﴿١﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿٢﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٣﴾ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿٤﴾ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿٥﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿٦﴾ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿٧﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ﴿٨﴾

طٰہٰ ہم نے یہ قرآن آپ ﷺ پر اس لیے نہیں اتارا کہ آپ ﷺ مشقت میں پڑ جائیں، بلکہ اس شخص کو نصیحت کے لیے (نازل کیا) جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ اس کا اتارنا اس کی طرف سے ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمان کو پیدا کیا ہے، جو رحمن ہے عرش پر قائم ہے جس کی ملکیت آسمان اور زمین اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے اور جو کچھ (زمین کی) مٹی کے نیچے ہے سب اسی کا ہے اگر تم بلند آواز سے پکار کر بات کہو، تو وہ ہر ایک ظاہر و باطن کی تمام تر چیزوں کو بھی جانتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں بہترین نام اسی کے ہیں۔ [1]

ایک بار پڑھنا شروع کیا تو عمر رضی اللہ عنہ پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ سورہ کی چودھویں آیت تک پہنچ گئے۔

إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴿١٤﴾

بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا عبادت کے لائق اور کوئی نہیں۔ پس تو میری عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔ [2]

یہاں تک پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رک گئے اور کلام اللہ کی عظمت کے گن گانے لگے آپ رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے حوصلہ پا کر خباب رضی اللہ عنہ جو فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سعید رضی اللہ عنہ کو قرآن سکھا رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر چھپ گئے تھے وہ باہر نکل آئے اور انہوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دعا کرتے ہوئے سنا ہے کہ یا اللہ ابوجہل اور عمر (رضی اللہ عنہ) دونوں میں سے کسی ایک کے قبول اسلام کے ذریعہ دین کو تقویت دے۔ عمر (رضی اللہ عنہ) نے پوچھا کہ محمد ﷺ کہاں ہیں جب انہوں نے بتایا کہ دارالارقم میں ہیں تو عمر (رضی اللہ عنہ) وہاں پہنچ گئے چونکہ وہ تلوار لیے ہوئے تھے اس لیے آپ ﷺ کے ساتھیوں کو خوف ہوا مگر رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ ان کو اندر آنے دو۔ عمر (رضی اللہ عنہ) نے اندر پہنچتے ہی اسلام لانے کا اعلان کر دیا۔ آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہا۔ آپ ﷺ کی دعا قبول ہو چکی تھی۔

قلب و نظر کی تبدیلی

محمد ﷺ جانتے تھے کہ آپ دلوں کے اوپر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ ظلم و جبر کے مقابلہ میں اور مشکلات کے گرداب میں آپ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے تھے اس امید میں کہ دو انسانوں میں سے جس کے اندر بھی اعلیٰ انسانی خصائص ہوں، جو فکر کے دھارے کو تبدیل کرنے کے لیے ضروری ہیں، اس کو شرف بہ اسلام کر دے۔ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ تنہا خدا ہی دلوں کو موڑنے

[1] طٰہٰ: 1-8

[2] طٰہٰ: 14

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور ہدایت دینے کی قوت رکھتا ہے۔ بعض لوگوں کے لیے قبول اسلام ایک طویل عمل تھا جس میں پہلے شک وشبہ تردد وغیرہ کے مراحل آئے پھر ان کا شرح صدر ہوا۔ جب کہ دوسرے لوگ ایک ہی جست میں یہ فاصلہ طے کر لیتے اور اسلام قبول کر لیتے تھے جس کا سبب قرآن کا سننا یا پڑھنا یا کوئی ایک عملی واقعہ ہوا کرتا۔ یہ ایسی چیز ہے جس کی تشریح نہیں کی جاسکتی۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ جس کو ایمان لانے میں دیر لگتی اس کا ایمان صادق ترین ہو، اور نہ ہی یوں تھا کہ جس نے فی الفور دین قبول کرلیا تو اس کے اسلام میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔

درحقیقت تبدیلی مذہب دلی رجحانات، ایمان اور محبت ایسی چیزیں ہیں جن میں کوئی دلیل نہیں دی جاسکتی اور جن میں کوئی منطق کام نہیں کرتی۔ اس میں بات دراصل توفیق خداوندی اور فیضان محبت کی ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نکلے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرنور کو قتل کرنے کیوں کہ اس وقت توحید کی دشمنی میں اندھے ہو رہے تھے، لوٹے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بن چکے تھے کہ قرآن کی چند آیات نے دل کی دنیا بدل ڈالی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ کی سخت دشمنی کے پیش نظر چند گھنٹے پہلے کسی مسلمان کو اندازہ نہ تھا کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ ان کے دل کا انقلاب ایک معجزہ تھا جس میں دو پیغام چھپے ہوئے تھے۔ ایک یہ کہ خدا کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں دوسرا یہ کہ کسی کے لیے بھی کسی شخص یا کسی چیز کے بارے میں حتمی بات کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمت اور حوصلہ کی بات تھی کہ انہوں نے قبول اسلام کی منادی کرنے کا فیصلہ کرلیا چنانچہ فوراً ابوجہل کے پاس گئے اور اپنے مشرف بہ اسلام ہونے کا اعلان کر دیا اس کے بعد انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمیں کعبہ میں علی الاعلان نماز پڑھنی چاہیے۔ اس میں خطرہ بھی تھا مگر قریش کے سامنے قوت کا مظاہرہ بھی کرنا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمان کعبہ میں داخل ہوئے اور جماعت سے نماز ادا کی۔ کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ ان کو روکے اور ٹوکے۔

❀❀❀❀❀❀

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آٹھواں باب

شعب ابی طالب میں

تاہم جوں جوں اسلامی دعوت میں توسیع ہوتی گئی قریش کی سختیاں بھی بڑھتی گئیں۔ مسلمان ہونے والے افراد مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص پشت پناہ بنو ہاشم تھے۔ قریش مکہ نے اسلامی دعوت کو روکنے کے لیے سلاح و مشورہ اور گرم بحث و مباحثہ کے بعد بنو ہاشم کا بائیکاٹ کرنا طے کیا۔ ایک معاہدہ لکھا گیا اور اسے کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کر دیا گیا۔ اس پر 40 لیڈروں نے دستخط کیے تھے۔ بدبخت ابولہب نے اس موقع پر بھی اپنے خاندان کا ساتھ چھوڑ کر مکہ والوں کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ اس کا یہ اقدام قبائلی روایات کے بھی خلاف تھا اور مروت اور مردانگی کے خلاف بھی۔ اس کے برعکس ابو طالب نے بھتیجے کا ساتھ دینا منتخب کیا۔ اس معاہدہ کی رو سے بنو ہاشم کی بیٹیوں اور بیٹوں سے دوسرے قبیلہ کے لوگ شادی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے ساتھ تجارت کاروبار، سلام کلام کھانے پینے میں شرکت میل جول اٹھنا بیٹھنا سب ممنوع قرار پایا۔ نہ کوئی ان کو کھانے پینے کی چیز دے سکتا تھا۔ یہ بائیکاٹ اس وقت تک جاری رہنا تھا جب تک بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی حمایت نہیں چھوڑتے۔ یہ وقت بنو ہاشم اور مسلمانوں کے لیے بڑا ہی سخت تھا۔ وہ سب ایک گھاٹی شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہو گئے۔ بائیکاٹ تین سال تک چلا۔ اس دوران دونوں قبیلوں کی معاشی طور پر کمر ٹوٹ گئی۔ بعض اوقات ان لوگوں اور مسلمانوں کو درختوں کی پتیاں چبا کر گزارا کرنا پڑا۔ بائیکاٹ کا نفسیاتی اور سماجی پریشر ناقابل برداشت ہو گیا۔

بائیکاٹ کا خاتمہ

تاہم قریش میں بھی بہت سے لوگ ایسے تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ یہ بائیکاٹ غیر ضروری ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہت سے لوگ رشتہ داریوں سے بندھے ہوئے تھے جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا تھا چنانچہ ان تین سالوں کے دوران متعدد کوششیں اس بائیکاٹ کو ختم کرنے کے لیے ہوئیں لیکن وہ کامیاب اس لیے نہیں ہو سکیں کہ ابوجہل اور ابولہب جیسے شقی سرداران مکہ نے اس پر کوئی بھی بات کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر میں چند لوگوں نے پہل کی انہوں نے ہر قبیلہ میں اپنے حلیفوں سے بات کی اور اس ظالمانہ بائیکاٹ کو ختم کرنے کی آواز اٹھائی۔ انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک معاہدہ کو پھاڑا نہیں جاتا وہ چین سے نہ بیٹھیں گے۔ پہلے تو ابوجہل نے معاہدہ کے پاس کھڑے ہو کر ہٹ دھرمی دکھائی کہ جب تک معاہدہ خود بوسیدہ نہ ہو جائے اس کو پھاڑ نہیں جا سکتا مگر اتنے میں حضرت محمد ﷺ کے چچا ابوطالب نے ان سے کہا کہ محمد ﷺ کے پاس وحی آئی ہے کہ پورے معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے اور صرف اللہ کا نام باقی بچا ہے۔ ابوطالب نے کہا کہ اگر یہ بات سچ نکلی تو یہ معاہدہ ظالمانہ ہے اسے ختم ہونا چاہیے اور اگر سچ نہ نکلی تو وہ اپنے بھتیجے کو اہل مکہ کے حوالہ کر دیں گے۔ چنانچہ مکہ کے سرکشوں کے خلاف جو لوگ اٹھے تھے ان میں سے ایک آدمی مطعم کعبہ کے اندر گیا اور اس نے پایا کہ واقعی بائیکاٹ کے معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے۔ اب گرم دماغ لوگ بھی کچھ مزاحمت نہیں کر سکے اور اس طرح بائیکاٹ، جس نے دونوں قبیلوں کی زندگی کو جہنم بنا دیا تھا، ختم ہو گیا۔ بنو ہاشم اور مسلمانوں کو گھر لوٹنے کی اجازت ملی۔ اس واقعہ میں بھی محمد ﷺ کی رسالت کی حقانیت ثابت ہوتی ہے مگر قریشی سرکشوں نے اس کو بھی جادو کا کرشمہ قرار دے ڈالا۔ جس پر قرآن نے کہا:

وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾

جب بھی ان (کافروں) کے پاس کوئی نشانی آئی انہوں نے پیٹھ پھیر کر کہا کہ یہ سراسر جادو ہے۔[1]

غم کا سال

کئی ماہ گزرنے کے بعد چھوٹی سی مسلم کمیونٹی کو راحت ملی، ان لوگوں کے دوستانہ اور کاروباری

[1] القمر:٢

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعلقات قریشیوں سے پھر سے استوار ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وجود کے احساس کرانے کا جو اقدام کیا تھا اب اس کے مظاہرے عام ہونے لگے تھے۔ پھر بھی تعذیب، تشدد اور ابتلاو آزمائش جاری رہی۔

وقت تیزی کے ساتھ بدلتا جا رہا تھا۔ اسی دوران بائیکاٹ ختم ہونے کے چند مہینے بعد ہی اسلام کی سب سے بڑی حمایتی اور نبی ﷺ کی سب سے بڑی غم گسار ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا وہ کامل 25 سال آپ علیہ السلام کی رفیق و دمساز رہیں۔ 619 عیسوی میں نبوی مشن شروع ہونے کے 9 سال بعد تک وہ اسلام کی زبردست معاون بنی رہیں۔ آغاز ہی میں حضرت جبرئیل نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خوش خبری دی تھی کہ وہ آپ کی رفیق سفر منتخب کی گئی ہیں۔ محمد ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی اس قرآنی آیت کی عملی تفسیر بن گئی جس میں شوہر و بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ

وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ [1]

چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایسا لباس ثابت ہوئیں جو جذباتی و جسمانی طور پر حفاظت کرتا، کمزوریوں اور شکوک وشبہات کو ازالہ کرتا اور اپنی تمام ثروتوں اور اموال کو اس مشن میں لگائے ہوئے تھا۔ وہ گرم جوشی، سماجی حیثیت، عزت و احترام اور پاکیزگی کا اعلیٰ نمونہ تھیں۔ اس کے کچھ دن بعد ہی آپ ﷺ کے پیارے چچا ابو طالب جو آپ علیہ السلام کی ڈھال بنے ہوئے تھے، شدید طور پر بیمار پڑے۔ آپ ﷺ نے ان کی زیارت کی۔ ان کے پاس ابوجہل اور ابی امیہ جیسے دشمنوں کو پایا۔ پھر بھی آخری وقت میں آپ ﷺ نے پیارے چچا سے کہا: چچا جان کلمہ پڑھ لیں تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی گواہی دے سکوں۔ ابوجہل اور ابوامیہ نے ابوطالب سے کہا: ''کیا تم باپ دادا کے دین کو چھوڑ دو گے؟'' آپ علیہ السلام نے ان سے پھر وہی بات کہی۔ ابوجہل اور ابوامیہ نے پھر آپ ﷺ کی بات کاٹ دی۔ اسی حیص وبیص میں ابوطالب نے جان دے دی۔

ان کی موت باپ دادا کے دین پر ہوئی۔ انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا، تب نبی کریم ﷺ نے

[1] البقرۃ: 187

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا: جب تک مجھے خدا کی طرف سے ممانعت نہ ہوگی میں آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔ اس معاملہ پر مزید بات کرنے کا وقت نہیں تھا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ ابو طالب کے پاس ہی تھے۔ وہ آپ ﷺ کو پیار کرتے تھے۔ انہوں نے اب تک دشمنوں سے آپ ﷺ کی حفاظت کی تھی آپ ﷺ کی خاطر تمام دکھ تکلیف برداشت کئے تھے۔ ان کے ایمان نہ لانے سے فطری طور پر آپ ﷺ کو بہت رنج و افسوس ہوا۔ تبھی اس واقعہ کے بارے میں ایک آیت نازل ہوتی ہے اور دلوں کے رازوں اور فیضانِ معرفت کا رازیوں فاش کرتی ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

آپ جسے (دوست رکھتے ہیں) اگر چاہیں بھی تو اس کو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے۔ [1]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

یہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کردار پر روشنی ڈالنا مناسب ہے۔ جنہوں نے نہایت پرآشوب اور مشکل زمانہ میں آپ ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا۔ آپ ﷺ کے مشن کو اپنایا۔ اسلام کی اشاعت میں تن من دھن سے بھرپور کردار ادا کیا۔ انہوں نے سب سے پہلے امین و صادق اور کامیاب تاجر نوجوان محمد ﷺ کے منفرد اوصاف کو پہچانا اور حوصلہ سے کام لے کر آپ ﷺ کو شادی کی تجویز دی۔ اس جوڑے نے خوشیاں اور غم دونوں دیکھے۔ آپ ﷺ کے دو فرزند حضرت عبداللہ اور حضرت ابوالقاسم کم سنی میں ہی وفات پا گئے۔ چار بیٹیاں زندہ رہیں جن پر یہ دونوں عرب کی روایت کے برخلاف جان چھڑکتے تھے اور بیٹیوں سے اپنی محبت کا اظہار لوگوں میں کرنے میں کبھی انہوں نے باک نہیں کیا۔ جب 40 سال کی عمر میں حضور ﷺ کو پہلی وحی آئی تو آپ ﷺ سب سے پہلے گھبراہٹ میں زوجہ محترمہ کے پاس آئے جو فوراً آپ ﷺ

[1] القصص:56

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے شانہ بشانہ کھڑی ہو گئیں اور آپ ﷺ کو تسلی دی کیوں کہ گذشتہ سالوں میں انہوں نے آپ ﷺ کی حیرت انگیز اور نمایاں شخصیت کا قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ جب آپ ﷺ اضطراب اور گومگو کی حالت میں غار حرا سے گھر لوٹے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں جنہوں نے آپ ﷺ کو اپنی محبت کی چادر میں ڈھانک لیا۔ حقیقت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے لیے ویسے ہی خدا کا معجزہ اور اس کی ایک آیت تھیں جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لیے حضرت ہاجر علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے ایمان لائیں اور دعوت نبوی کے پہلے دس سالوں میں وہ آپ کے لیے انتہائی مخلص ساتھی ثابت ہوئیں۔ آپ ﷺ کی زندگی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا رول سب سے بڑا ہے۔ 25 سال تک وہی آپ ﷺ کی زوجہ رہیں جن کے وجہ سے آپ ﷺ کو تحفظ ملتا تھا۔ اہل مکہ کے تمام ظلم وستم کو برداشت کرنے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی پورے طور پر آپ ﷺ کے ساتھ شریک رہیں۔ آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے رسالت کے لیے منتخب ہونے کی بشارت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کی طرف سے دی گئی۔

وہ ایک آزاد معزز و محترم خاتون تھیں اور بیوی کے طور پر وہ سچی مومنہ مضبوط کردار کی حامل، مہربان وغم گسار، مخلص و بے ریا اور پاکیزہ اخلاق والی، کوہ عزیمت واستقلال اور صابرہ وشاکرہ خاتون رہیں۔ حقیقت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے لیے اللہ کا انعام اور محبت تھیں۔ جو اولین وحی کے نزول سے لے کر تادم آخر راہ حق میں حضور ﷺ کے ساتھ رہیں اور سچی رفاقت کا حق ادا کر کے دکھلا گئیں۔ حق کی حمایت میں مال بھی خرچ کیا اور قدم قدم پر مشورے بھی دیئے۔ انہوں نے دلی جذبہ سے آپ ﷺ کے ساتھ تعاون فرمایا۔ وہ آپ ﷺ کے لیے وزیر کے مانند تھیں۔

آپ ﷺ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا گہرا صدمہ ہوا۔ بڑے محبت بھرے اور جذباتی انداز میں آپ ﷺ نے فرمایا:

> خدیجہ (رضی اللہ عنہا) مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب دوسرے انکار کرتے تھے۔ انہوں نے اس وقت میرے اوپر اعتماد کیا جب دوسرے تکذیب کر رہے تھے۔ انہوں نے میری مدد کی جب لوگ مجھے چھوڑ رہے تھے۔ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خدا نے ان کے ذریعہ مجھے اولاد کی نعمت عطا کی۔''

چند ماہ کے اندر اندر یوں محسوس ہوا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دوگنے کمزور ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کرنے والی بیوی اور جان چھڑکنے والے چچا دونوں اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فوراً حرکت میں آنا اور مسلم کمیونٹی کے لیے جائے تحفظ ڈھونڈنی تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔

طائف

جون 619ء کے شروع اور 10 نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل ہی طائف تشریف لے گئے جو مکہ سے تقریباً 60 کلومیٹر دور تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ تھے۔ مقصد لوگوں کو دین کی دعوت دینا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے لیڈروں سے ملاقات کی اس امید میں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنیں گے اور مسلمانوں کو تحفظ دیں گے۔ لیکن طائف کے بدبختوں نے نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی بلکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کا استہزا کرنا شروع کر دیا۔ کہنے لگے خدا اپنے نبی کو غیر قبائل سے تحفظ مانگنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟ ان بدبخت سرداروں نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات رد ہی نہیں کی بلکہ بدقماش اور اوباش لڑکوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو یہ غنڈے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر مارنے لگے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھروں سے بچانے کی کوشش کرتے کرتے خود بھی زخمی ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹانگوں اور پیروں سے خون بہنے لگا۔ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے دو تین کلومیٹر دور ریت کے ٹیلوں اور پہاڑوں تک نہ نکل آئے یہ لڑکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگے رہے۔ وہاں تھکے ہارے زخموں سے نڈھال آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں سے بچنے کے لیے ایک نخلستان میں پناہ گزیں ہوئے۔ جہاں اپنے جیسے انسانوں کے درمیان کوئی جائے پناہ نہ پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدائے واحد اور رب ذوالجلال کی طرف متوجہ ہوئے اور گریہ وزاری کے ساتھ یہ دعا فرمائی:

بار الٰہ! میں صرف تجھ ہی سے اپنی کمزوری کا شکوہ کرتا ہوں اور اپنے کم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وسائل کا دکھڑا سناتا ہوں اور اس کا کہ لوگ مجھے ہلکے میں لے رہے ہیں۔ تو ہی کمزوروں کا رب ہے تو ہی میرا رب ہے، تو نے مجھے کس کے حوالہ کر دیا ہے؟ ایسے اجنبیوں کے جو مجھ سے برا سلوک کریں، یا دشمن کے جس کے حوالہ تو نے میرے اختیارات کر دیئے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی کا خوف نہیں لیکن تیری مدد سے میرا راستہ کشادہ ہوگا اور راستے کھل جائیں گے۔ میں تیری پناہ لیتا ہوں کہ تیرے نور سے اس دنیا کی تمام ظلمتیں روشن ہیں۔ تاکہ مجھ پر تیرا غضب اور تیری ناراضگی نہ ہو، یہ تیرا ہی حق ہے جب تک تو راضی نہ ہو جائے۔ تیرے سوا نہ کوئی طاقت ہے نہ کوئی قوت۔

اس دعا میں اللہ تعالیٰ کی قوتوں اور اپنے مشن کی صداقت پر کوئی سوال نہیں کھڑا نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ انتہائی رنج والم انتہائی بے چارگی کے عالم میں خدائے ذوالجلال کی قوت پر مکمل اعتماد، خود سپردگی، بشری کمزوری کے اعتراف اور عبدیت کا آخری حد تک اظہار ہے۔ ہر طرف سے کٹ کر خدا سے جڑنا اور دنیا و مافیہا اور ماسوا اللہ سے منقطع ہو کر خدائے قہار کے دربار میں اپنے آپ کو ڈال دینا ہے۔ ساتھ ہی اس میں آپ ﷺ کی غیر معمولی روحانی قوت کا اظہار بھی ہے۔ تمام کسمپرسی اور بے چارگی کے عالم میں بھی آپ ﷺ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ تنہا نہیں اللہ آپ ﷺ کے ساتھ ہے۔

ایک غلام

نخلستان کے دونوں مالکوں نے دور سے محمد ﷺ کو باغ میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور یہ بھی کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے غلام عداس کو جو ایک نوجوان عیسائی تھا، آپ ﷺ کو انگوروں کا ایک خوشہ دے کر بھیجا جب عداس نے آپ ﷺ کو انگور پیش کیے تو آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی، عداس کو حیرت ہوئی پھر آپ ﷺ نے اس کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں سے تعلق رکھتا ہے؟ اس نے بتایا کہ اس کا تعلق نینوی (اب موجودہ اسرائیل میں ہے) سے ہے۔ آپ نے فرمایا: "مرد صالح یونس بن متیٰ کے دیش سے۔" اسے حیرت ہوئی اور اس نے پوچھا کہ آپ ﷺ کو ان کے بارے میں کیسے معلوم ہے؟ آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے فرمایا کہ: ''یونس بن متیٰ میرے بھائی تھے وہ بھی نبی تھے میں بھی نبی ہوں۔''

عداس نے ایک لمحہ آپ ﷺ کو غور سے دیکھا پھر آپ ﷺ کے سر کے بوسے لینے لگا۔ اس کے مالک یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے جب وہ واپس گیا تو اس نے مالکوں سے کہا کہ جو باتیں یہ شخص کرتا ہے اس طرح کی باتیں ایک نبی ہی کر سکتا ہے۔ چند منٹ کی گفتگو کے بعد ہی عداس نے اسلام قبول کر لیا۔ حبشہ کے عیسائی بادشاہ نے بھی اسلام اور عیسائیت دونوں کے مابین رشتہ کو پہچان لیا اور اب ایک عیسائی غلام کا بھی یہی احساس سامنے آیا۔ رنج و محن اور تکلیف واندوہ میں عیسائیوں کی جانب سے اعتماد و احترام اور پناہ گاہ پیش کی گئی۔ پہلے ایک عیسائی بادشاہ نے آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے مسلمانوں کو خوش آمدید کہا اور اب ایک عیسائی غلام ایسی تکلیف کی حالت میں آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہے جب کہ دوسرے لوگوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پیغام کی تکذیب کر دی تھی۔

خدایا پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

آپ ﷺ کی بیوی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار پوچھا کہ

''کیا آپ ﷺ کو احد سے بھی زیادہ کبھی غم اور تکلیف کا احساس ہوا؟''

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''تمہاری قوم نے مجھے بہت ستایا، اور سب سے زیادہ ایذا مجھ کو عقبہ (طائف) کے دن دی گئی جب میں نے اپنے آپ ﷺ کو ابن عبد یالیل پر پیش کیا، اس نے میرا پیغام قبول نہیں کیا۔ لہٰذا میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا بہت ہی زیادہ رنج وغم کی کیفیت میں میں چلا اور اس وقت تک آرام نہیں ملا جب تک قرن الثعالب میں نہ پہنچ گیا۔ جہاں میں نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادل ساتھ ساتھ چلا آ رہا ہے جو میری توقع کے بغیر میرے اوپر سایہ کیے ہوئے تھا، میں نے اوپر کی طرف دیکھا تو پایا کہ جبرئیل امین علیہ السلام اس کے اندر ہیں۔ انہوں نے مجھے پکار کر کہا

''آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کے ساتھ جو کیا اور آپ ﷺ کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو جواب دیا وہ اللہ تعالیٰ نے سنا اور اس نے پہاڑوں کے فرشتے کو میرے ساتھ بھیجا ہے تا کہ آپ اسے حکم دیں اور جو ان لوگوں کے ساتھ کرنا چاہیں کریں۔ پھر پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے پکارا، سلام کیا اور کہا: ''آپ ﷺ جو فرمائیں میں ان لوگوں کا ویسا ہی حشر کر دوں، آپ ﷺ چاہیں تو ''اخشبین'' (طائف کے دو پہاڑ) کو ان پر پلٹ دوں۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، میں رحمت بن کر آیا ہوں، میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی نسلوں میں ایسے لوگ اٹھائے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔''

رسول ﷺ چشمہ پر آ کر تازہ دم ہوئے۔ خدا کی نادیدہ نصرت پر آپ ﷺ کے دل کو سکون ہوا۔ پھر آپ ﷺ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک گھوڑ سوار سے ملاقات ہوئی اس سے آپ ﷺ نے گزارش کی کہ وہ اپنے رشتہ دار سردار سے آپ ﷺ کے لیے پناہ مانگے، اس نے انکار کر دیا پھر آپ ﷺ نے دوسرے سردار کے پاس بھی پیغام بھیجا مگر اس نے بھی انکار کر دیا اس کے بعد آپ ﷺ غار حرا پہنچے۔ وہاں سے قبیلہ نوفل کے سردار مطعم بن عدی سے آپ ﷺ نے رابطہ کیا جس نے آپ ﷺ کو پناہ دی۔ اسی کی جوار میں آپ ﷺ نے مکہ آ کر دعوت کا کام شروع کر دیا۔

مدینہ میں اسلام کی مقبولیت

مکہ سے تھوڑے فاصلے پر مقام عقبہ میں پیغمبر اسلام ﷺ نے مدینہ سے آئے ہوئے کچھ لوگوں سے ملاقات کی۔ یہ لوگ بنو خزرج کے تھے۔ مدینہ میں دو بڑے قبیلے تھے بنو اوس اور خزرج، دونوں میں ہمیشہ لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اپنا پیغام پہنچایا مدینہ میں رہنے والے یہودیوں سے اسلام کے بارے میں نے سن رکھا تھا اور اس کے بارے میں مزید جاننا چاہتے تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت سنی اور آخر کار اسے قبول کر لیا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ مستقل آپ ﷺ سے رابطہ میں رہیں گے اور اپنے قبیلہ کے دوسرے افراد تک اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دعوت کو پہنچائیں گے۔ چنانچہ وہ لوگ واپس ہو گئے اور اسلام کا پیغام پھیلانا شروع کر دیا۔

ایک سال بعد مکہ کے میلوں میں شرکت کے لیے زائرین اور تجار پھر آنا شروع ہو گئے۔ اس بار مقام عقبہ ہی میں آپ ﷺ اور مدینہ سے آنے والے وفد کے مابین پھر بات چیت ہوئی۔ اس وفد میں 12 آدمی تھے جن میں بنو اوس کی دو عورتیں بھی تھی۔ ان سب نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور عہد کیا کہ صرف خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اسلام کے فرائض و واجبات کو بجالائیں گے۔ یہ مدینہ کی پہلی مسلم کمیونٹی تھی۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تبلیغ کے لیے بھیجا جو اپنی بصیرت، ٹھنڈے دل و دماغ اور جمال صورت اور قرآن کی شیریں قرأت میں معروف تھے۔

مدینہ میں یہ لوگ تبلیغ دین میں مصروف تھے اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ان کو قرآن پاک سکھاتے تھے اور لوگوں کے سوالوں کے جواب دیتے تھے۔ اوس وخزرج میں چلی آرہی صدیوں کی رقابت ودشمنی آن کی آن میں اختتام پذیر ہوگئی اور ان کے جو لوگ مسلمان ہوئے وہ باہم شیر و شکر ہو گئے۔ اسلام کے پیغام اخوت نے ان کو یکجا کر دیا۔ تاہم قبائل کے سردار ابھی تک اسلام کو قبول کرنے میں متذبذب تھے۔ مصعب ان کے شدید ردعمل اور جارحانہ رویہ کا کوئی جواب نہ دیتے وہ بس یہ کہتے:

> تشریف رکھیں اور میری بات سنیں آپ کو پسند آئے تو قبول کرلیں نہ پسند آئے تو نہ کریں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ بتدریج سرداروں میں قبول اسلام کرنے والوں کی تعداد بڑھ گئی۔ اس کے بعد والے سال میں حج کے موقع پر رسول اکرم ﷺ کی ملاقات مدینہ کے ایک اہم مومن وفد سے ہوئی جس میں 73 نفوس شامل تھے جن میں دو خواتین بھی تھیں۔ یہ لوگ اوس وخزرج دونوں قبیلوں کے تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو یہ خوش خبری دی کہ وہ اسلام کے لیے مخلص ہیں۔ مستقبل میں اسلامی دعوت کا لائحہ عمل طے کرنے اور آپ ﷺ سے رشتہ کی تجدید کے لیے انہوں نے دوبارہ بیعت کی جسے بیعتِ عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ اس میں انہوں نے نبی اور اصحاب نبی کی دشمنوں سے حفاظت کی یقین دہانی کرائی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیعت عقبہ ثانیہ میں مدنی وفد کی مکہ کے مظلوم مسلمانوں کی حفاظت اور ذات نبوی پر جان نچھاور کرنے کے عہد سے آپ ﷺ اور دعوت اسلامی کو زبردست تقویت حاصل ہوئی۔ اب آپ ﷺ نے مکی مسلمانوں کو مدینہ ہجرت پر آمادہ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ مکہ سے مسلمان، مرد عورت اور بچے نکلنے لگے۔ تاہم آپ ﷺ کے نہایت قریبی ساتھی ابھی آپ ﷺ کے ساتھ ہی رہے۔

ایک سازش

مطعم بن عدی، جس نے آپ کو پناہ دی تھی، کا حال ہی میں انتقال ہوا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اب حالات اور زیادہ نازک ہو گئے۔ قریش کو جب یہ پتہ چلا کہ مسلمان مکہ سے ہجرت کرتے جا رہے ہیں تو اب وہ اور زیادہ تشدد پر اتر آئے۔ قبائل کے سردار جمع ہوئے اور ابو جہل و ابولہب کے اکسانے پر انہوں نے طے کیا کہ اب شمع رسالت کو بجھا دیا جائے اور محمد ﷺ کو قتل کر ڈالا جائے۔ منصوبہ بنایا گیا کہ ہر قبیلہ کا ایک جوان حبیبِ خدا کے قتل میں شریک ہوتا کہ بنوہاشم تنہا سب سے لڑائی نہ مول لے سکیں اور زرِ فدیہ لے لینے پر راضی ہو جائیں۔ انہوں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ کوئی وقت ضائع کئے بغیر اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنا دیا جائے۔

پیغمبر اسلام نے چند دن پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک ترقی پذیر شہر آپ ﷺ کو خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کو آ کر خواب کی تعبیر بتائی اور کہا کہ مدینہ آپ ﷺ کا مستقر ہجرت ہوگا آپ ﷺ وہاں ہجرت کی تیاری کریں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے رفیق سفر ہوں گے۔ آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بتایا اور ان سے تیاری کرنے کے لیے کہا۔ وہ خوشی سے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ تاہم ابھی ان کو تیاریاں کرنی تھیں۔ ادھر قریش کے منصوبہ کا علم بھی آپ ﷺ کو ہو گیا۔ دوسرے دن آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر میں سونے کا حکم دیا اور ان سے فرمایا کہ تا حکم ثانی مکہ نہ چھوڑیں۔ آپ ﷺ کے دشمن آپ ﷺ کے مکان کے آگے آ کر چھپ گئے اور حضور ﷺ کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگے کہ آپ ﷺ روزانہ کی طرح فجر کی نماز کعبہ میں ادا کرنے کے لئے نکلیں گے۔ انہوں نے گھر میں کچھ شور سا محسوس کیا تو سمجھے کہ اب آپ ﷺ اٹھیں گے اور باہر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نکلیں گے وہ حملہ کرنے کے لیے الرٹ ہو گئے۔ مگر جب دیر ہو گئی تو گھر کے اندر گئے انہوں نے دیکھتے ہیں کہ وہاں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے ہیں۔ قریش اور ان کا منصوبہ ناکام ہو چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معجزانہ طور پر اپنے گھر سے باہر آئے۔ کمین گاہوں میں چھپے ہوئے قاتل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور سفر ہجرت کی حتمی تفصیلات طے کرنے کے بعد سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نواں باب

ہجرت

رسول خدا ﷺ کو اللہ تعالیٰ پر کامل یقین تھا۔ حالات و واقعات جو بھی ہوں آپ ﷺ کے اعتماد و توکل میں کوئی فرق نہ آ سکتا تھا۔ وحیِ قرآنی نے آپ ﷺ کو درس دیا تھا کہ جب بھی کسی کام کا ارادہ کریں ان شاء اللہ ضرور کہا کریں اور خدا کی یاد اور بحیثیت انسان اپنی بے بضاعتی کا احساس ہمیشہ رکھیں۔

رسول اللہ ﷺ دو سال سے مدینہ ہجرت کا پروگرام بنا رہے تھے کوئی بھی چیز اتفاق پر نہیں چھوڑی گئی۔ تمام عملی تقاضے پورے کرنے اور لوازم سفر اختیار کرنے کے بعد ذات خداوندی پر پورا اعتماد ہی اسوۂ نبوی ہے۔ اور یہی اسلامی توکل ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو عقلی، ذہنی، فکری، نفسیاتی جذباتی اور روحانی قوتیں وصلاحیتیں دی گئی ہیں اور دین کا تقاضا یہ ہے کہ ان صلاحیتوں و امکانات کا بھرپور استعمال کیا جائے۔ اس کے بعد معاملہ خدا کے اوپر چھوڑ دیا جائے۔ یہ تعلیم حقیقت میں جبر کے عقیدے کے بالکل برخلاف ہے۔ خدا اسی وقت مدد کرتا ہے جب انسان اپنی ساری صلاحیتوں اور امکانات کو استعمال کر لے چنانچہ سورہ رعد کی آیت نمبر 11

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۗ

کا مفہوم بھی یہی ہے جس کو کسی شاعر نے یوں نظم کیا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

یارِ غار، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

پیغمبر اسلام ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رات کے وقت مکہ چھوڑ کر یمن کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جانب چلنے کا فیصلہ کیا تھا تا کہ مکہ والوں کی نظر میں نہ آ سکیں۔ جنوب کی طرف بڑھ کر کئی دن تک دونوں دوست غار ثور میں پناہ گزیں رہے۔ ان تمام تحفظاتی اقدامات کے باوجود قریش کی ایک جماعت جنوب کی طرف بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل پڑی، یہاں تک کہ وہ لوگ ٹھیک اس غار کے سامنے پہنچ گئے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ لیکن راتوں رات مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تان دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو دیکھ رہے تھے۔ اگر یہ لوگ اپنے پیروں کی طرف نظر ڈالتے تو یقیناً دونوں آدمی دکھائی دے جاتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تشویش کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ؕ

ڈرو مت اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ [1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا ان دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے؟'' ان الفاظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی ہوگئی۔ غار کے منہ پر مکڑی کے جالے اور فاختہ کے گھونسلہ کو دیکھ کر قریش کے لوگوں نے سوچا کہ یہاں وہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کو کہیں اور تلاش کرنے کے لیے آگے نکل گئے۔

یہاں بھی تمام تر احتیاط کے باوجود خطرہ سامنے کھڑا تھا اور بچاؤ کا ذریعہ کیا بنا؟ مکڑی کا جالا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں توکل علی اللہ کا پورا مفہوم ایک بار پھر سامنے آیا۔ اللہ تعالی ہی تنہا اپنے نبی کو بچانے والا تھا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو دوسروں کی تمام امانتیں اور قرضے واپس کرنے کا انتظام فرمایا۔ کوئی تحفہ قبول نہیں کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا پورا استحضار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کے لیے اللہ تعالی کے مرہون منت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے فرائض کی ادائیگی کے لیے اور دین کی نصرت پر ہمہ وقت تیار تھے۔ ہجرت کا بنیادی طور پر یہ بھی سبق تھا جس کا تجربہ نبی علیہ السلام کو ہوتا ہے یعنی خدا پر یقین کامل، اس کی نصرت پر پورا بھروسہ اور ماسوا اللہ سب سے انقطاع۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک غیر مسلم بدو شخص عبداللہ بن اریقط کی خدمات حاصل کی تھیں

[1] توبہ:40

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جسے اس مختصر سے قافلہ کی رہبری مدینہ تک کرنی تھی۔ ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا گیا۔ ابن اریقط اونٹ لے کر غار کے پاس آیا یوں اس کارواں نے پہلے مغرب اور پھر جنوب کی سمت اختیار کی اور کچھ دور چل کر آخر کار شمال میں مدینہ کا رخ کیا جو مکہ سے 340 کلومیٹر دور تھا۔ سفر خطرات سے پُر تھا۔ قریش کے گماشتے ہر طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے آنے والے اسلامی انقلاب کی جڑ ہمیشہ کے لیے کاٹ دیں۔ نعوذ باللہ

اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار کو خدا پر پورا توکل تھا اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غیر مسلم باصلاحیت اور ایماندار آدمی کی خدمات لینے میں ذرا بھی تردد نہیں ہوا۔ یہ اسوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی میں نظر آتا ہے کہ بھلے ہی آدمی ایمان والا اور مسلمان نہ ہو لیکن اگر وہ باصلاحیت ایمان دار اور قابل اعتماد ہے تو اس پر اعتماد کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تذبذب نہ ہوتا تھا۔

ہجرت، ایمان کی آزمائش

رسول خدا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے مکہ کو اس کے باشندوں کے ظلم وستم، تشدد، شدید مخالفت اور دشمنی کی وجہ سے چھوڑا تھا۔ حالات ناقابل برداشت ہو گئے تھے۔ حتی کہ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ہجرت مسلمانوں کی ایک ناگزیر ضرورت بن گئی تھی۔

اس زمینی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے ایمان کے لیے ہجرت کی گئی۔ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا:

وَاَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

اور اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے صبر کرنے والوں ہی کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔[1]

قرآن میں ان مہاجرین کے حوصلہ، ہمت اور جرات کو سراہا گیا جنھوں نے گھر بار، رشتے ناتے سب کو خدا کے لیے چھوڑنے کا سخت فیصلہ لے کر گویا خدا پر اپنے پورے اعتماد و توکل کا اظہار

[1] الزمر:10

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا۔ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٤٢﴾

جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں ترک وطن کیا ہم انہیں دنیا میں بہتر سے بہتر ٹھکانا عطا فرمائیں گے اور آخرت کا ثواب تو بہت ہی بڑا ہے۔ کاش کہ لوگ اس سے واقف ہوتے وہ جنھوں نے دامن صبر ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اپنے پالنے والے پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ [1]

اس طرح ہجرت توکل علی اللہ کی ایک اور آزمائش ہے۔ تمام پیغمبروں اور ان کے پیچھے ان کے متبعین کو اس آزمائش سے گزرنا پڑا ہے۔ اس میں یہ آزمائش ہے کہ وہ کتنی دور جا سکتے ہیں اور خدا کے لیے، سچائی کے لیے اور خدا کی محبت میں اپنی جان و مال کی کتنی قربانیاں دے سکتے ہیں؟ ایمان کی راہ میں یہ سوال ہمیشہ پیش آیا ہے اور ایمانی صبر اور شعور کے ہر تاریخی اور حسی تجربہ کے ساتھ ساتھ پیش آیا ہے۔ امت مسلمہ کے ظہور کے ساتھ ہی ہجرت کا مرحلہ اسی سوال کا جواب تھا۔ حقیقت میں ہجرت کا مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمان یہ سبق سیکھیں کہ مقام، کلچر اور تبدیلی کے باوجود بدلے ہوئے حالات میں وہ کس طرح دین کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہوں گے۔ مدینہ کو ہجرت عبارت تھی نئے عادات اور رسم و رواج اور نئے قسم کے سماجی تعلقات سے۔ ہجرت اس سفر کا ایک انوکھا تجربہ ہوتی ہے چونکہ اس میں مختلف ماحول اور نئی فضا میں خدا سے عہد وفا کو پورا کرنا ہوتا ہے۔

وفاداری بشرط استواری نصف ایمان ہے

ایمان لانے کی وجہ سے اہل ایمان پر جبر و تشدد کیا گیا تو انہوں نے ظالموں و جابروں کو چھوڑ کر آزاد فضاؤں میں سانس لینے کا فیصلہ کیا۔ ایسا کر کے انہوں نے بتا دیا کہ اب وہ مزید تشدد برداشت نہیں کر سکتے۔ اب ان کو اور نشانہ نہیں بنایا جا سکتا اور یہ معاملہ صاف و سیدھا ہے۔ یعنی

---

[1] النحل: 41-42

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خدا کا نام لینے کا مطلب ہے عبودیت سے نجات اور غلامی سے آزادی۔ یہ پیغام خود حضور ﷺ نے اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ کے غلاموں کو دیا تھا۔ ان کی قبولیت اسلام ہی آزادی کا سبب بن گئی۔ اسلامی تعلیمات خود غلامی کا خاتمہ کرتی ہیں۔ یہیں سے ایک روحانی مسلم امت کو بتادیا گیا کہ ایمان کے لیے آزادی اور عدل وانصاف کی ضرورت ہے اور آدمی کو اس کے لیے شخصی اور اجتماعی قربانی دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

ہجرت قلب وضمیر کو باطل خداؤں کی غلامی سے نکال لینے کا نام ہے اور ہر قسم کی برائیوں و گناہوں کو ترک کر دینے سے عبارت ہے۔ وقت کے تمام طاغوتوں، قوت، دولت نمود و نمائش وغیرہ سے منہ موڑ لینے کا نام ہے۔ منکرات وفواحشات سے ہجرت کا نام ہے۔ اپنے آپ کو بندگی نفس سے آزاد کرنے کا نام ہے۔ ہجرت کے یہی روحانی تقاضے ہیں۔ بعد کے زمانہ میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا کہ سب سے افضل ہجرت کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

''ھجرۃ ما نھاہ اللہ عنہ''

اللہ نے جن چیزوں (بدی، جھوٹ، گناہ وغیرہ) سے روکا ہے ان سے رک جانا ہی سب سے افضل ہجرت ہے۔ جس کو متعدد شکلوں میں دہرانا ہوتا ہے۔

اس طرح سے جن لوگوں نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی حقیقت میں انہوں نے اسلامی تعلیمات کے ایک منفرد زاویہ کا تجربہ کیا کہ ان کو اپنے اندرون میں جھانکنے اور قلبی ہجرت کا موقع ملا۔ مکہ سے مدینہ کی ہجرت ایک جسمانی سفر تھا مگر ساتھ ہی وہ اپنے اندرون کی طرف ایک روحانی ہجرت بھی تھی، اپنے شہر اور اپنی زمین کو چھوڑ کر انہوں نے عرفان ذات اور معرفتِ حق حاصل کی۔ ان کی زندگیوں کو تاریخی واقعات سے ماورا ایک نیا معنیٰ مل گیا۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ ہجرت کا یہ منفرد واقعہ نئے اسلامی عہد کا آغاز ہے لہٰذا اسلامی تقویم کی ابتدا اسی سے ہونی چاہیے۔ جو 622 عیسوی سے شروع ہوتی ہے۔ ہجرت کے اس باب میں ہر آدمی کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے کہ وہ ابدی طور پر ایک روحانی سفر کا تجربہ ہے۔ جو انسان کو عرفانِ ذات تک لاتا اور اسے نفس اور دنیا کے سراب سے آزاد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے گھر بار کو چھوڑنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے آپ میں چند سوالوں کا جواب ہے، جو گویا اللہ تعالی ہر بندہ سے پوچھتا ہے کہ وہ کون ہے؟ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے اس کی منزل کہاں ہے؟ اس قسم کی ہجرت کا خطرہ مول لے کر اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے وطن کو چھوڑ کر گویا مہاجر اپنے عمل سے یہ جواب دیتا ہے کہ اب وہ اپنی فطرت کی آواز پر لبیک کہہ رہا ہے اور اللہ کی غلامی کے علاوہ ہر غلامی سے آزاد ہو گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دسواں باب

مدینہ میں

مکہ سے قبا پہنچنے میں 20 دن لگے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ کے باہر قبا نامی بستی میں پہنچے جہاں لوگ انتظار میں تھے اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والہانہ استقبال ہوا۔ تین دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں گزارے اور یہاں مسجد قبا کی بنیاد رکھی جو اسلام میں پہلی مسجد ہے۔ قبا سے روانہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کا رخ کیا اور ظہر کے نماز کے وقت وادیٔ رنعونہ میں رکے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہلا جمعہ پڑھایا اور یہاں بھی ایک مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ اس کے بعد آپ بروز پیر بتاریخ 4 اکتوبر 622 عیسوی (مطابق 22 ربیع الاول 1 ہجری) کو مدینہ پہنچے۔ مدینہ میں داخل ہونے پر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روک کر اپنے ہاں قیام کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قصویٰ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ) کو چھوڑ دو یہ خود صحیح جگہ جا کر رک جائے گی۔

چنانچہ بھیڑ بھاڑ کو چھانٹتے ہوئے اونٹنی بالآخر ایک قطعہ زمین کے پاس پہنچ کر رک گئی جو دو انصاری یتیموں کی تھی اسی جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی رہائش اور مسجد کی تعمیر کا کام فوراً شروع ہو گیا۔

مسجد

مذکورہ تینوں مسجدوں کی تعمیر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اشارہ دیا کہ اسلام میں اللہ تعالی، وقت اور انسانوں سے رشتہ میں مسجد مرکزی رول ادا کرتی ہے۔ مسجد وہ جگہ ہے جہاں انسان خدا کے آگے سربسجود ہوتا ہے، اس کی تعمیر ایک ایسی مشاہداتی جگہ کی تعمیر ہے جہاں سے انسان پوری کائنات کو مجموعی طور پر دیکھ سکے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میرے لیے پوری زمین سجدہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گاہ بنادی گئی ہے''۔ اس ارشاد کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کو دنیا میں کسی بھی جگہ نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اس طرح زمین کا کوئی حصہ بھی ناپاک نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں تمام مسلمانوں کو بھی ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ اسی لیے کوئی بھی دیکھ سکتا ہے کہ مسلمان ہر صاف ستھری جگہ یعنی سڑک، پارک، ریلوے اسٹیشن اور ائرپورٹ ٹرمنل مختلف جگہوں پر نماز پڑھتے ہیں۔ ساری زمین مسلمانوں کے لیے عبادت گاہ ہے۔ مسلمان مخصوص ومتعینہ وقتوں میں نماز پڑھتے ہیں۔

اس سادہ سے مفہوم کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کے ایک گہرے معنی بھی ہیں، یہ کہ مسجد ایک امن و سلامتی کی جگہ ہے۔ جب ایک مسلمان مسجد میں داخل ہوتا ہے وہ دوسرے لوگوں سے السلام علیکم (تم پر اللہ کی سلامتی ہو) کہتا ہے۔ مسجد امن وسلامتی کی شعائیں پھیلاتی ہے اور امن کے پیغام کو عام کرتی ہے۔ توحید الٰہی کے ساتھ ہی وہ انسانی وحدت اور سب کے لیے امن وسلامتی کا پیغام دیتی ہے۔ دنیا میں مرکزی مسجد کعبہ ہے۔ جس کو اسلامی قانون میں ''حرم'' کا مقام حاصل ہے۔ جس کے اندر اور یہاں تک کہ اس کے اطراف میں بھی خون بہانا جائز نہیں ہے۔ اس طرح مسجد کے ساتھ امن، وحدت انسان اور سلامتی کا پیغام وابستہ ہے اور چونکہ کعبۃ اللہ سب سے بڑی مسجد ہے لہٰذا کعبہ سب سے بڑا امن کا گھر ہے۔

اب یہ دیکھیے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری زمین کو مسجد سے تشبیہ دیتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری زمین کو امن وامان کا مرکز بنانا چاہتے ہیں۔ جہاں سارے انسان امن وراحت کی سانس لے سکیں۔ امن وسلامتی کا یہ نشانہ اسی وقت پورا ہوسکتا ہے جب ساری زمین ایک مسجد کی مانند امن، انسانی اخوت اور وحدت کا پیغام عام کرنے لگے۔

السلام علیکم (تم پر خدا کی سلامتی ہو):

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبا آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے لوگوں کو بنیادی ذمہ داریاں بتائیں کہ اسلامی سلام (السلام علیکم) کو رواج دو جس کا جواب ''وعلیکم السلام'' ہے۔ بھوکے کو کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، اس وقت نماز پڑھو جب سب لوگ سوتے ہوں۔ ایسا کروگے تو خدا کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔ اس خطاب کے شروع میں بھی امن وسلامتی کا ذکر اور آخر میں بھی اس کا تذکرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا اشارہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نئے شہر کی اقامت گزینی کی معنویت صحابہ رضوان اللہ علیہم کو بتا رہے تھے۔ بھوکوں ناداروں اور رشتہ داروں کی خبر گیری مسلمانوں کی بنیادی اخلاقیات کا حصہ ہے اور امت کے ہر فرد کو ان کا احترام کرنا چاہیے۔ تہجد کی نماز انسان کو مذکورہ بالا روحانی ہجرت کے لیے تیار کرتی ہے اور دل کو سکون اور وہ قوت عطا کرتی ہے جس سے آدمی کے لیے یہ ممکن ہو سکے کہ وہ امن وسلامتی کو پھیلائے اور اخلاقیات کو زندگی میں برتے۔ اندرونی سکون کی یہ جستجو ہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر ایک صاحب ایمان دنیا کو امن وسلامتی سے بھر سکتا اور کمزوروں و ناداروں کی خدمت کر سکتا ہے۔ داخل کا یہ سکون آدمی کو تنہا مگر اپنی فیملی کی گرم جوش محبت کی روشنی میں حاصل کرنا ہے۔

یہودیوں کے ساتھ معاہدہ

مدینہ ہجرت کرنے اور نوزائیدہ اسلامی معاشرہ کو مضبوط انتظامی سیاسی اور فکری بنیادوں پر استوار کر دینے کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ مستقل اور واضح انداز میں تحدید شدہ تعلقات قائم کرنے شروع کیے۔ یہ ساری کوششیں امن وامان کو یقینی بنانے کے لئے تھیں۔ جن سے ساری انسانیت کے لیے امن وسلامتی اور ترقی مطلوب تھی اور خاص طور پر اس خطہ کے باشندوں میں ہم آہنگی اور افہام وتفہیم کی فضا پیدا کرنی مقصود تھی۔

جغرافیائی طور پر مدینہ سے سب سے قریب تر لوگ یہودی تھے۔ اگرچہ وہ اندر ہی اندر برے ارادے اور غصہ وحسد کے جذبات رکھتے تھے مگر اب تک انہوں نے مزاحمت یا جارحیت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ارادہ کیا کہ ان کے ساتھ ایک امن معاہدہ کر لیا جائے جس میں مذہبی آزادی، کلچر اور کاروبار وغیرہ کی آزادی کی کامل ضمانت دی جائے۔ بعد میں آپ ﷺ کو یہود کے خلاف جو بھی سخت اقدامات کرنے پڑے ہوں یعنی ان کا محاصرہ، اخراج، زمین وجائیداد کی ضبطی وغیرہ، اس وقت تک آپ ﷺ کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اس معاہدہ میں یہودیوں کے ساتھ تعلقات کے علاوہ وسیع تر دائرہ میں خود مسلمانوں کے باہمی رشتے بھی متعین کئے گئے تھے۔

اس معاہدہ کے ہو جانے کے بعد مدینہ مع اپنے مضافات کے ایک متحدہ جمہوری ریاست بن گیا جس کا صدر مقام خاص مدینہ، اور جس کے صدر رسول اللہ ﷺ تھے۔ حقیقی اقتدار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا لہٰذا مدینہ اسلام کا دارالسلطنت تھا۔ اور ریاست مدینہ کے اطراف میں رہنے والے قبائل سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرز کے ہی معاہدے شروع کیے جس سے امن وامان اور تحفظ والے خطہ میں وسعت آتی چلی گئی۔

معاہدہ (العہد) کو اسلامی تعلیمات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے چنانچہ عقد نکاح سے لے کر سماجی یا کاروباری معاہدے ہوں یا نزاع اور جنگ کو ختم کرنے کے معاہدے ہوں قرآن نے ان کی اہمیت بیان کی ہے اور ان کی شرائط کی پاسداری کو ضروری قرار دیا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿٣٤﴾

اور وعدے پورے کرو کیوں کہ قول وقرار کی باز پرس ہونے والی ہے۔[1]

پیغمبر اسلام نے فرمایا: ''مسلمانوں کو اپنے معاہدوں کی شرطیں پوری کرنی چاہییں۔

منافقین

معاہدوں کے باوجود اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف قبائل اور مختلف مذاہب کے لیڈروں کی یقین دہانی کے باوجود معاملہ سادہ نہ رہا۔ بلکہ بعض لوگوں کے حسد، لالچ، اقتدار کی حرص اور بعض لوگوں کی مایوسی نے حالات کو بہت الجھا دیا۔ مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس صورتحال کا سامنا تھا جس سے مکہ میں سابقہ نہ پڑا تھا۔ مکہ کے حالات ایسے تھے کہ وہاں سعید روحیں ہی چھنٹ چھنٹ کر اسلام کے دامن میں آسکتی تھیں۔ مدینہ میں معاملہ بالکل مختلف تھا وہاں سماجی کشمکش تھی، اقتدار کے مراکز کئی تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے سے حالات میں سرے سے تغیر آگیا۔ تو کچھ لوگوں نے اس لیے اسلام قبول کر لیا کہ قبول اسلام کا چہ چا کر کے ان کے مفادات محفوظ ہو جائیں گے۔ چنانچہ قرآن کی مدنی سورتوں میں سب سے پہلے جو سورہ نازل ہوئی اس میں منافقین کے اس ''عفریت'' کا تذکرہ کیا گیا جو ایک بڑا خطرہ تھا کیوں کہ وہ اندر سے مسلم کمیونٹی کی جڑ کاٹ رہا تھا۔ چنانچہ سورہ البقرہ (جو دوسری سورت ہے) کی 13 لمبی آیتوں میں منافقین کے افعال، اقوال اور رویوں پر روشنی ڈالی گئی ہے فرمایا:

---

[1] بنی اسرائیل:34

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ⑧ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ⑨

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ [1]

مزید ان پر یوں تبصرہ کیا

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭

اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں۔ [2]

منافقین کا یہ خطرہ حقیقی تھا اور مستقل دردسر بن گیا تھا ان میں بعض نے اوس وخزرج کے مابین پرانی دشمنیاں تازہ کرنے کی کوشش کی اور ایک بار تو ان کی کوشش کامیاب ہی ہو جاتی اگر ایک انصاری بروقت مداخلت نہ کرتے اور وحدت اسلامی کی تذکیر نہ کی ہوتی۔

بنوخزرج کے ایک رکن عبداللہ بن ابی نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر قرآن میں منافقین کی جتنی صفات بیان کی گئی ہیں وہ سب اس کے اندر موجود تھیں۔ چنانچہ وہ رئیس المنافقین بن گیا۔ بنواوس کا ابو عامر بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ ان کے خلاف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایکشن تو نہیں لیا مگر مسلمان عام طور پر ان دونوں کی حقیقت سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ ان کے پھیلائے دام ہم

[1] البقرہ:9-8

[2] البقرہ:14

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رنگ زمین میں کبھی نہیں آئے۔

مواخات، اخوت اسلامی کا تابناک نظارہ

مکی اور مدنی مسلمانوں اور مہاجرین وانصار کے مابین اسلامی اخوت اور بھائی چارہ کو فروغ دینے کے لیے آپ ﷺ نے دونوں کے درمیان مواخات قائم فرمادی۔ جس میں ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنا دیا۔ مقصد یہ تھا کہ مکہ سے جو مسلمان اجڑ کر آ گئے ہیں ان کی از سرِ نو آباد کاری ہو اور انصار مدینہ کے تعاون سے وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکیں۔ اور مکی مسلمان بھی اپنے تجربوں سے انصار کو فائدہ پہنچائیں۔ انصار مدینہ نے اس موقع پر بھائی چارہ اور اخوت کا حق ادا کر دیا اور اس طرح کیا کہ چشم فلک نے اس کی اور مثال نہ دیکھی۔ انہوں نے اپنے باغ، جائیداد اور کھیت کھلیانوں میں مہاجرین کو شریک کر لیا بعض نے تو اپنے مہاجر بھائی سے یہ بھی کہا کہ ہم اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دیتے ہیں آپ اس سے نکاح کر لیں۔ مہاجرین نے بھی ان پر بوجھ بننے کی بجائے تجارت وحرفت کی راہ اختیار کی اور مدینہ میں اہل ایمان کی باہمی محبت، ایثار، تعاون اور اتحاد کی بہار آ گئی۔ ان کے حب فی اللہ کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا:

> قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا ''وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے میری عظمت کے لیے باہم محبت کی۔ آج میں ان کو اپنے سایہ تلے جگہ دوں گا جب کہ میرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں۔

مسلمانوں نے تمام مشکل حالات، خطرات اور چیلنجوں کا جس طرح سامنا کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے باہمی محبت واتحاد کا وہ اعلیٰ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ جس کو کوئی ختم نہیں کر سکتا تھا۔ اسی وحدت والفت سے مسلمانوں کی معاشرتی اور روحانی قوت پیدا ہوئی اور اسی میں دنیا و آخرت میں کامیابی کا راز تھا۔ اللہ پر ایمان، ایمان والوں اور رشتہ داروں سے محبت، اخلاقیات پر عمل، تعمیر کائنات اور تمام انسانوں کی خدمت ہی کلید کامیابی تھی۔

اذان، نماز کے لیے بلاوا

جیسے جیسے وقت گزرا بتدریج دینی شعائر قائم ہو گئے۔ ایمانیات اور نماز کے ساتھ روزہ اور زکواۃ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا اضافہ ہوا۔ زکواۃ دولت اور مال وزر کو پاکیزہ اور بابرکت بناتی ہے۔ متعینہ اوقات میں مسلمان مسجد میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھا کرتے۔ اب آپ ﷺ کو اس طریقہ کی تلاش ہوئی کہ جس سے سب لوگوں کو نماز کے لیے بلایا جا سکے۔ اس سلسلہ میں یہودیوں و نصرانیوں کے طریقوں کا بھی جائزہ لیا گیا کہ گھنٹی بجا کر یا ناقوس بجا کر بلایا جائے۔ اسی دوران ایک انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اپنا خواب بیان کیا کہ ایک شخص نے ان کو اذان کے کلمات بتائے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کلمات کو بغور سنا اور فوراً حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو، جن کی آواز بلند اور خوبصورت تھی، مسجد سے متصل ایک اونچے مکان پر چڑھ کر ان کلمات کو دہرانے کا حکم فرمایا۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

١ اللہ اکبر اللہ اکبر (چار بار)

اللہ سب سے بڑا ہے

٢ اشھد ان لا الہ الا اللہ (دو بار)

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

٣ اشھد ان محمدا رسول اللہ (دو بار)

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

٤ حی علی الصلاۃ (دو بار)

آؤ نماز کی طرف۔

٥ حی علی الفلاح (دو بار)

آؤ کامیابی کی طرف۔

٦ اللہ اکبر (دو بار)

اللہ سب سے بڑا ہے۔

٧ لا الہ الا اللہ (ایک بار)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس پکار میں سب سے پہلے اللہ کی کبریائی بیان کی گئی ہے۔ پھر اس کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی ہے۔ اس کے بعد دنیا و آخرت کی کامیابی کی طرف بلایا گیا ہے۔ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آواز تقریباً 15 صدیوں سے مسلمانوں کے شہروں اور قصبوں میں گونج رہی ہے۔ زیر و بم، لب و لہجہ اور آوازیں الگ الگ ہیں۔ اس سحر انگیز پکار میں ایمان کی وحدت، دل کشی، روحانیت اور فن کا اظہار بدرجہ اتم ہوتا ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو موذن بنا دیا تو یہ اس کی یاددہانی تھی کہ خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو دن میں پانچ بار اللہ ذوالجلال والجمال کی طرف بلاوے کو سنتے اور اس کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔

اسلام کے پانچ ارکان

قرآن وسنت دونوں نے جو طرز زندگی دیا ہے وہ جامع بھی ہے اور انسان کی انفرادی و اجتماعی دونوں زندگیوں کو محیط بھی۔ اسلام میں پانچ چیزیں دین کے بنیادی ارکان ہیں جو تمام اہل ایمان پر فرض ہیں:

١ کلمہ شہادت یا ایمانیات کا اقرار: جس کے ذریعہ ایک انسان اہل ایمان کی ملت میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے لیے عربی میں کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) کی ادائیگی کی جاتی ہے۔

٢ نماز: روزانہ دن میں پانچ بار نماز اپنے مقررہ اوقات میں پڑھی جاتی ہے۔ اور ہفتہ میں ایک بار جمعہ کی نماز باجماعت پڑھنی بھی فرض ہے۔

٣ زکواۃ: ایک صاحب نصاب مسلمان کی آمدنی پر سالانہ اڑھائی فیصد زکواۃ نکالنی بھی ضروری ہے۔ اس کو زکواۃ کی متعینہ آٹھ مدات میں خرچ کیا جاتا ہے، اور ملت کے نادار و کمزور افراد کی معاشی مدد کے لئے یہ ایک دینی فریضہ ہے۔

٤ روزہ: ہر سال رمضان کے مہینے میں طلوع فجر سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنا بھی لازم ہے۔

٥ حج: کم از کم زندگی میں ایک بار حج بیت اللہ کرنا بھی اس مسلمان پر فرض ہے جس کے پاس سفر حج کے لیے ضروری وسائل ہوں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دین کے یہ پانچوں رکن انفرادی ذمہ داری، سماجی بیداری اور ملت اسلام سے وابستگی کا اجتماعی شعور پیدا کرتے ہیں۔ اسلام میں داخل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کلمہ پڑھ کر انسان اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف، اسی کی اطاعت کا اقرار، اور معاشرہ کی سطح پر ایک صالح و منصفانہ سماج کی تعمیر کا عزم کرتا ہے۔

مدینہ کی رفاہی ریاست

رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مکہ سے تشریف لائے تھے انہوں نے بتدریج مدینہ کے نئے ماحول سے اپنے آپ کو مانوس کر لیا۔ مشکل حالات میں ایک نئی سوسائٹی تشکیل پا رہی تھی۔ معاہدوں اور اتحادوں کے باوجود بین القبائلی نزاعات اکثر معاملات کو الجھا دیتے۔ پھر بھی آپ ﷺ صحابہ رضوان اللہ کی روحانی و دینی تربیت جاری رکھتے۔ آپ ﷺ ہمیشہ ان کو تذکیر کرتے رہتے اور اسلامی اصولوں پر ہمیشہ کاربند رہنے کی تاکید فرماتے۔

مکہ والے سخت غیض و غضب میں تھے۔ ہجرت کی کامیابی سے ان کی نہ صرف بے عزتی ہوئی تھی بلکہ پورے جزیرہ العرب میں طاقت کے توازن کے لیے بھی وہ اس سے ایک خطرہ محسوس کرتے تھے۔ کیوں کہ دہائیوں سے قریش اپنے ماضی کی بدولت اور مکہ کے مجاور اور بیت اللہ کے متولی ہونے کے باعث پورے عرب کے لیڈر تھے کہ عرب کے تمام قبائل سال میں ایک بار مکہ آتے تھے۔ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ کے مکہ سے ہجرت کرنے اور مدینہ میں قیام پذیر ہو جانے کی بات پھیل گئی تھی۔ اس سے قریش کی عزت کو بٹہ لگا اور ان کی سبکی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے اور آپ ﷺ کو ان کی طرف سے شدید ردعمل کی توقع تھی۔

قریش سے ٹکراؤ کا آغاز

تمام مسلمان ہجرت نہیں کر سکے تھے بعض مکہ میں ہی رہ گئے تھے۔ ان میں زیادہ تر نے اپنے اسلام لانے کا اعلان نہیں کیا تھا کیوں کہ ہجرت کے بعد قریش زیادہ غضب ناک تھے اور گر ان کے اسلام کے بارے میں معلوم ہو جاتا تو ان پر مظالم میں بہت شدت آجاتی۔ قریش نے تاؤ میں آکر اور عرب کی ساری روایات کو بالائے طاق رکھ کر مہاجرین کی جائیدادوں اور مکانات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر قبضہ بھی جما لیا جو وہ مکہ میں چھوڑ گئے تھے۔ جب مسلمانوں کو قریش کے اس کرتوت کا پتہ چلا جو شرمناک اور بزدلانہ فعل تھا، تو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو غصہ آنا فطری تھا۔ چنانچہ ہجرت کے 6 مہینے بعد فیصلہ ہوا کہ مسلمان قریش کے کاروانوں پر حملہ کر کے جتنا مال انہوں نے مکہ میں غصب کر لیا ہے، اس کے برابر ان سے وصول کر لیں۔ ایک سال تک آپ ﷺ بحر احمر کے ساحل پر واقع قبائل سے معاہدہ کرتے رہے تھے۔ اسی راستہ سے مکی کارواں گزرا کرتے تھے جو مدینہ کے پار شمال کی راہ لے کر عراق اور شام جاتے تھے۔

آپ ﷺ کے اقدام سے قریش کو پریشانی ہونی لازمی تھی جنہیں مشرق کی طرف نئے راستے تلاش کرنے پڑ رہے تھے۔ مکہ اور مدینہ کے مابین کش مکش بڑھ رہی تھی اور قریش جو مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے انہوں نے پاس پڑوس کے قبائل کو آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ بھی بیدار تھے اور مدینہ کے اطراف میں دور دور تک سرایا روانہ کر رہے تھے جن کا مقصد قریش کی حرکات وسکنات پر نظر رکھنا، خفیہ معلومات جمع کرنا اور جہاں تک ممکن ہو سکے راستہ میں پڑنے والے قبائل سے معاہدے کرنا تھا۔ خفیہ معلومات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ قریش سے مسلح تصادم بس ہوا ہی چاہتا ہے۔

جہاد، امن کی جستجو

اسی زمانہ میں پیغمبر اسلام ﷺ پر دو وحی آئیں جو اپنے مزاج میں مختلف تھیں لیکن نتائج کے لحاظ سے یکساں۔ 13 سال سے زائد تک پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھیوں کو واضح صبر و تحمل (Passive Resistace) کا حکم تھا کہ قریش اور دوسرے قبائل کے تشدد اور ظلم و جبر کو یک طرفہ برداشت کریں۔ چنانچہ انہوں نے کبھی کسی ظلم و زیادتی کا جواب نہیں دیا اور ہر طرح کے تصادم سے بچے۔ حتی کہ گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی۔

جب مسلمان مدینہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور قریش وہاں بھی پریشانیوں کا سبب ہونے لگے اور یہ واضح ہو گیا کہ وہ اسلام کی جڑ کاٹنے پر کمر بستہ ہیں۔ کیونکہ قریش مدینہ کی ریاست کو پورے عرب میں اپنے لیے خطرہ اور اپنے سیاسی اقتدار کے لئے چیلنج سمجھ رہے تھے کہ ان کی مذہبی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور عسکری قوت داؤں پر لگی تھی۔ اس طرح ہجرت قریش کے ظلم وستم سے آزادی تھی تو آنے والے معرکوں کی تمہید بھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئیں:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ

جن مسلمانوں سے کافر جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلہ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔ [1]

بعد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب انہوں نے یہ آیات سنیں تو فوراً سمجھ گئے کہ اب تصادم اور جنگ آیا چاہتی ہے۔ یہی خیال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ کا تھا۔ اب مسلمانوں کو مزید صرف برداشت سے کام نہیں لینا تھا بلکہ اب ان کو دشمنوں کے حملوں کا منہ توڑ جواب دینا تھا۔ روحانیت اور دلیل وبرہان کے ساتھ کئے جانے والے جہاد کے ساتھ اب قتال کا مرحلہ بھی شامل ہو گیا۔ پہلے جہاد قرآن کے ذریعہ ہو رہا تھا۔ جس میں ایذا پر صبر اور دلیلوں کا جواب دلائل سے، اعتراضات کا معقول جواب اور دین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے عزیمت واستقلال کی راہ پر چلنا تھا۔ اب مسلح حملہ کے مقابلوں میں مسلح جنگ اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں اپنا دفاع بھی اس میں شامل ہو گیا تھا۔ چنانچہ فرمایا:

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾

[1] الحج:39-40

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا تو عبادت خانے
اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھادی
جاتیں جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی
ضرور اس کی مدد کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبہ والا
ہے۔ [1]

انسانی فطرت کے مدنظر فوجی قوت کی تیاری اور طاقت کا توازن بنائے رکھنے کو ناگزیر قرار دیا گیا۔ کیونکہ کسی شخص، کسی قوم یا کسی سلطنت کی مطلق قوت انسانوں میں تکثیریت کو فنا کر ڈالتی اور مختلف عبادت خانوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ (نوٹ کیا جائے کہ فہرست کے آخر میں مسجدوں کا تذکرہ ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہبی تکثیریت خود اللہ تعالیٰ کی بھی مشیت ہے۔ اس سے اللہ کی سنت تدافع یعنی مختلف قوتوں کو ایک دوسرے سے دفع کرتے رہنا، کی معنویت سمجھ میں آتی ہے۔ جس کو ایک دوسری آیت میں مزید کھول دیا گیا ہے:

وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٥١﴾

اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض لوگوں سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد
پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔ [2]

ابتدائے آفرینش میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرشتوں نے پوچھا تھا کہ انسانوں کو زمین کا خلیفہ بنانے کی کیا حکمت ہے؟ تو انہوں نے کہا

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ

ایسے شخص کو خلیفہ کیوں رکھتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور ناحق خون
بہائے۔ [3]

---

[1] الحج:40
[2] البقرہ:251
[3] البقرہ:30

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی فرشتوں نے سمجھ لیا تھا کہ انسان اپنی فطرت میں طاقت کا حریص ہے۔ بدی پھیلانے اور قتل وخوں ریزی کا میلان رکھتا ہے۔ لیکن انسانی فطرت کا دوسرا میلان خیر پسندی وانصاف پسندی بھی ہے۔ چونکہ ان دونوں میں اعتدال قائم کرنے سے طاقت کا توازن برقرار رہے گا۔ لہٰذا جہاد اور قتال دونوں ایسے طریقے ہیں کہ جن کے ذریعہ نفس کی ترغیبات اور جنگ پسندی کو قابو میں کر کے امن کا قیام ہو سکتا ہے۔ جو تبھی ہو گا جب ظلم کے خاتمہ اور ظالموں کو مغلوب کرنے کی جدو جہد کی جائے۔ تو اس طرح جہاد کی روح امن وسلامتی کی جستجو ہے اور بعض اوقات قتال امن وامان قائم کرنے کے لیے ناگزیر راستہ بن جاتا ہے۔

مدینہ میں مسلم امہ کے سامنے ایک نیا عہد شروع ہو رہا تھا۔ انہیں جنگ کے نتائج کا بھی سامنا کرنا تھا۔ ان کی مشکلات اور بڑھ رہی تھیں کیوں کہ فریق مقابل (مکی دشمنان اسلام) مہاجرین کے اپنے بھائی بند اور رشتہ دار تھے۔ وجود وبقا کے لیے ان سے لڑائی کی بھاری قیمت ان کو دینا تھی۔

قرآن سے جہاد

آغاز میں رسول اللہ ﷺ کو حکم تھا کہ قرآن سے جہاد کریں یعنی اس کے ذریعہ اپنی حفاظت اور اعتراضات کا جواب دیں۔ لفظ جہاد قرآن میں سب سے پہلے اسی موقع کے لیے استعمال کیا گیا فرمایا:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝

پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کے ذریعہ ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں۔ [1]

تمام مصائب، ایذا رسانی، دباؤ، دھونس اور زیادتی کا مقابلہ کرنے کے لیے یہ حکم آیا ہے جس میں آپ کے لئے طریقہ مزاحمت کو واضح کیا گیا ہے اسی سے جہاد کے تصور کا بنیادی معنی اور جوہر معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کا مادہ ''ج ھ د'' ہے جس کا معنی ہے ''پوری کوشش'' اس کے مفہوم میں مزاحمت (یعنی ظلم وجبر وجارحیت کی مزاحمت) بھی شامل ہے۔ اس طرح جہاد کا مفہوم ہوا جدو

[1] الفرقان:52

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جہد کرنا، ناانصافی، ظلم وکشت وخون کو روکنے کی کوشش کرنا، جہاد میں ایسی جنگ نہیں چھیڑی جائے گی جس کا مقصد کشور کشائی، فخر وغرور اور دوسروں کو غلام بنانا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ قریش کی جارحیت کا مقابلہ قرآن سے کیا جائے۔ قرآن ہی دراصل آپ کا روحانی اور عقلی ہتھیار ہے جس سے جارحیت کو رد کا جا سکتا ہے۔ ان کو جو ایذا رسانی، اہانت واستہزا کرتے ہیں جو مارتے، ظلم کرتے اور قتل کر ڈالتے ہیں اور جو معجزات کی فرمائش کرتے ہیں اور نبوت کا ثبوت مانگتے ہیں ان سب کو نبی کا جواب قرآن تھا،

قرآن ہی ہتھیار تھا وہی معجزہ اور نبوت کا ثبوت تھا۔ قرآن ہی وہ سرچشمۂ قوت تھا جو لوگوں کو جارحیت اور ظلم و زیادتی کی مزاحمت کی طاقت دیتا تھا۔ کیوں کہ قرآن جس زندگی کی دعوت دیتا ہے وہ اس دنیوی زندگی کے سراب سے پرے ہے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور یہ دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا ہے البتہ آخرت کے گھر کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے کاش یہ جانتے ہوتے۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ نے علم و معرفت کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر سب سے پہلے آزادی کے ساتھ اپنے مشن کو پھیلایا اور کسی سے ٹکراؤ مول نہیں لیا۔ مگر قریشوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا نہیں کرنے دیا چنانچہ جیسے جیسے وحی لگاتار آتی گئی انکا ظلم و جبر بھی بڑھتا گیا۔ ابتدائی مسلمان اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام قرآن کے ذریعہ (جہاد) مزاحمت کرتے رہے اور توحید اور رسالت و قرآن کی دعوت جاری رکھی۔ جسمانی تکالیف کے سامنے بھی قرآن ہی ان کی بہترین ڈھال تھا۔ تاہم ظلم و جبر کی چکی اتنی شدید تھی کہ کبھی کبھار یہ جہادِ مزاحمت جاری رکھنا ناممکن ہو جاتا۔ چنانچہ ایک دن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کی دیوار کے سایہ میں لیٹے ہوئے تھے مومنین کی ایک جماعت آئی اور انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے خدا سے دعائیں نہیں کرتے کہ وہ ہماری نصرت فرمائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مضبوطی سے جواب دیا:

---

[1] العنکبوت:64

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تم سے پہلے کے اہل ایمان میں کتنے ہی لوگوں کو گڈھے کھود کر ان میں ڈالا جاتا اور سر سے پاؤں تک آرے سے چیر دیا جاتا، لیکن وہ ایمان کو نہیں چھوڑتے تھے کتنوں کا گوشت ہڈیوں سے لوہے کی کنگھیوں کے ذریعہ اتار دیا جاتا تب بھی وہ ایمان سے نہ پھرتے۔ خدا کی قسم! یہ دین غالب آ کر رہے گا اور صفا سے حضر موت تک مسافر بغیر کسی خوف کے سفر کرے گا چرواہے کو اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا خوف نہ ہوگا۔ مگر تم لوگ بے صبری دکھا رہے ہو۔

لہٰذا صابر و شاکر ہونا اور عزیمت کی راہ اختیار کرنا ہوگی اور خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہ رضوان اللہ کو تکلیف اور مصیبت میں خدا پر بھروسہ اور توکل کا سبق دے رہے تھے۔ جسمانی تکالیف اور روحانی اذیت ہی انسان میں وہ ایمانی طاقت پیدا کر دیتی ہے جہاں آدمی چیلنج قبول کرتا اور اللہ پر اعتماد کامل کر لیتا ہے۔ اسے اپنے اوپر تو شک ہو سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ پر کبھی شک نہیں ہوتا۔

قتال، امن کا راستہ

انسان اپنی فطرت میں طاقت کا حریص ہے۔ بدی پھیلانے اور قتل و خونریزی کا میلان رکھتا ہے۔ لیکن انسانی فطرت کا دوسرا میلان خیر پسندی و انصاف پسندی بھی ہے۔ چونکہ ان دونوں میں اعتدال قائم کرنے سے طاقت کا توازن برقرار رہے گا۔ لہٰذا جہاد اور قتال دونوں ایسے طریقے ہیں کہ جن کے ذریعہ نفس کی ترغیبات اور جنگ پسندی کو قابو میں کر کے امن کا قیام ہو سکتا ہے۔ جو بھی ہو گا جب ظلم کے خاتمہ اور ظالموں کو مغلوب کرنے کی جدوجہد کی جائے گی تو اس طرح جہاد کی روح امن و سلامتی کی جستجو اور بعض اوقات قتال امن و امان قائم کرنے کے لیے ناگزیر راستہ بن جاتا ہے۔

’بہا‘ کا مفہوم

”میں اس نام کی تکمیل کی پوری پوری کوشش کروں گا۔“

گراہم فلر ایک تجربہ کار ماہر سیاستداں ہیں جو امریکی سی آئی اے کی قومی انٹیلی جنس کونسل کے نائب چیئرمین رہے ہیں انہوں نے اپنی معروف کتاب A world without Islam (دنیا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے بغیر) میں اسلام میں جہاد کے تصور کی تشریح کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> جہاد کے تصورات اور اس کے سلسلہ میں وسیع لٹریچر عیسائیت کی منصفانہ جنگ کے تصور کے جیسا ہی ہے۔دراصل یہ تصور جنگ کے دوران مسلمانوں کے عمل کی تشخیص اور تحدید کرتا ہے۔آج خاص طور پر مغرب میں جہاد سب سے زیادہ متنازعہ فیہ اور موضوع بحث اصطلاح ہے۔کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا جب میڈیا میں اسلام کے مخالفین اسکی دہائی نہ دیتے ہوں۔

لفظ ''جہاد'' کی اصل اور اس کے استعمالات کا جائزہ لینے سے بہت سے لوگ پریشان ہو اٹھتے ہیں۔اور سمجھتے ہیں کہ اس سے محض جہاد کے خوفناک کردار کو جواز فراہم ہوتا ہے۔جو مغرب کی قوت اور دنیا کے امن واستحکام کے لیے چیلنج ہے۔

قرآن اور حدیث میں جہاد کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔عربی میں لفظ جہاد کے اساسی معنیٰ ''جد وجہد'' اور ''کوشش'' کے ہوتے ہیں اس کا عمومی استعمال فرد کے ایک صالح زندگی گزارنے کی جد وجہد کے لیے بھی ہوتا ہے۔جس میں فرد اپنی ذاتی زندگی میں مذہبی اقدار کو برتے اور اپنی شخصی مثال سے نمونہ بن کر لوگوں میں اسلام کی دعوت پیش کرے۔اس معنیٰ میں لفظ جہاد ایک مسلمان کے لیے پورے طور پر ایک مثبت معنیٰ دیتا ہے یعنی ذاتی اصلاح اور خلوص نیت سے صالح عمل کے ذریعہ تزکیہ نفس کرنا۔بول چال کی عربی میں جہاد کا مطلب ہوتا ہے کہ آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ''میں اس کام کی انجام دہی میں پوری پوری کوشش کروں گا۔'' چنانچہ یہی شخصی جہاد یا ''جہاد اکبر'' ہے، جیسا کہ پیغمبر اسلام نے اس کی تعریف کی ہے۔

جہاد اصغر

''جہاد اصغر'' اساسی طور پر پیغمبر کی تعریف کے مطابق عسکری معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی جب ضرورت پڑے تو اسلام اور امت اسلام کے تحفظ کے لیے عسکری کاروائی اور جان کی بازی لگانا۔کیونکہ مدینہ میں نوزائیدہ مسلم امہ کو مسلسل مکہ کے کفاروں کے محاصروں اور حملوں کا سامنا تھا (مکی لوگ عیسائی، یہودی یا مسلمان نہیں تھے) اور ان سے سالہا سال برسر جنگ رہنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑتا تھا تو اسلام اور ملت اسلام کے تحفظ اور دفاع کو قرآن کی بہت سی آیات میں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں مرکزی جگہ دی گئی ہے مگر جب ابتدائی مسلم ملت مستحکم ہوگئی اور اسلام دنیا کے بڑے وسیع خطہ میں پھیل گیا اور اس کو دوسرے ملکوں اور سلطنتوں سے تصادم پیش آیا، تو اسلام کی ان سے لڑائی ان علاقوں پر غلبہ اور فتح کے لیے ہوئی۔

اسلامی فقہ نے جنگی اخلاقیات کے وسیع پیمانہ پر قواعد وضوابط بیان کئے ہیں جس میں یہ بھی شامل ہے:

- عورتوں و بچوں کو نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔
- قوت کا استعمال ضرورت کے مطابق ہی ہوگا۔
- سول ادارے اور شہری نظم ونسق کو بغیر کسی ضرورت کے ختم نہیں کیا جائے گا۔
- جہاد کا اعلان ایک جائز والی ریاست ہی کر سکتا ہے اور یہ کہ جہاد کے اصولوں کے مطابق جو جنگ نہ لڑی جائے وہ جہاد نہیں ہوگا۔

پیغمبر اسلام کے ارشادات موجود ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو اور مندروں، گرجوں اور خانقاہوں میں عبادت میں مصروف لوگوں کو نہ چھیڑا جائے اور ان کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

جہادِ اکبر

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ ہمیشہ ان مرد وعورتوں کے لیے کھلا ہوا تھا جو اسلام کو سمجھنا چاہتے تھے یا جنہیں حق کی تلاش رہتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر نظر رکھتے، ان کے سوالوں کا جواب دیتے اور روحانی تربیت میں ان کے ساتھ رہتے۔ جنگ حنین سے لوٹنے کے بعد، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کیا کہ

> ''ہم جہاد اصغر سے (کوشش، مزاحمت اور تبدیلی کی جدوجہد) سے جہاد اکبر کی جانب واپس ہوئے ہیں۔''

صحابہ نے دریافت کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''یارسول اللہ! یہ جہاد اکبر کیا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

''خود (انا و تکبر) سے لڑنے کا نام جہاد اکبر ہے۔''

مسلمانوں کے لیے، جیسا کہ دوسرے انسانوں کے لیے بھی، اندرونی کشمکش سے جنگ نہایت مشکل اور عظیم تھی۔ اس میں انسان کو زیادہ فہم، زیادہ عفو و درگزر اور زیادہ اخلاص قلبی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جنگ یعنی جہاد اصغر نے یہ ظاہر کیا کہ راہ خدا میں جان نچھاور کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ جبکہ روزمرہ کی زندگی اور اس میں جاری جہاد اکبر مسلمانوں کو یہ بتا رہا تھا کہ روشنی، شفافیت، ربط باہمی، روحانی مطالبات، صبر اور سکون کے ساتھ اللہ کے لیے جینا اس سے بھی زیادہ دشوار طلب امر ہے۔

❁❁❁❁❁❁

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

گیارہواں باب

پہلی لڑائی

بدر

رسول اکرم ﷺ کو معلوم ہوا کہ قریش کا ایک کارواں ابوسفیان کی قیادت میں شام سے واپس لوٹ رہا ہے اور اس کے ساتھ بڑی مقدار میں ساز وسامان ہے اور یہ کہ قریش کے تقریباً ہر قبیلہ کا اس میں حصہ ہے۔ آپ ﷺ نے اس کارواں کو روکنے کا فیصلہ کیا۔ اس کی وجہ جواز یہ تھی کہ قریش نے مہاجرین کی جو دولت ضبط کرلی تھی اس کو واپس لینے کا مسلمانوں کا حق بنتا تھا۔ اس کا دوسرا سبب یہ تھا کہ مکہ والے مدینہ میں بھی آپ ﷺ اور صحابہ کو چین سے نہیں بیٹھنے دے رہے تھے لہٰذا ان کے سامنے طاقت کا مظاہرہ بھی مقصود تھا۔ تاکہ ان لوگوں پر رعب پڑے جو مسلسل مدینہ کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ 313 صحابہ رضوان اللہ کو لے کر نکلے انہوں نے اپنے ساتھ ضرورت بھر ہتھیار لیے۔ کیوں کہ کارواں بڑا اور اہم تھا مگر وہ ہتھیار اتنے نہ تھے جو کسی جنگ کے لیے کافی ہو جاتے۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں ٹھہرنے اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ کی تیارداری کرنے کا حکم دیا۔ جو سخت بیمار تھیں۔ آپ ﷺ کا ارادہ تھا کہ بدر میں قریشی کارواں کو جا پکڑیں مگر قریشی لیڈر ابوسفیان کو اپنے ذرائع سے پتہ چل گیا کہ مدنی لشکر اس پر حملے کے لیے آرہا ہے۔ اس نے فوراً راستہ تبدیل کر دیا اور تیزی سے آگے نکل گیا۔ ساتھ ہی مکہ کو ایک قاصد دوڑایا کہ قافلہ کی حفاظت کے لیے آجائیں کیونکہ مسلمان قافلہ کے تعاقب میں ہیں۔

تھوڑی دور آگے نکل جانے کے بعد جب اس نے محسوس کیا کہ اب خطرہ سے نکل آئے ہیں تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسرا قاصد بھی بھیج دیا کہ ہم لوگ بچ کر نکل آئے ہیں اور اب مکہ سے فوج کے نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر تب تک قریشی لیڈران ایک ہزار کا لاؤ لشکر لے کر نکل چکے تھے۔ ابوجہل کے اصرار پر انہوں نے مدینہ کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا کہ کارواں گرچہ بچ کر نکل گیا ہے مگر مدینہ والوں کو سبق سکھانا ضروری ہے۔

مدینہ سے جنوب مغرب میں کوئی 130 کلومیٹر دور بدر کے گاؤں کے پاس رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا جب ان کو معلوم ہوا کہ مکہ سے ایک طاقتور فوج جنگ کے لیے نکل کر کھڑی ہوئی ہے تو اب مشاورت کی اور نئے منصوبہ کی ضرورت پڑی۔ مدینہ سے تو وہ صرف تجارتی قافلہ پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے نکلے تھے جس میں وہ ناکام رہے اور اب ایک باقاعدہ فوج سے جو ان سے تین گناہ زیادہ تھی تصادم کا مرحلہ درپیش تھا۔ وہ جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں نکلے تھے اور قریشی جنگ پر پوری طرح آمادہ اور کیل کانٹے سے لیس تھے چنانچہ اس صورت حال میں مشاورت ضروری ہوگئی تھی۔

مشاورت

چونکہ آپ ﷺ تردد میں تھے کہ قریشی قافلہ کا تعاقب کریں یا جو فوج مکہ سے چڑھی آرہی ہے اس کا سامنا کریں، تو اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے مشاورت طلب کی اور ساتھیوں کا عزم جاننا چاہا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ نے عرض کیا

''بسم اللہ، آگے بڑھیں ہم جان دینے سے نہیں ڈرتے۔''

چنانچہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یارسول اللہ ﷺ آگے بڑھیں، آپ ﷺ اپنے دائیں بائیں اور اپنے پیچھے ہمیں لڑتا ہوا پائیں گے۔''

مہاجرین مکہ سے اسی جواب کی توقع تھی۔ اب انصار کی طرف آپ ﷺ کا رخ تھا جن کا قریش سے براہ راست کوئی جھگڑا نہیں تھا دوسرے انہوں نے یہ ذمہ لیا تھا کہ مدینہ پر کوئی حملہ آور ہوگا تو وہ لڑیں گے، مدینہ سے باہر کا اس میں ذکر نہ تھا۔ تاہم انصار کی طرف سے سعد بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے اللہ کے رسول ﷺ، آپ ﷺ جیسا مناسب سمجھیں کریں ہم ہر حال میں آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ﷺ سمندر میں بھی کود جانے کا حکم دیں گے تو ہم اس سے بھی دریغ نہ کریں گے، ہم میں سے کوئی بھی پیچھے نہ ہٹے گا۔

مہاجرین وانصار دونوں کا قطعی جواب پاکر آپ ﷺ نے میدان میں قریش سے ٹکر لینے کا ارادہ فرمالیا۔

عقلی وذہنی تربیت

ذیل میں ہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا وہ پہلو پیش کر رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بتدریج صحابہ کرام رضوان اللہ کی کس طرح عقلی، فکری اور ذہنی تربیت کی اور کس طرح اظہار رائے کی آزادی کے کلچر کو فروغ دیا اور اجتماعی زندگی میں شورائی روایات کو آگے بڑھایا۔ عام طور پر جن لوگوں کو سیاسی یا دینی رہنمائی کا مقام مل جاتا ہے ان کے بارے میں دنیا سمجھتی ہے کہ ان کو کسی صلاح ومشورہ کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ خدا کی رہنمائی میں کام کرتے ہیں یا خدا ان کے اندر حلول کر جاتا ہے۔ اگلے وقتوں میں بھی یہی خیال عام تھا اور آج بھی لوگ یہی سمجھتے ہیں۔ اس کے بالکل برعکس رسول اللہ ﷺ نے پورے نبوی مشن میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے صلاح ومشورہ لیا۔ سوال پوچھنے اور اپنی رائے کے اظہار کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کی، ان کی باتیں سنیں اور آپ ﷺ نے تعلیم وتربیت کا وہ انداز اپنایا جس کے ذریعہ آپ ﷺ نے لوگوں کی تجزیاتی وتنقیدی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ آپ ﷺ خود بہت سے موضوعات پر صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال پوچھا کرتے اور ان سے کہتے کہ وہ عقلی طور پر ان کا جواب تلاش کریں۔

کبھی آپ ﷺ معاملہ کا بالکل نیا رخ پیش کرتے۔ مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا:

طاقتور وہ نہیں جو اپنے دشمن کو پچھاڑ دے، اب سوال اٹھا کہ پھر طاقتور کون ہے؟ آپ ﷺ نے جو جواب دیا وہ لوگوں کو گہرے تفکر پر ابھارتا ہے۔ طاقتور وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے اوپر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کنٹرول رکھے۔ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجاز اور استعاراتی طور پر کوئی بات کہتے مثلاً "غنا اور تونگری اس مال و زر میں نہیں جو تم لوگ جمع کر کے رکھتے ہو۔" جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر غور کیا کہ پھر غنا (مالداری) اور کیا ہے؟ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کی "حقیقی غنا دل کا غنا ہے۔" کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرماتے اور بظاہر وہ عقل عام یا رائج اخلاقیات کے خلاف نظر آتا جیسا کہ فرمایا: "اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ مظلوم ہو یا ظالم۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حیرت ہوئی کہ ظالم بھائی کی کیا مدد کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ کو اس کے ظاہر سے ہٹا کر فرمایا: "زیادتی کرنے والے بھائی کو ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد ہے۔" اس طریقہ تربیت اور اسلوب تعلیم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تفکر کی اور تجزیہ کی صلاحیت پیدا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محض اندھی تقلید کی جگہ شعور پیدا کرنے اور اسی طرح انہیں مفید صلاح و مشورہ کی ہدایات دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی موجودگی میں بھی جرات کے ساتھ اختلاف رائے اور اظہار رائے کی تعلیم دیتے اور اقدام کرنے اور خود اعتمادی سے بولنے کی تربیت دیتے۔

چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر نوخیز حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اسی تربیت کا مظاہرہ کیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے پہلے چشمہ کے پاس پڑاؤ ڈالا تو انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا یہ اللہ کا حکم ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صواب دید سے اختیار فرمایا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہمارا ذاتی فیصلہ ہے۔ تب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ سب سے بڑے چشمہ کے پاس ہم پڑاؤ ڈالیں اور دوسرے چشموں کا پانی دشمن پر بند کر دیں تاکہ جنگ میں دشمن مزید مشکل میں پڑ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو غور سے سنا اور فوراً قبول کر لیا اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے منصوبے پر عمل کیا گیا۔

یہ مثالیں بتاتی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت نبی اور محمد بحیثیت انسان میں فرق کرتے تھے۔ وحی کے احکام کو وہ بغیر کسی ادنیٰ چوں و چرا تسلیم کرتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت انسان جو رائے دیتے اس سے وہ اختلاف بھی کرتے تھے اور مذاکرہ بھی ہوتا تھا۔ کیوں کہ انسانی اور دنیوی امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتھارٹی ڈکٹیٹرانہ نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو اختلاف کرنے اور اپنی رائے دینے کی تربیت دی تھی۔ عورت مرد، بوڑھے بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کو اپنی عقل استعمال کرنے اور آزادانہ غور و فکر کرنے پر آمادہ کرتے تھے اور اس کو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احترام کے منافی بھی نہیں سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ خود ان کی ذہانت، رائے اور مشوروں کا احترام کرتے اور آپ کی اس صفت مصلحانہ اور شان کریمانہ کے باعث وہ آپ ﷺ سے انتہائی گہری محبت کرتے۔ ایسی محبت جس کی کوئی مثال موجود نہیں۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ ابوسفیان کا قافلہ بچ کر نکل گیا اور ایک مکمل جنگ سامنے کھڑی ہے، تو پہلے آپ ﷺ نے قریش کو جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس بھیجا کہ وہ ان کو مکہ لوٹ جانے پر آمادہ کریں۔ قریش میں بھی کئی ایسے لوگ تھے جو تصادم سے بچنا چاہتے تھے، لیکن قریش کے لشکر میں جنگ بازی پر اترے ہوئے لوگ واپسی پر راضی نہ ہوئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ تعداد اور سامان حرب کے حساب سے وہ مدنی لشکر پر بھاری ہیں اس لیے ان کی فتح یقینی ہے۔ یہ زریں موقع ہے کہ مدینہ کو تاراج کر کے محمد سے چھٹکارا پا لیا جائے۔ نعوذ باللہ

بدر کی جانب کوچ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ سفر میں روزہ (وہ رمضان کا مہینہ تھا) رکھنا ضروری نہیں، فرمایا:

''سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو رخصتیں دی ہیں ان کو قبول کر کے ان کا بہتر سے بہتر استعمال کرنا چاہیے''۔

ہر طرح کی صورت حال مسلمانوں کے لیے مذہبی و روحانی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بن جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے شرعی رخصتوں پر عمل پر اصرار کیا اور دین کو زیادہ سے زیادہ آسان اور سہل بنا کر پیش کیا اور فرمایا: ''یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا'' چیزوں کو آسان بنا کر پیش کرو مشکل نہ بناؤ، بشارت و خوشخبری دو نفرت نہ دلاؤ۔'' چنانچہ اس کی عملی مثال آپ ﷺ نے یوں قائم کی کہ آپ بھی روزہ رکھے ہوئے تھے مگر سفر میں آپ ﷺ نے پانی پیا اور روزہ موقوف کر کے مثال قائم کر دی۔

غزوہ بدر

مسلمانوں کے گشتی دستے نے لشکر قریش کے لیے پانی لیجانے کے لیے آنے والے دو آدمیوں کو پکڑ لیا۔ ان کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا، آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلمان سپاہیوں نے ان سے پوچھ تاچھ کی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ مکی فوج کے آدمی ہیں تو مسلمان سپاہیوں نے ان پر سختی کر کے یہ اعتراف کرایا کہ وہ ابوسفیان کے قافلے کے آدمی ہیں۔ بعد میں مزید پوچھ تاچھ پر انہوں نے پھر یہی کہا کہ وہ مکی فوج کے آدمی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ختم کرنے کے بعد اپنے سپاہیوں سے فرمایا ''جب وہ سچ بولتے ہیں تو تم ان کو مارتے ہو اور جب وہ جھوٹ بولتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہو۔'' اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان سے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ ہم مکی فوج سے تعلق رکھتے ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا۔ تمہاری فوج کی کیا تعداد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ نہیں جانتے۔ فوجیوں کے کھلانے کے لیے روزانہ کتنے اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ کسی دن 9 اونٹ اور کسی دن 10، انہوں نے بتایا۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نتیجہ نکالا کہ وہ 900 سے ہزار کے درمیان ہیں کیوں کہ ایک اونٹ روزانہ 100 آدمیوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ بات بھی یہی تھی کفار مکہ کی فوج میں 950 آدمی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے میمنہ ومیسرہ اور قلب لشکر کے سرداروں کے نام پوچھے۔ انہوں نے نام بتا دیئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو پہچان گئے کہ مکہ کے لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی طرح متعارف تھے۔

تمام ضروری معلومات مل جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے باہر دشمن سے مڈ بھیڑ کا ارادہ کر لیا اور مدینہ سے 129 کلومیٹر (مکہ سے 319 کلومیٹر) دور بدر نامی مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 313 جانبازوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا علم نوجوان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ دوسرے دن (بروز ہفتہ 13 مارچ 624 عیسوی مطابق 17 رمضان المبارک 2 ہجری) کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چھوٹے لشکر کو 5 جماعتوں میں تقسیم کر دیا اور ان کے پانچ کمانڈر مقرر کر کے میدان کے مرکز اور دائیں بائیں حصوں پر قبضہ جما لیا اور اپنی فوج کے تحفظ کے تمام ضروری اقدامات کیے۔ ایک پہاڑی کے اوپر ایک چھوٹا سا خیمہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نصب کیا گیا جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے میدان اور پورے منظر پر نظر رکھ سکیں اور اپنے کمانڈروں کو مناسب احکامات جاری کر سکیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیمہ ایسی محفوظ جگہ پر تھا جہاں براہ راست کفار کے تیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی فوج 950 جنگ جوؤں پر مشتمل تھی اور ابوجہل اس کی قیادت کر رہا تھا جب کہ مدنی فوج میں کل 313 افراد تھے۔ مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے، قریش کے پاس 100 سے زائد۔ مسلمانوں کے پاس صرف دو تین درجن تیر کمان تھے جب کہ قریش کے پاس 200 تھے۔ اس طرح ہر اعتبار سے قریش قوت میں زیادہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اس موقع پر جو دعا آپ ﷺ نے فرمائی وہ بہت جامع اور موثر ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

اللھم ان تھلك ھذہ العصابة اليوم لا تعبد فی الارض

خدایا! آج اگر یہ چھوٹی سی جماعت ختم ہوگئی تو زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی اگر تو چاہتا ہے کہ زمین پر تیری عبادت ہو تو اس چھوٹی سی جماعت کو اس بڑی فوج پر فتح وغلبہ نصیب فرما۔ آمین!

جنگ شروع ہوئی اور مبارزت (دو بدو مقابلہ) کے لیے کفار میں سے تین سرداران قریش کے مقابلہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نکلے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے مدمقابل کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہوگئی۔ مسلمانوں نے ایسے جوش وولولے کا مظاہرہ کیا کہ کفار اس کی تاب نہ لا سکے اور ان کے قدم اکھڑ گئے۔ بعد میں قرآنی آیات نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اہل ایمان کی نصرت کے لیے خصوصی طور پر تین ہزار فرشتے بھیجے تھے۔ فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی تھی جب کہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے۔ اسی لیے اللہ ہی سے ڈرو (نہ کہ کسی اور سے) تاکہ تمہیں شکر گزاری کی توفیق ہو۔ [1]

بدر کی جنگ میں طاقتور قریش پر مسلمانوں کی فتح عرب اور اسلام کی تاریخ میں ایک نیا موڑ

[1] آل عمران: 123

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ جلد ہی پورے عرب میں اس فتح کی شہرت ہوگئی۔ مسلمانوں میں سے 14 لوگوں نے شہادت پائی۔ جب کہ مشرکین میں سے 70 آدمی مارے گئے جن میں ابوجہل بھی شامل تھا۔ جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور اس جنگ کا سب سے بڑا محرک تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو مکہ میں رہ گئے تھے اور ہجرت کے بعد تمام واقعات کے شاہد تھے، بھی جنگ کے قیدیوں میں شامل تھے۔

مکہ میں ماتم وشیون اور انتقام کی گونج

قریش کی مکہ واپسی ان کے لیے بہت دکھ بھری اور افسوس ناک تھی۔ ہر قبیلہ کا کوئی نہ کوئی آدمی مارا گیا تھا۔ انتقام کی آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ ہند نے اپنے باپ بھائی اور چچا کو کھو دیا تھا۔ اس نے قسم کھائی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے اس کے بھائی اور باپ کا قتل کیا تھا، کا خون پیئے گی۔ قریش کے لیڈروں نے کوئی وقت ضائع کیے بغیر انتقام لینے کی تیاری شروع کر دی۔ اس کے لیے آس پاس کے قبائل سے معاہدے کیے اور عرب میں مسلمانوں کا خاتمہ کرنے اور اپنی ذلت کا انتقام لینے کے لیے ایک بڑی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

ابولہب کا انجام

ابولہب، اسلام کا بدترین دشمن، اپنی خرابیٔ صحت کی بنا پر جنگ بدر میں نہیں جا سکا تھا اور مکہ میں ہی رہا تھا۔ اس نے ابوسفیان سے پوچھا کہ ہوا کیا تھا اور شکست کا کیا سبب بنا؟

> اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوا کہ ہم دشمن سے بھڑے اور ایک دم بھاگنے لگے، انہوں نے ہمارا پیچھا کیا اور بہتوں کو پکڑ لیا۔ میں اپنے لوگوں کو بھی الزام نہیں دے سکتا کیوں کہ ہمارا سامنا صرف دشمن سے ہی نہیں تھا بلکہ سفید اور رنگین گھوڑوں پر سوار بہت سے لوگ زمین وآسمان کے درمیان تھے، جن کے مقابل کوئی چیز نہیں رک سکتی تھی۔ ابوسفیان نے کہا!

جب ابوسفیان یہ بپتا سنا رہا تھا تو ابورافع نامی غلام جو مسلمان ہو گئے تھے اور اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے، فرشتوں کے ذکر اور مسلمانوں کی شاندار فتح پر اپنی خوشی نہ چھپا سکے۔ وہ بول

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پڑے کہ "وہ فرشتے تھے"۔ ابولہب غضبناک ہوکر ابورافع پر ٹوٹ پڑا اور ان کے چہرے پر سخت وار کیا، ام الفضل رضی اللہ عنہا، ابولہب کی سالی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی جو وہاں موجود تھیں اور وہ بھی خفیہ طور پر مسلمان ہوگئیں تھیں، انہوں نے ابورافع کو بچانے کے لیے ابولہب کو خیمہ کی میخ کھینچ کر ماری۔ اس کے سر میں جو زخم لگا وہی چند دن بعد انفیکشن کر گیا اور اس کے سارے جسم میں اس کا زہر پھیل گیا اور چند ہفتوں بعد وہ مر گیا۔ ابولہب اور اس کی بیوی دونوں نے اسلام سے اعلانیہ نفرت کا اظہار کیا تھا اور قرآن نے کئی سال پہلے ان دونوں کے انجام کی پیش خبری کر دی تھی۔

(دیکھئے قرآن کی 111 ویں سورہ، سورہ لہب) ابولہب تنہا وہ بدنصیب ہے جس کی مذمت قرآن میں نام لے کر کی گئی ہے۔ بعض دوسرے لوگوں نے ظلم کیا پھر انہیں اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی ہوگئی مگر ابولہب اور اس کی بیوی نے کبھی کوئی ہمدردی نہیں دکھائی اور اسی عالم میں ان کی موت ہوئی۔ وحی نے ان کا جو انجام بتایا تھا وہی ہوا اور کفر وطغیانی کے باب میں دونوں کے نام امر ہو گئے۔

مدینہ میں شادمانی ودکھ کا ملا جلا ماحول

مدینہ کے مضافاتی مقام الروحا میں مدینہ کے لوگوں نے فاتح عالم ﷺ اور فاتح مدنی فوج کا استقبال کیا۔ بدر کی فتح سے آپ ﷺ کی عسکری عبقریت بھی ظاہر ہوئی۔ پورے عرب میں اس کا شہرہ ہو گیا اور مدینہ کے اکثر لوگوں نے اب اسلام قبول کر لیا اور اسلام کی عددی، عسکری اور اخلاقی قوت میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ مدینہ میں واپس آتے ہوئے راستے میں آپ ﷺ کو پیاری بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی خبر ملی۔ بدر کے میدان 15,14 صحابی شہید ہوئے اور اب بیٹی بھی داغ مفارقت دے گئی۔ اس خوشی وغم کے ملے جلے ماحول نے انسانی زندگی کی نزاکت اور کمزوری عیاں کر دی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کو اور مضبوط کر دیا۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس بات پر ابھارا کہ وہ جنگی قیدیوں سے اچھا سلوک کریں چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہاں بھی مثال قائم کر دی کہ خود تو کھجور کھا کر گزارا کر لیا مگر قیدیوں کو روٹی کھلائی۔ (ان دنوں روٹی کافی مہنگی ہوا کرتی تھی) قیدیوں کے رشتہ داروں سے ان کی رہائی کے سلسلہ میں بات چیت شروع ہوئی۔ کچھ لوگوں نے فدیہ ادا کیا اور اپنے رشتہ داروں کو رہا کرا لیا،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض کو یونہی چھوڑ دیا گیا۔ جو زیادہ غریب تھے ان کے ساتھ ان کے حالات کے لحاظ سے انفرادی معاملہ ہوا۔ مثلاً جو قیدی پڑھنا لکھنا جانتے تھے اور زرِ فدیہ نہیں ادا کر سکتے تھے ان میں ہر ایک سے مدینہ کے 10-10 بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کے لیے کہا گیا اور اس کے بدلہ میں انہیں رہا کر دیا گیا۔ اس سے خود اسلام کی نظر میں علم کی قدر و منزلت بھی آشکارا ہوتی ہے۔ چنانچہ پڑھے لکھے مکی قیدیوں کا علم ہی ان کا زرِ فدیہ بن گیا۔

قانونی انصاف سے آگے بھی کوئی چیز ہے

رسول اللہ ﷺ اپنے ایک صحابی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ پر بڑا اعتماد فرماتے تھے۔ اتنا زیادہ کہ جنگ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے ان کو مدینہ کا گورنر بنایا تھا۔ اس کے کچھ دن بعد ایک کمسن یتیم لڑکا ان کی شکایت لے کر آیا کہ انہوں نے اس کا کھجور کا ایک درخت لے لیا ہے۔ آپ ﷺ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر معاملہ دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ کھجور کا درخت دراصل انہیں کا ہے۔ آپ ﷺ نے معاملہ کی تحقیق کی تو بات صحیح نکلی کہ قانونی طور پر درخت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا ہی تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں کے حق میں فیصلہ دیا۔ غریب و یتیم انصاری لڑکا اس فیصلہ سے بہت رنجیدہ ہوا کیوں کہ کھجور کا درخت اس کے لیے بہت اہم تھا۔ آپ ﷺ نے یہ صورت حال دیکھ کر ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فیصلہ قانونی طور پر تمہارے حق میں ہو چکا ہے۔ اب تم احسان کرتے ہوئے یہ درخت اسی نوجوان کو دے دو۔ مگر ابولبابہ رضی اللہ عنہ اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ ان کے ذہن میں عدل کا قانونی تصور بیٹھ گیا تھا۔ عدل سے آگے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہے اور جو اہل ایمان سے مطلوب ہے وہ اسے دیکھنے سے قاصر رہے۔ اور لکیر کے فقیر بن کر قانونی عدل سے چمٹے رہے۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے اس رویہ سے دکھ ہوا۔ بلاشبہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ مخلص صحابی تھے۔ لیکن پتہ نہیں اس موقع پر اسلامی روح کو دیکھنے سے کیوں قاصر رہے۔ اور چونکہ قانونی طور پر حق انہیں کا تھا۔ اس لئے ان پر کوئی زور بھی نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔ لیکن ایک دوسرے صحابی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اس پورے منظر کو دیکھ رہے تھے انہوں نے حضور ﷺ کی تکلیف دیکھی اور فوراً ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرا فلاں باغ اس درخت کے بدلے میں لے لو،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے وہ درخت اس انصاری نوجوان کو دے دیا۔ آپ ﷺ خوش ہو گئے۔ اس کے بعد بھی آپ ابولبابہ رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے رہے یہاں تک کہ بنوقریظہ کے محاصرہ میں بھی آپ ﷺ نے ان کے ہتھیار ڈالنے کی شرائط طے کرنے کے لیے انہیں کو بھیجا وہاں انہوں نے بلا ارادہ بنوقریظہ کو بتادیا کہ ان کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا ہے۔ (اسلام سے پہلے بنو قریظہ سے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے قریبی تعلقات تھے) لیکن اس پر انہیں بہت شرمندگی ہوئی اور توبہ کے بطور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔

چھ دن تک اسی میں بندھے رہے اس امید میں کہ اللہ و رسول ان کی غلطی کو معاف کر دیں گے۔ ایک صبح رسول اللہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آرام کر رہے تھے، آپ ﷺ مسکراتے ہوئے اٹھے" ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: " خدا آپ ﷺ کو ہمیشہ مسکراتا رکھے، آپ ﷺ کس سبب سے ہنس رہے ہیں؟ فرمایا: ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو یہ خبر ان کو دے دوں۔ جیسا چاہو، آپ ﷺ نے کہا۔ تب ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوکر زور سے چلائیں " ابولبابہ! (رضی اللہ عنہ) مبارک ہو تمہاری توبہ قبول ہوگئی۔" یہ آواز سنکر سارا مدینہ مسجد کی طرف دوڑ پڑا۔ سب ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے خود ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی رسیاں کھول دیں اور ان کو گلے لگایا۔ یہ انفرادی مثال بتاتی ہے کہ روحانی تربیت ایک سفر ہے اور اس میں کبھی کامل ہونے کا مرحلہ نہیں آتا۔ اور یہ کہ ہر قدم پر بیدار اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ زبانی تعلیم و تربیت کے ساتھ عملی طور پر نیکی و احسان کے جذبات بھی لوگوں میں پیدا کرتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بارہواں باب

تعلیم وتربیت کا حسین نبوی اُسلوب

اگرچہ رسول اللہ ﷺ روزانہ نہایت مصروف رہتے تھے پھر بھی آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کی امیدوں اور زندگی کی چھوٹی بڑی باتوں اور جزئیات پر پوری توجہ دیتے تھے۔صحابہ رضوان اللہ اور امہات المومنین آپ کی نمازوں اور دعاؤں کا مشاہدہ کرتے اور خدا سے مناجات کی کیفیتوں کو دیکھتے۔ایک بار حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نہ رہا گیا اور وہ بولیں کیا آپ ﷺ عبادت میں مبالغہ نہیں کررہے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کرچکا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ''کیا میں اس کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟''

آپ جتنی عبادت کرتے، روزہ رکھتے اور مراقبہ کرتے اتنے کا مطالبہ صحابہ سے نہیں کرتے تھے۔اس کے برخلاف جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی عبادتی کیفیت اور ذوق و شوق کے سامنے اپنی عبادتوں کو کمتر سمجھ کر یہ عہد کرلیا کہ وہ ہمیشہ روزہ ہی رکھیں گے، بیوی کے پاس نہیں جائیں گے۔(مثلاً حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> ایسا نہ کرنا! ایک دن روزہ رکھو ایک دن نہ رکھو، رات کے کچھ حصہ میں سوؤ اور کچھ حصہ میں عبادت کرو کیوں کہ تمہارے جسم کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہاری بیوی کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہارے مہمانوں کا تمہارے اوپر حق ہے۔''
>
> اس کے بعد آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: ''غلو کرنے والوں کا برا ہو۔''
>
> ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اعتدال رکھو اعتدال رکھو!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیوں کہ اعتدال ہی سے تم کامیاب ہو گے۔''

بعض زود حس صحابہ اپنے خیالات و وسوسوں پر پریشان ہو جاتے کہ کہیں نفاق کا شکار تو نہیں ہو گئے ہیں تو آپ ﷺ ان کو تسلی دیتے۔ ایک بار حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہنے لگے کہ میں تو منافق ہو گیا۔ انہوں نے پوچھا کیوں کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں بیٹھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا جنت و دوزخ کو دیکھ رہا ہوں۔ مگر آپ ﷺ کے پاس سے ہٹ کر اور بیوی بچوں میں آ کر یہ کیفیت نہیں رہتی۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے یہی حال تو میرا بھی ہے۔ اس کے بعد دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی بے چینی کو ظاہر کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب تم میرے پاس رہتے ہو اس وقت تم جس روحانیت کو محسوس کرتے ہو اگر ایسی کیفیت میں ہمیشہ رہو اور ہر وقت خدا کو یاد کرو تو فرشتے تم سے بستر میں یا راہ چلتے مصافحہ کریں۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اے حنظلہ! اللہ کی یاد کا بھی وقت ہے اور آرام کا بھی وقت ہے۔ اس طرح کی حالت کا پیش آنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے انسان کی فطرت میں یاد رکھنے اور بھول جانے کی عادت ہے اور اسی بھول جانے کی وجہ سے یاد دہانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ انسان فرشتہ نہیں ہوتا۔ اور اس کیفیت کا نفاق سے کوئی لینا دینا نہیں۔''

اسی طرح دوسرے موقع پر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ بھی تعلیم دی کہ دین صرف عبادات کی ادائیگی نہیں بلکہ عین انسانی مادی ضروریات پوری کرنا بھی دین ہے۔ فرمایا:

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صدقہ ہے، اپنی بیوی سے جنسی ملاپ کرنا بھی صدقہ ہے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس پر تعجب ہوا کہ بیوی سے جماع کرنے میں بھی ثواب ہو سکتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص زنا کرے تو کیا اس نے گناہ نہیں کیا؟ اسی لیے اگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوئی جائز طور پر اپنی جنسی خواہش پوری کرتا ہے تو اس کو ثواب ملے گا۔"

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی کہ انسانی ضروریات میں سے نہ کسی کا انکار کریں نہ کسی کو برا سمجھیں۔ اصل بات ضبط نفس کی ہے۔ روحانیت کا مطلب یہ نہیں کہ جبلی تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے۔ انسانی ضروریات و خواہشات کو شرعی اصولوں کے مطابق پورا کرنا بھی عین دین ہے۔ نہ تو وہ برا کام ہے اور نہ منافقت ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھایا کہ وہ بے فائدہ احساس گناہ میں نہ جئیں بلکہ ہمیشہ رب رحیم سے مناجات کریں اپنی چھوٹی بڑی غلطیوں کی معافی مانگیں۔ رب تعالیٰ رحمن و رحیم ہے۔ اس نے اپنے بارے میں خود کہا ہے کہ میں بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہوں۔ دل کی صفائی، تطہیر باطن اور تصحیح نیت اور احساس گناہ کے ساتھ جو بندہ بھی اس کی طرف رجوع ہوتا اور اس کے عفو و درگزر کا طالب ہوتا ہے وہ اسے کبھی نامراد نہیں لوٹاتا۔ وہ تواب ہے۔ یعنی اسے یہ بہت پسند ہے کہ غلطی کرنے والا، گناہوں پر نادم ہو اور خلوص نیت کے ساتھ اس کے در پہ آئے۔ اس کا دامن عفو بہت دراز ہے اور وہ معافی مانگنے والے کو اس میں جگہ دیتا ہے۔

اخلاق کریمانہ اور مہربانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا جوہر تھی۔ آپ ہمیشہ کہا کرتے:

"اللہ کریم ہے اور ہر چیز میں بڑاپن پسند فرماتا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی فرماتے

اللہ تعالیٰ رفق و نرمی پر وہ عطا کرتا ہے جو سختی پر یا کسی اور چیز پر عنایت نہیں کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا:

تمہارے اندر دو صفات ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ بڑاپن اور تحمل۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام لوگوں کو تعلیم دی کہ:

"اگر تم اپنے بھائی کے بارے میں وہ چیز سنو جو تمہیں ناپسند ہو تو اس کے لئے ستر عذر تلاش کرو، اگر تمہیں کوئی عذر نہ ملے تو اپنے آپ کو یہ سمجھا لو کہ کوئی عذر تو ہوگا، تمہیں مل نہیں رہا ہے"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سمجھتے بھی ہیں ان کا خیال بھی رکھتے ہیں اور ان سے محبت بھی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً ان سے محبت فرماتے تھے اور اس کا اظہار بھی کرتے تھے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کہا بھی کہ:

''جب تم کسی سے محبت کرو تو اس کو بتا دو''

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان معاذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان سے سرگوشی کی۔ ''اے معاذ (رضی اللہ عنہ) خدا کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ اے معاذ! ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا نہ بھولو

''اللهم اعنى على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك''

(اے اللہ اپنے ذکر اور شکر اور اپنی اچھی عبادت کرنے کے لیے میری مدد فرما) اس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت سے ان کو روحانی و دینی تعلیم بھی دے دی جو محبت کے تحفہ کے ساتھ دی گئی تھی اس لیے نہایت موثر ہوگئی۔

اہل الصفہ (سائبان والے)

مدینہ میں بہت سے نئے مسلمان ایسے تھے جو علم کا بڑا شوق رکھتے تھے۔ ان کے پاس کوئی اثاثہ اور گھر بار وغیرہ نہ تھا۔ اس لیے مسجد نبوی کے باہر ایک چبوترے پر ان کے لیے سائبان ڈال دیا گیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے سے بھی قریب تھا۔ یہ غریب و نادار طالبان علم اہل مدینہ کے صدقات وعطیات پر زندگی گزارتے اور اپنا سارا وقت علم دین کے سیکھنے سکھانے میں لگاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بہت شفقت فرماتے، ان کے سوالات کے جواب دیتے، ان کے احوال سے باخبر رہتے اور ان کے کھانے پینے کا نظم فرماتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سائل کی نفسیات، ذہنیت اور حالات کو جان لیتے اور اس کے حساب سے جواب ارشاد فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت بے تکلفانہ، متواضع اور خاکسارانہ زندگی گزارتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں درباری تام جھام جیسی کوئی چیز نہیں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اکثر کچھ نہ ہوتا سوائے چند

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کھجوروں کے جن پر گھر والے گزارا کر لیتے۔ اس کے باوجود جو کچھ بھی آپ ﷺ کے پاس ہوتا یا کہیں سے آجاتا تو آپ ﷺ اسے اپنے اردگرد کے حاجت مندوں اور خاص طور پر اہل صفہ کی امداد میں صرف فرما دیتے۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی نہایت سادہ تھی۔ آپ ﷺ کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا تھا۔ مرد و عورت، بچے، آزاد و غلام سب یکساں طور پر آپ ﷺ کے پاس آ کر سوال کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ ان کے درمیان رہتے تھے۔ آپ ﷺ انہیں میں سے ایک تھے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا: ایک بیٹی

رسول اکرم ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ابا جان سے بہت قریب تھیں۔ ان کی شادی آپ کے چچا زاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ان کی جائے رہائش آپ ﷺ کے بہت نزدیک تھی۔ چنانچہ وہ اہل صفہ اور دوسرے ناداروں کا بڑا خیال رکھتی تھیں۔ آپ ﷺ کے تین فرزند ہوئے جو تینوں بچپن میں ہی انتقال فرما گئے۔ ہاں آپ ﷺ کی چاروں بیٹیاں جو سب ام المومنین سیدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھیں بڑی ہوئیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ آپ ﷺ ان کو بہت چاہتے تھے جب بھی آپ ﷺ کسی سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد جا کر نماز پڑھتے اور اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملنے جاتے اور ان کے ہاتھ اور پیشانی کو بوسہ دیتے۔ جمیع بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار ام مومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: آپ ﷺ سب سے زیادہ کس سے پیار کرتے تھے؟ جواب ملا: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے۔

اگر آپ ﷺ گھر میں ہوتے یا لوگوں کے بیچ ہوتے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آجاتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہوجاتے ان کو سلام کرتے اور لوگوں کو دکھا دیتے کہ آپ ﷺ ان پر کتنا مہربان ہیں۔ چونکہ عربوں میں بیٹیوں کو اتنا نہیں مانا جاتا تھا لہٰذا آپ ﷺ کی اس شفقت سے مکہ اور مدینہ کے لوگوں کو حیرانی ہوتی تھی۔

آپ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بوسہ دیتے ان سے بات کرتے، راز کی بات ان سے کہتے اور ان کو اپنے پہلو میں بٹھاتے اور اس کی آپ ﷺ کوئی پرواہ نہ کرتے کہ لوگ کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہیں گے۔ایک بار آپ ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بدوؤں کی ایک جماعت کے سامنے چوم لیا۔ انہیں بڑی حیرت ہوئی، ان میں ایک اقرع بن حابس سے نہ رہا گیا، کہنے لگا ''میرے 10 بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کو بھی کبھی نہیں چوما۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو رحم دلی اور شفقت کا مظاہرہ نہیں کرتا اللہ بھی اس کے ساتھ رحم دلی میں فیاضی نہیں کرتا۔'' اس طرح اپنے عمل اور قول سے رسول اکرم ﷺ نے اپنے لوگوں کو دوسروں سے پیار محبت اور شفقت سے پیش آنا، کریمانہ سلوک اور بچوں کا احترام، عورتوں کی عزت کرنی اور ان کا خیال رکھنا سکھایا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔'' [1]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ابا جان سے یہ پیار، محبت اور رحم دلی اور اسلامی تعلیمات اخذ کیں اور اپنے اردگرد کے غریب لوگوں میں پھیلائیں۔ تاہم زندگی کے مسائل اور مشکلات اتنی زیادہ تھیں کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہہ بیٹھیں۔ انہوں نے ان کی دقتیں سن کر انہیں مشورہ دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں جا کر بات کریں۔ ممکن ہے کہ آپ کچھ حل نکالیں۔ ان کے کہنے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے ملنے گئیں لیکن اپنی مشکلات آپ ﷺ سے کہہ نہ سکیں۔ اس میں انہیں شرم آئی اور وہ بغیر کچھ کہے واپس ہو گئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوال پر سیدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ وہ آپ ﷺ سے کچھ نہ کہہ سکیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود آپ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچے۔ جب دونوں نے اپنی بات کہہ لی تو آپ ﷺ نے ان کو جواب دیا کہ آپ ﷺ ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ ابھی اصحاب صفہ کے مسائل حل ہونے سے رہ گئے ہیں لہٰذا ان کی کوئی مدد نہیں کی جا سکتی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مایوس ہو کر واپس آ گئے۔

شام کے وقت حضور اکرم ﷺ ان کے مکان پر تشریف لائے۔ یہ دونوں میاں بیوی آپ ﷺ کے استقبال کے لیے اٹھ ہی رہے تھے کہ آپ ﷺ اندر داخل ہو گئے اور ان کے بستر کے پاس بیٹھ کر فرمایا:

---

[1] بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’کیا میں اس سے بہتر عمل نہ بتاؤں جو تم لوگ مجھ سے مانگ رہے تھے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں یارسول اللہ؟ فرمایا: ’’یہ وہ الفاظ ہیں جو جبرئیل امینؑ نے مجھے سکھائے ہیں جنہیں تم ہر فرض نماز کے بعد 10 بار دہرالیا کرو، سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ اکبر اور سونے کے لیے بستر پر جانے سے پہلے تم یہ کلمہ 33 بار کہا کرو۔‘‘

یہ روحانی وظیفہ جو صدیوں سے مسلمانوں میں متعارف ہے اور ہر شخص اسے عزیز رکھتا ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے ہمیں ملا ہے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر علی رضی اللہ عنہ دونوں تقویٰ و پرہیز گاری، سخاوت و محبت اور ایثار میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گزاری۔ یعنی بقدر کفاف پر گزارا کر لینے، ہر چیز کے لیے خدا سے رجوع کرنے اور اپنی ہر چیز غیروں کو دے دینے کے اسوہ کے مطابق۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہیں جو بھی ان کو ناراض کرے گا وہ مجھے ناراض کرے گا۔‘‘

ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے لئے آئیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ایک سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’فاطمہ رضی اللہ عنہا: رسول اللہ کی بیٹی ہونے کے ناطے تمہیں یہ خیال نہیں ہونا چاہیے کہ تمہیں جنت میں (اس وجہ سے) مخصوص مقام مل جائے گا، نہیں، تمہارے اعمال ہی تمہارے مقام کا فیصلہ کریں گے۔‘‘ آپ کا مطلب یہ تھا کہ شجرۂ نسب کوئی ایسی چیز نہیں جس سے قیامت کے دن کوئی فیصلہ ہوگا بلکہ انسان کے اپنے اعمال ہی اس کا فیصلہ کریں گے۔ کئی سال بعد جب مرض الموت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور کے پاس تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کان میں کہا کہ اب میری رخصتی کا وقت ہے اور خدا کی طرف سے بلاوا آچکا ہے تو وہ رودیں، اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کان ہی میں بتایا کہ خاندان نبوت میں سب سے پہلے وہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آملیں گی تو وہ مسکرادیں۔ یہ راز و نیاز کی باتیں، یہ محبت بھری کانا پھوسی ہی باپ بیٹی کے پیار بھرے رشتہ کی گواہی دیتی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، مثالی بیوی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمونہ اور آپ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کی گفتگوؤں کو جذب کر لیا تھا۔ چونکہ آپ ﷺ ہر چیز میں ایک روحانی تعلیم دیتے تھے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی فکری رفیق بن گئیں اور بعد میں امت کے لیے آپ ﷺ کی انفرادی و اجتماعی حیات طیبہ اور آپ ﷺ کے افعال و اقوال کے بارے میں معلومات کا بیش قیمت مرجع اور مصدر بنیں۔ انہوں نے بتایا کہ مدینہ میں آپ ﷺ ان کی کیسی ناز برادری کرتے تھے کہ جب آپ ﷺ کی زندگی میں آئیں تو بالکل نوخیز تھیں اور گڑیوں سے کھیلنا ان کی زندگی کا ایک حصہ تھا۔ جس پر آپ ﷺ نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ بعض اوقات آپ ﷺ ان کی دل چسپیوں میں شریک ہو جاتے۔ مثال کے طور پر ایک بار جب حبشہ کا ایک وفد دربار نبوی میں حاضر ہوا اور ان لوگوں نے مدینہ میں اپنے کرتب دکھائے جن میں ان کا روایتی رقص اور کھیل بھی شامل تھے۔ آپ ﷺ دروازہ میں کھڑے ہو گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے کندھوں کے اوپر سے حبشیوں کا کھیل دیکھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے متعدد بار آپ ﷺ کی ناز برداریوں کو بیان کیا ہے اور یہ کہ روزمرہ کی زندگی میں آپ ﷺ نے ان کو کیسی آزادی دے رکھی تھی۔ آپ ﷺ ان سے گفتگو و مذاکرہ کرتے۔ وہ آپ ﷺ سے سوال کرتیں آپ ﷺ ان کے جواب دیتے۔ یوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنے علمی رویئے سے آپ ﷺ نے امت کو کتنی ہی باتوں میں تعلیم و تربیت دی۔ اور یہ بھی واضح کر دیا کہ مثالی شوہر کا رویہ مثالی بیوی کے ساتھ کس طرح کا ہوا کرتا ہے۔ دوسری عورتوں کی طرح ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی متحرک تھیں بلکہ وہ مدینہ کی اجتماعی زندگی میں سب سے زیادہ حصہ لیتی تھیں اور ان کے ذریعہ تمام اہل ایمان کو یہ تربیت ملی کہ ان کا اپنی بیویوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے اور اجتماعی زندگی میں مومن خواتین کیا کردار ادا کریں گی۔

ایک فارسی پڑوسی نے ایک بار آپ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی آپ ﷺ نے پوچھا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا اور بتایا کہ وہ تو صرف آپ ﷺ کو بلانا چاہتا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے اس کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے پھر آپ ﷺ کی دعوت کی آپ ﷺ نے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں پوچھا کہ ان کی بھی دعوت ہے یا نہیں؟ اس نے نفی میں جواب دیا، آپ ﷺ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے تیسری بار پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اس سے یہی پوچھا کہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس نے کہا کہ ان کی بھی دعوت ہے، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی دعوت قبول کر لی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لے کر اس کے گھر گئے۔ اس قسم کے رویہ اور پوزیشن اختیار کرنے سے دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربوں اور دوسری قوموں کے عورت کے بارے میں اجتماعی رویوں کی اصلاح کر رہے تھے۔ اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خیالات پر براہ راست حملہ نہیں کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ان سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور اسی طرح دوسری امہات المومنین علیہن السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیاں سب اجتماعی زندگی میں فعال تھیں۔ پاکیزگی اور تقدیس نسوانیت کا تقاضا انہوں نے گوشہ نشینی اور مدینہ کی سیاسی، سماجی اور معاشی زندگی سے بے دخلی کبھی نہیں سمجھا۔ اور حتی کہ عسکری امور میں بھی حصہ لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اور دوسری مسلمان عورتوں کو دین کے بارے میں سوال کرنے، غور و تدبر کرنے اور اپنی شخصی صلاحیتوں کو بڑھانے اور اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی آزادی اور تربیت دی۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انصار کی عورتوں کی اسی بنیاد پر تعریف بھی فرمائی کہ وہ مکی عورتوں کے برخلاف زیادہ بے باک تھیں اور دین کے ہر طرح کے مسئلوں اور خاص خواتین سے متعلق امور کے بارے میں براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کر لیتی تھیں۔

> ''انصار کی عورتوں پر اللہ رحم و کرم فرمائے، ان کی نسوانیت اور تقدس نے دین کے بارے میں سوال کرنے سے ان کو نہیں روکا۔''

اسی انداز میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تربیت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی۔ جب وحی کا نزول ہوتا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ ارشاد فرماتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو کچھ حکم دیتے اور بعض چیزوں سے منع کرتے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہمہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوتیں۔ اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں ہوتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوتیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرتیں، ارشاد نبوی کے معنی سمجھتیں اور دلائل معلوم کرتیں۔ ان کی ذہانت، زبردست حافظہ اور تنقیدی و تجزیاتی صلاحیتوں کے باعث امت کو ان کے واسطہ سے دو ہزار سے زائد احادیث ملی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ فقہ الحدیث میں بھی سب سے زیادہ بڑھی ہوئی تھیں لہٰذا دوسرے صحابہ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راویوں کی غلطیوں کی تصحیح بھی کرتی رہتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے تھے آپ ﷺ کے بعد بھی ان کی یہ محبت وعقیدت باقی رہی۔ وہ امت کے لیے اپنے تقدس، ذہانت اور دینی بصیرت کے باعث رول ماڈل بن گئیں۔ انہیں کے حجرہ میں رسول امی ﷺ نے وفات پائی اور وہیں آپ ﷺ کی تدفین ہوئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیرہواں باب

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت للعالمین

قرآن مجید میں اللہ رب العزت کی دو بہترین صفات کا ذکر ہوا ہے: الرحمن (نہایت مہربان) اور الرحیم (بہت رحم کرنے والا)۔ جب یہ دونوں الفاظ ایک ساتھ وارد ہوں تو یہ رحمت و محبت، جود و سخا، کرم و عنایت اور مہربانی اور نرمی کے تمام معانی کو اپنے اندر سمیٹے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تبارک وتعالی نے اشیا کی تخلیق کی، تو عرش بریں میں اپنے پاس موجود کتاب میں لکھ دیا کہ ''میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی ہے''۔ اللہ تبارک وتعالی نے کہا کہ اس نے اپنی رحمت کو سو حصوں میں تقسیم کیا جس میں سے ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ تمام مخلوقات کی خاطر زمین پر بھیجا۔ اس تنہا حصے کے ذریعہ تمام مخلوقات میں ایک دوسرے کے لیے رحم کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾

ہم نے (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔[1]

رحمت، جس سے اللہ تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرفراز کیا، صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس خدائی عطیہ میں تمام مخلوقات شریک ہیں۔

مفسرین قرآن نے بیان کیا ہے کہ چونکہ قرآن دنیا میں رحمت کا سرچشمہ ہے اس لیے سب سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھایا گیا جو کہ نوع انسانی کے لیے پیغام رحمت کے واحد پیامبر ہوں گے۔ لہٰذا آیت کی ایک تفسیر یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کے بغیر قرآن کا وجود نہیں ہو سکتا تھا۔ قرآن پاک اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں خدا کی

[1] الانبیاء:107

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رحمت عامہ کے مظہر ہیں۔ نتیجتاً ایک ایسی شخصیت کا عکس جمیل ہمارے سامنے آتا ہے جو دوسری صفات کے ساتھ ساتھ سراپا رحمت اور مجسم الفت ہے۔

جانوروں اور پرندوں کے لیے رحمت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت کا جو جامع اور نادر تعارف کرایا ہے اس کی کوئی دوسری مثال موجود نہیں ہے۔ یہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف واقعات سے ثابت ہوگا۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے چڑیا کے بچہ کو اٹھالیا۔ جس کی وجہ سے اس کی ماں چوں چوں کرنے لگی اور غم کے مارے اس نے ان صحابی پر حملہ بھی کر دیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی سے کہا کہ چڑیا کے بچہ کو اس کے گھونسلہ میں واپس رکھ دیں۔ اور وہاں موجود صحابہ رضوان اللہ سے کہا: اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی یہ چڑیا اپنے بچہ پر۔"

یہاں پرندے جو خود ایک امت ہیں، خدا کے وجود، اس کی لامحدود رحمت اور نعمت کی دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۱

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین کی تمام مخلوق اور بازو پھیلائے اڑنے والے تمام پرندے اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ ہر ایک کی نماز اور تسبیح اسے معلوم ہے۔ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔ [1]

اس الٰہی ہدایت کے پیش نظر، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پرندوں کی بہبود کے تئیں حد درجہ فکر مند رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اپنی رحمت کا اظہار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو عناصر فطرت کا مشاہدہ کرنے اور ان کو جاننے کی کوشش کرنے اور ان کے ارد گرد موجود قدرت اور زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے نصیحت حاصل کرنے کی تعلیم دی۔

[1] النور: 41

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ بھی روایت آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لہو ولعب کے لیے اور بغیر ضرورت کے پرندوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

جس کسی نے بلا کسی وجہ کے ایک پرندے کو بھی قتل کیا تو وہ پرندہ قیامت کے دن آئے گا اور کہے گا، یا اللہ! اس شخص نے مجھے کھیل تماشے کے لیے اور بلا ضرورت قتل کیا تھا۔

❁ جانوروں کے تئیں رسول اللہ ﷺ کی رحمت اور آپ ﷺ کے درد کو ظاہر کرنے والی متعدد مثالوں پر غور کریں۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضوان اللہ کو سکھایا کہ جانوروں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

کچھ ایسے لوگ ہیں جن کا دل پرندوں کے دل کے مانند (رحم دلی اور انکساری کے اعتبار سے) ہے، وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

❁ محمد ﷺ نے جانداروں کو جلانے سے منع فرمایا۔ جب آپ ﷺ ایک بار چونٹیوں کے بل سے گزرے جسے جلا دیا گیا تھا تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''اسے کس نے جلایا؟'' جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ فلاں شخص نے یہ کام انجام دیا۔ تو فرمایا: ''آگ سے سزا دینے کا حق صرف اللہ کو ہے۔'' اس طرح آپ ﷺ نے صحابہ کی تربیت کی اور اس غیر محفوظ مخلوق کی حفاظت فرمائی۔

❁ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے قدرت کی نقصان دہ چیزوں کو بھی خدا کے تخلیق کردہ نظام کا حصہ شمار کیا۔ چنانچہ، ایک مرتبہ آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ مکہ کے نزدیک منیٰ کے مقام پر تھے کہ ایک سانپ غار سے نکلا، صحابہ اس کو مارنے کے لیے دوڑے مگر وہ بھاگ نکلا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے تم کو اس کے نقصان سے محفوظ رکھا اور اس کو تم سے۔'' رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا: ''اللہ نے اس کو تم سے محفوظ رکھا'' ایک عمیق اشارہ ہے اس بات کا کہ سانپ بھی کارخانۂ قدرت میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی تمام مخلوقات کو نظام فطرت کے ایک حصے کی حیثیت سے دیکھا۔

❁ محمد ﷺ ہمیشہ اس بات کی تاکید کرتے کہ قدرت کی ایک بڑی مخلوق اونکے ساتھ بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مناسب سلوک کیا جائے۔قرآن پوچھتا ہے:

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾

کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے ہیں؟[1]

آپ ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جسے اس حد تک بھوکا رکھا گیا تھا کہ اس کا پیٹ پچک گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

بے زبان مخلوق کے تعلق سے اللہ سے ڈرو۔ تم ان پر سواری کرو جب یہ توانا اور چست ہوں۔ جب تم سرسبز علاقوں سے گزرو تو اونٹوں کو میدان سے اپنا حصہ لینے سے مت روکو۔ جب تم خشک اور قحط زدہ علاقہ سے گزرو تو اسے جلدی سے پار کرو۔

صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر یا قید کر کے مارنے سے منع فرمایا ہے۔''

❁ جانوروں سے متعلق رحم دلی کی تعلیمات رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی سے ظاہر ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی فوج کے ساتھ مکہ کی جانب پیش قدمی کرتے وقت آپ ﷺ نے اس بات کا خیال رکھا کہ راستے کے کناروں پر پڑے کتے کے بچوں کی حفاظت کی جائے۔ جب آپ ﷺ نے ایک کتے کو اپنے بچے کا پیٹ بھرتے دیکھا، تو آپ ﷺ نے ایک صحابی، حضرت جعیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ کو وہاں کھڑے ہو کر اس کی حفاظت کا حکم دیا کہ پیش قدمی کرتی فوج ان کو پریشان نہ کرے۔ وہ وہاں اس وقت تک کھڑے رہے جب تک کہ ساری فوج نہ گزر گئی۔ یہ واقعہ رحم اور خدا ترسی کے ان اعلیٰ جذبات کو ظاہر کرتا ہے جو رسول اکرم ﷺ جانوروں کے لیے اپنے دل میں رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے کتے اور اس کے بچوں کی پریشان کن صورت حال کو خیال میں رکھا حالانکہ آپ ﷺ کی فوج ایک اہم معرکہ پر جا رہی تھی۔

❁ رسول اللہ ﷺ خصوصاً بلیوں سے بہت محبت کرتے تھے، اور عموماً اپنے صحابہ کو تمام جانوروں کا خیال رکھنے کی تاکید کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ سے ایک واقعہ

---

[1] غاشیہ:17

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بیان کیا:

''ایک آدمی نہایت شدید گرمی میں جا رہا تھا۔ اس نے ایک کنواں دیکھا۔ وہ اپنی پیاس بجھانے کے لیے کنویں میں اترا۔ جب وہ کنویں سے باہر آیا تو اس نے ایک کتے کو پیاس سے ہانپتے دیکھا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا یہ کتا بھی میرے ہی جیسا پیاسا ہے اس کی پیاس بھی بجھانی چاہیے۔ وہ دوبارہ کنویں میں اترا، اپنے جوتے میں پانی بھرا اور دانتوں سے پکڑ کر دوبارہ اوپر آیا اور کتے کو پلا دیا۔ اللہ نے اس عمل کے بدلے اسے نوازا اور اس کے گناہوں کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا جانوروں سے اچھا سلوک کرنے سے ہمیں بھی نیکی ملے گی؟ آپ نے فرمایا: کسی بھی جاندار کے ساتھ نیکی کرنے پر اجر ملتا ہے۔''

❁ ایک دوسرے موقع پر، محمد ﷺ نے فرمایا: ''ایک عورت کو اس کی بلی کی وجہ سے سزا ملی جسے اس نے قید کر رکھا تھا یہاں تک کہ وہ بلی مر گئی۔ چنانچہ اس بلی کی وجہ سے وہ عورت جہنم میں ڈال دی گئی کیونکہ وہ نہ تو اسے کھانا پانی دیتی تھی اور نہ ہی اسے چھوڑتی تھی کہ وہ اپنی بھوک مٹا سکے۔ ان روایات کے ذریعہ، رسول ﷺ نے اس بات پر زور دیا کہ جانوروں کا خیال رکھنا اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے۔

❁ آپ ﷺ نے موقع بہ موقع تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ''جس نے کسی پرندے یا کسی بڑے جانور کو، اس کے زندہ رہنے کے حق کا خیال کیے بنا قتل کر دیا، وہ روزِ قیامت اللہ کے نزدیک جوابدہ ہوگا۔'' چنانچہ محمد ﷺ نے یہ تربیت دی کہ جانوروں کے حق کا احترام کیا جائے، ان کو تکلیف نہ دی جائے، ان کی ضرورت کا کھانا دینے اور ان کی دیکھ بھال کرنے کے تعلق سے کوئی بھی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ انسان کے فرائض کا حصہ ہیں، جن کی ادائیگی روحانی ارتقا کے لیے بھی ضروری ہے۔

فطرت اور ماحول

اللہ رب العزت نے وضاحت کر دی کہ زمین اور اس کی تمام مخلوق، پودوں سے لے کر بے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جان اشیا تک، اس کے تابعدار بندے ہیں جو اس کو عزیز ہیں اور اسے سجدہ کرتے ہیں۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسۡجُدُ لَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ وَالنُّجُوۡمُ وَالۡجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَکَثِیۡرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَکَثِیۡرٌ حَقَّ عَلَیۡهِ الۡعَذَابُ ؕ وَمَنۡ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّکۡرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۱۸﴾

کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمان والے اور سب زمین والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی۔ ہاں بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب کا مقولہ ثابت ہو چکا ہے۔ جسے رب تعالیٰ ذلیل کردے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ [1]

قرآن میں سب سے اہم تصور توحید کا تصور ہے، اسی سے بقیہ تمام چیزیں نکلتی ہیں۔ اس تصور کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا مطلق مالک اور حاکم ہے۔ اسی نے سب کو پیدا کیا ہے اور نت نئی چیزوں کی تخلیق کرتا رہتا ہے۔

توحید ایسا تصور ہے جو وحدتِ رب کے ساتھ ہی وحدتِ انسان اور انسان اور فطرت کی وحدت پر مبنی ہے۔ اس کے مطابق کائنات صرف اس لیے نہیں کہ اس کا غلط استعمال ہو اور قرآن کے مطابق فطرت کا ادارہ بھی مقدس و محترم ہے اور انسان کو اس کا استعمال معروف کے مطابق ہی کرنا ہے:

وَالۡاَرۡضَ وَضَعَهَا لِلۡاَنَامِ ﴿۱۰﴾ فِیۡهَا فَاکِهَةٌ ۪ۙ وَّالنَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَکۡمَامِ ﴿۱۱﴾ۖ وَالۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ وَالرَّیۡحَانُ ﴿۱۲﴾ۚ

زمین، جس میں پھل ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشے جھکے پڑتے ہیں، اس کی کھیتی کی بالیاں، اس کے خوشبودار پودے یہ سب ہمارے فائدے کے لیے ہیں۔ [2]

---

[1] نور:17

[2] الرحمٰن:10تا12

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس لیے فطرت کے ساتھ ہمیں احترام، انصاف اور توازن کے ساتھ معاملہ کرنا ہے۔ فرمایا:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝٨
وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝٩

اس نے توازن قائم کر دیا ہے تا کہ تم اس توازن سے تجاوز نہ کرو، انصاف کے ساتھ تولو، اور میزان سے آگے نہ بڑھو۔ [1]

لہٰذا زمین اور اس کا ماحول یہ سب بھی حقوق رکھتے ہیں۔ ان کا پہلا حق یہ ہے کہ ہم یہ مان لیں کہ ہم ان کے مالک نہیں، ان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جس نے ہمیں ان چیزوں کا امین بنایا ہے۔ توحید کا تصور یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اس کائنات کے کوئی معنی نہیں۔ الٰہی مقصد کے بغیر کائنات کوئی وجود نہیں رکھتی، یہی وجہ ہے کہ قرآن فطرت کو خلق کردہ نظام سے تعبیر کرتا ہے۔

انسان زمین کا خلیفہ ہے

قرآن کا دوسرا اہم تصور خلافت انسان کا تصور ہے، جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کا خلیفہ بنایا ہے۔ خلیفہ زمین پر اللہ کی طرف سے اس امانت کا حامل ہے۔ خلیفہ کا ترجمہ عموماً نائب یا امین سے کیا جاتا ہے۔ قرآن میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر 30 میں وضاحت سے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں''۔ خلیفہ مقتدر اعلیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے، اس کو خود کوئی مخصوص حق حاصل نہیں ہوتا۔ امین کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ اسے جو امانت دی گئی ہے اس میں ذمہ داری، توازن اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے اور یہ یقینی بنائے کہ وہ امانت برقرار رہے اور ترقی کرے۔ زمین کے امانت دار ہونے کی حیثیت سے ہماری انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے کہ زمین میں توازن برقرار رکھیں، ماحول کی حفاظت کریں۔ کیونکہ ہم آزاد نہیں ہیں بلکہ اس کے لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کو جواب دینا ہوگا۔ تو زمین پر جو بھی تکنیکی، سائنسی، بزنس کی اور انفرادی و اجتماعی سرگرمی ہمیں انجام دینی ہے اس میں ہم کو زمین کا ماحول، توازن اور اس کے وجود کو برقرار رکھنا ہے۔ یہ ہمارا اللہ کی طرف سے امتحان ہے جس میں وہ یہ

[1] الرحمٰن 7 تا 9

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیکھے گا کہ زمین کے امانت دار ہونے کی حیثیت میں ہم اپنی ذمہ داری ٹھیک سے انجام دے پائے یانہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ

وہی ہے جس نے تم کو زمین کی امانت دی [1]

لہٰذا فطرت ایک امانت ہے جو ہمارے سپرد کی گئی ہے اور عارضی طور پر ہمیں اس کے اوپر کنٹرول دیا گیا ہے۔ یہ ہمارے لیے ایک امتحان گاہ جہاں ہماری اخلاقی جدوجہد کا جائزہ لیا جانا ہے۔ قرآن نے فطرت کو اللہ کی نشانیاں (آیات اللہ) قرار دیا ہے۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

آسمان و زمین کی پیدائش میں، رات و دن کے آنے جانے میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے ہوئے اللہ کو یاد رکھتے اور آسمان وزمین کی پیدائش پر غور وفکر کرتے رہتے ہیں۔

لہٰذا فطرت ہماری بقا اور ہماری نجات اور ہمارے شعور سب کے لیے ضروری ہے۔ ہر مخلوق مقدس ہے، ماحول کی حفاظت اور انسانوں اور فطرت میں توازن اور ہم آہنگی کو برقرار رکھنا ہمارے انسانی کاموں کا حصہ ہے۔ اگر ہم فطرت کے محافظ ہونے کی حیثیت میں ناکام ہوتے ہیں تو انسان ہونے کے لحاظ سے بھی ناکام ہوں گے۔ اس لیے قرآن نے کہا:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا

اور ملک میں اصلاح کے بعد خرابی نہ پھیلانا۔ [2]

حدیث میں ہے کہ: زمین پر جو بھی مخلوق ہے سب پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحمت فرمائے گا۔

---

[1] انعام: 165

[2] اعراف: 56

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جدید مسلم معاشرے ماحول کے سلسلہ میں اپنے روایتی شعور کو کھو چکے ہیں۔ اس کے اسباب مختلف ہیں، مثال کے طور پر اسلامی تہذیب کا زوال، بیرونی استعمار کے اثرات، جدیدیت کی طرف بے ہنگم دوڑ وغیرہ، مگر فضا کی تبدیلی کے دور میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ قرآن کے ماحولیاتی اور عمرانی افکار کی طرف پلٹیں اور اپنی انفرادی زندگی کے علاوہ ماحول سے تعامل میں ان کو برتیں۔ زمین کی سرسبزی وشادابی جو اپنے تنوع میں قدرت کا شہکار ہے، کی حفاظت، تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔ مگر مسلمان دنیا کی ندیوں، باغات، اور دریاؤں کی نگہداشت میں ناکام ہو رہے ہیں۔ زمین کے پھیلنے کی ضرورت پر غور نہیں کر رہے ہیں، زمین کے مستقبل کو بچانے کے لیے اگر ہم نے مناسب پالیسیاں نہیں اپنائیں تو ہم دنیا و آخرت دونوں میں ناکام ہو جائیں گے۔ قرآن نے کہا:

وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ③ وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ④

وہ اللہ ہے جس نے زمین کو پھیلایا، اس میں مضبوط پہاڑ جما دیئے، اس پر دریا جاری کیے، اور ہر قسم کے پھل پھول پیدا کیے، وہ رات کو دن کے اوپر لپیٹتا ہے، اس سب میں یقیناً غور کرنے والوں کے لیے اللہ کی نشانیاں ہیں۔ زمین میں کئی طرح کے میدان ہیں، انگور کے باغ ہیں، کھیت ہیں، کھجور کے درخت ہیں، نخلستانوں میں بھی اور الگ الگ بھی، سب کو ایک ہی پانی ملتا ہے، مگر بعض کا مزہ الگ ہے اور بعض کا الگ، ان سب میں شعور رکھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ [1]

[1] رعد: 3-4

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حرم اور حما:

نبی اکرم محمد ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم فطرت سے محبت بھی کرتے تھے اور اس کی حفاظت بھی۔ خلافت ارضی یا امانت الٰہی کا تصور محض نظری چیز نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ ہی سے مخصوص پالیسیاں اپنا کران کی ترجمانی کی گئی، مثال کے طور پر آپ ﷺ نے دو خاص علاقہ مخصوص کیے، جن میں ایک کو حرم کہا جاتا دوسرے کو حما (چراگاہ)۔

حرم:

حرم کا علاقہ وہ تھا جس میں کچھ خاص کاموں کی ممانعت تھی اور یہ پانی کے چشموں، کنوؤں، شہروں اور قصبوں کے اطراف میں ہوتا تھا، کنویں کے اطراف میں کچھ جگہ چھوڑ دی جاتی، جس سے کنویں کو آلودگی سے بچانے، آبی ذخیرہ کو محفوظ کرنے اور اس کی صفائی میں مدد ملتی نیز آب رسانی اور پالتو جانوروں کے لیے بھی اس سے سہولت ہوتی تھی۔ دریاؤں اور قدرتی آبی ذخائر کے پاس لوگ ایسا کوئی کام نہیں کرتے تھے جس سے پانی آلودہ ہو، شہروں اور قصبوں کے اطراف میں لوگ نہ درخت کاٹتے نہ معدنیات کو پگھلاتے اور نہ آگ جلاتے۔ یہ یقینی بنانے کے لیے کہ جنگل کے جانوروں اور ان کی رہائش کا تحفظ ہو سکے۔ اور یہ کہ شہر یا قصبے پر حد سے زیادہ آبادی کا بوجھ نہ پڑے۔

حما:

حما کے علاقے شہروں اور قصبوں کے باہر بنائے جاتے، ان کا مقصد جنگلات اور جانوروں کی حفاظت ہوتی، آپ ﷺ نے مدینہ کے گرد کے علاقہ کو حما قرار دیا۔ آپ ﷺ کی تقلید میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی اسی طرح کے علاقے بنائے۔ مثال کے طور پر خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے الشرف کی حما قائم کی، اور موجودہ درعیہ شہر کے پاس ربدہ نامی حما بنائی۔ اُس زمانہ کی بنائی گئی حمائیں آج بھی سعودی عرب میں موجود ہیں۔ حرم اور حما کے وسائل شرع اسلامی کا حصہ تھے، جس سے اسلامی تہذیب کے دور اول میں کام لیا گیا۔ جانوروں کے حقوق کے لیے قوانین بنائے گئے۔ قرآن کہتا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ط

ساری مخلوقات اور رینگنے والے جانور اور اڑنے والے پرندے سب تمہاری طرح قومیں ہیں۔ [1]

اسی آیت کی بنیاد پر تیرہویں صدی میں ابن عبدالسلام نے مویشیوں اور جانوروں کے حقوق کا مکمل منشور لکھا۔

شریعت میں ماحولیات کا بھی لحاظ رکھا ہے چنانچہ فاس اور دارالسلام جیسے روایتی شہروں میں نہ صرف باہر حما اور حرم بنائے گئے بلکہ اطراف اور اندرون شہر بھی پانی کا استعمال مثالی طور پر ہوتا تھا۔ شہر دریاؤں کے اطراف میں آباد کیے جاتے، تازہ پانی دریا کے اوپری حصہ سے لیا جاتا اور استعمال شدہ پانی دریا کے زیریں حصہ میں ڈالا جاتا۔ شریعت میں دریا اور شہر کو آلودہ اور نجس کرنے والے ہر کام پر روک لگائی گئی ہے۔ ہر شہر کی واضح حدود ہوتی تھیں اور اس کو ان سے آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا تھا، شہر کے پھیلاؤ میں دریا کی وسعت کو بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ نیز اسلامی ثقافت سے ہی فطرت سے محبت اور ماحول کے تحفظ کا رجحان مترشح ہوتا ہے۔

سرسبز زمین

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اگر کوئی شخص ایک درخت لگاتا ہے اور لوگ اور خدا کی دوسری مخلوقات اس سے کھاتی ہیں تو اس شخص کی طرف سے یہ صدقہ ہوگا۔

اس روایت میں راستہ پر سایہ دار اور پھلدار درخت لگانے، پارک اور باغیچے بنانے اور جنگلات کے تحفظ پر زور دیا گیا ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر کوئی شخص ریگستان کا کوئی درخت کاٹتا ہے جو راہگیروں اور جانوروں کو

38:6: [1]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سایہ دیتا ہے، بروز قیامت اللہ اسے سزا دے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ زمین کو سرسبز و شاداب رکھنے کے تعلق سے کتنے حساس تھے۔ جس دنیا میں ہم رہتے ہیں اس کی حفاظت کا آپ ﷺ نے ایک مکمل تصور پیش کیا کہ اس کے ہم پر چند حقوق ہیں اور وہ حساب کے دن اللہ کے حضور ہمارے اعمال کو پیش کرے گی۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

اگر قیامت کی گھڑی قریب ہو اور کسی کے ہاتھ میں کوئی پودا ہو تو وہ اسے لگانے میں جلدی کرے۔

اس حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ اہل ایمان کا شعور لازماً ہر لحاظ سے فطرت کے ساتھ جڑا ہونا چاہیے۔ اور یہ وابستگی اتنی گہری ہو اور اس حد تک ہو کہ ان کا آخری عمل بھی تجدید حیات اور زندگی کی آبیاری ہو۔ درخت زمین کی سرسبزی، کھانا، صحت اور ہرے بھرے فرش کے لیے موزوں ہیں۔ ہرے بھرے جنگلات غور وفکر پر ابھارتے ہیں اور طبی لحاظ سے بھی فائدہ مند ہیں۔ وہ خوراک، تعمیری لکڑی اور ایندھن فراہم کرتے ہیں۔ زمین کی فضا پر جنگلات گہرا اثر ڈالتے ہیں اور بارش لانے میں معاون ہوتے ہیں۔

قدرتی وسائل

قدرت اللہ کی تخلیق ہے، اور اسکے وسائل نوع انسانی کے لیے اللہ کی جانب سے سخاوت و فیاضی کے تحفے ہیں۔ چنانچہ اس نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اس کو تلف نہ کریں یہاں تک کہ اسکے کسی حصہ کو بھی ضائع نہ کریں۔

يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ خُذُواْ زِينَتَكُمۡ عِندَ كُلِّ مَسۡجِدٖ وَكُلُواْ وَٱشۡرَبُواْ
وَلَا تُسۡرِفُوٓاْۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلۡمُسۡرِفِينَ ٣١

اے اولاد آدم! تم مسجد میں آتے وقت زینت اختیار کرو، کھاؤ پیو اور فضول خرچی مت کرو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔ [1]

---

[1] الأعراف ۷:۳۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مگر قدرتی وسائل کی بے رحمانہ حرص وطمع اور لوٹ کھسوٹ خالق فطرت اور انسانیت کے خلاف معصیت و نافرمانی کا عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قدرتی یا دیگر دوسرے وسائل کے استعمال میں نہایت ہوش مندی کی تعلیم دی۔ بطور مثال، پانی کے استعمال میں حتی الامکان کفایت شعار رہنے کا حکم دیا۔

ایک مرتبہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشہور صحابی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو وضو کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پانی کا غیر ضروری استعمال کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''سعد! (رضی اللہ عنہ) اتنا پانی کیوں ضائع کر رہے ہو؟'' سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیا وضو کرنے میں بھی پانی ضائع ہو سکتا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: ''بالکل، اس وقت بھی جب تم بہتے دریا کا پانی استعمال کر رہے ہو۔''

اس تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

''جب ایک مومن وضو کرتا ہے اور اپنے منہ کو دھوتا ہے تو آنکھوں سے کیے گئے تمام گناہ بہہ جاتے ہیں۔ جب وہ اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو ہاتھ سے کیے گئے سارے گناہ بہہ جاتے ہیں۔ جب وہ اپنے پیروں کو دھوتا ہے تو بدی کی جانب بڑھنے والے قدموں کے گناہ بہہ جاتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعدؓ اور دیگر صحابہ کرام کو یہ تعلیم دی کہ وہ اپنی دینی ضروریات کے لیے پانی یا دیگر فطری عناصر کو معمولی نہ سمجھیں۔ فطرت کا یہ احترام، اس کا معتدل استعمال اپنے آپ میں ایک روحانی تعلیم ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدرتی وسائل کو ذرا بھی ضائع نہ کرنے پر زور دیا۔ ''خواہ وہ بہتے دریا کے پانی کا استعمال ہی ہو'' یہ اس بات کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فطرت کے احترام کو اس ضروری اصول کا درجہ دیا جسے کسی بھی صورتحال اور کسی بھی ماحول میں لازماً عمل میں لانا چاہیے۔

قرآن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ پانی خدا کی نعمت ہے:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

ہم ایک صحیح انداز سے آسمان سے پانی برساتے ہیں، پھر اسے زمین
میں ٹھہرا دیتے ہیں اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں۔ [1]

آج، کئی ممالک پانی کی شدید قلت سے دوچار ہیں۔ یہ ہمیں متنبہ کرتا ہے کہ ہمیں خالق کا شکرگزار ہونے کی ضرورت ہے، اور اس چیز کو دماغ میں رکھتے ہوئے، اپنے معاملاتِ زندگی میں پانی کے استعمال میں نہایت محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہمیں نبوی آگاہی پر پوری توجہ دینی چاہیے اور کسی بھی چیز کے ضیاع اور 'زمین پر فساد پھیلانے'' سے بچنا چاہیے۔ کیرن آرم اسٹرانگ ایک سابق نن ہیں جو اپنی کتاب Life of Prophet Muhammad کی وجہ سے معروف ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ''ہمارے دور کا رسول'' کہہ کر تعبیر کیا ہے، اور صحیح تعبیر کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ زمین اور اس پر رہنے بسنے والوں کے لیے آپ ﷺ نے تعلیم دی، جن میں انسانوں کے علاوہ کیڑے مکوڑے، جانور، پرندے، درخت، چٹانیں، پہاڑ، دریا اور سمندر بھی ہیں۔ ان سب سے متعلق آپ ﷺ کی تعلیمات اپنی وسعت اور فطرت میں پائیدار اور مستقل ہیں۔ آج جب کہ انسانیت ماحولیاتی آلودگی اور غیر متوازن ماحول، اوزون کی پرت کے پگھلنے اور گلوبل وارمنگ وغیرہ جیسے خطرات سے دوچار ہے، ہم آپ ﷺ کے اقوال و افعال کے ضخیم مجموعوں میں مذکور دانشمندی کے بیش بہا خزانے کو مزید نظر انداز نہیں کر سکتے۔

آپ ﷺ کی تعلیمات و ہدایات کی قدر و قیمت اور موزونیت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب ہم ٹھیک طرح سے یہ دیکھتے ہیں کہ دورِ جدید کس طرح سے اپنی تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ماحولیاتی بحران کی بابت آپ ﷺ کا نقطہ نظر فقط انسدادی معیار کا نہیں تھا بلکہ انفرادی انسانی بہبود، خوش حالی اور خوشی پر مبنی تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا نقطہ نظر پوری کائنات میں کہیں بھی موجود زندگی سے لاتعلقی کا نقطہ نظر نہیں تھا۔ آپ ﷺ ہی نے تو فرمایا:

''زمین کی حفاظت کرو، جو کوئی شخص خیر یا بدی کا کوئی عمل کرتا ہے، وہ (اپنے رب کے سامنے روز قیامت) اسے پیش کرے گی۔''

[1] المومنون:18

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انسانیت پر رحم

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے اور خصوصاً انسانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ نتیجتاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت انسانی اعمال میں شاید بہت زیادہ نمایاں ہے۔ جس نے انسانی کرداروں کے لاتعداد قوس وقزح کو اپنے دائرہ میں لے لیا ہے، مثلاً مرد وزن، والدین اور بچے، شوہر اور بیوی، مالک اور غلام، امیر اور غریب، دوست اور دشمن، پڑوسی اور اجنبی وغیرہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنس، رنگ یا نسل سے قطع نظر ہر انسانی وجود کے لیے متفکر رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل رحم، ہمدردی اور شفقت کا رواں چشمہ تھا۔ کسی کی بھی پریشانی و تکلیف دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل تڑپ اٹھتا اور آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔

والدین

انسانوں میں رحم کا سب سے زیادہ مستحق والدین کو سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے توحید الٰہی کے معاً بعد ان کے ساتھ نرمی اور رحمت کا سلوک کرنے کی تعلیم دی ہے۔

قرآن میں کتنی ہی جگہ توحید اور عبادت الٰہی کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو اہمیت دی گئی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے بعد والدین کی رضا بہت ضروری ہے۔ والدین انسان کے وجود اس کی پیدائش اور پرورش میں بہت بڑا کردار ادا کرتے ہیں اور اس کی تعلیم و تربیت اور اخلاقی اور مادی ترقی میں بھی۔ بغیر والدین کی توجہ کے انسان کی پرورش ممکن نہ تھی۔ یہاں تک کہ بے پڑھے لکھے اور غیر مہذب ماں باپ بھی اپنے بچے کے لیے اتنی قربانی دیتے ہیں کہ پورے سماج میں والدین کا کوئی بدل ممکن نہیں۔ ماں باپ کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا عکس ہم دیکھ سکتے ہیں۔

عبادت اصل میں خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے۔ والدین کا درجہ خدا کے برابر نہیں ہوسکتا اس لیے والدین کی عبادت تو نہیں کی جاسکتی، مگر ان کے ساتھ نہایت احترام، مہربانی اور محبت کا سلوک کرنا چاہیے۔ اللہ فرماتا ہے:

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میرا اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرو، میری ہی طرف تم کو پلٹ کر آنا ہے۔[1]

جدید تہذیب نے خاندان کے ادارہ کو توڑ ڈالا ہے، اس ادارہ سے وابستہ اعلیٰ قدریں دم توڑ رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں اس تہذیب نے والدین اور بزرگوں کے لیے بڑا برا وطیرہ اختیار کر رکھا ہے۔ آج جو والدین کام کے لائق نہیں رہے، ان کے بارے میں لوگوں میں یہ چرچا ہوتا ہے کہ ان کا کیا کریں۔

سوچتی ہے اب یہ دنیا آدمی کا کیا کرے

آج یہ مجبور و بے بس والدین کل اپنے بچوں پر اتنا اختیار رکھتے تھے کہ چاہتے تو انہیں آسانی سے مار ڈالتے مگر انہوں نے نہیں مارا، آج کی نسل کل انہیں بوڑھے والدین کے رحم و کرم پر تھی لیکن انہوں نے جدوجہد کی اور خون پسینہ ایک کر کے بچوں کو پالا۔ قرآن نے خاص طور پر احترام اور عاجزی سے بوڑھے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تلقین کی ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾

اور تیرا رب صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اسکے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اُف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا۔ اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔[2]

---

[1] لقمان:14

[2] بنی اسرائیل:23-24

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام میں صرف ان کے لیے دعا ہی کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ لامحدود شفقت و محبت اور رحم کا معاملہ کرنا چاہیے، یہ یاد کرتے ہوئے کہ جب ہم بے بس بچے تھے انہوں نے ہمیں اپنے آپ پر ترجیح دی۔ ماں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام خاص طور سے کرنا چاہیے۔ جب والدین اپنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچتے ہیں تو انکے ساتھ بے لوث محبت اور شفقت کے ساتھ رحم دلی کا سلوک کرنا چاہیے۔

والدین یا کسی بزرگ کی ان کی زندگی کے نہایت مشکل اوقات میں خدمت ایک عزت اور دعا سمجھی جاتی ہے اسی طرح اسے روحانی نشوونما کا بہترین موقع تصور کیا جانا چاہیے۔ والدین کی خدمت کو اسلام میں نماز کے بعد دوسرا فرض سمجھا گیا ہے اور یہ ان کا حق ہے جس کی وہ امید رکھتے ہیں۔ بڑھاپے کی وجہ سے اگر ان میں جھنجھلاہٹ آجائے تب بھی ان سے اُف نہیں کہنا چاہیے کہ بڑھاپا بڑا نازک مرحلہ ہے۔

ماں

محمد ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً جنت ماں کی قدموں کے نیچے ہے۔''

محمد ﷺ نے اپنے متبعین کو تعلیم دی کہ والدہ کے ساتھ رحم اور شفقت اعلیٰ انسانی قدروں میں شمار ہوتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے ان کے اذہان وقلوب میں بٹھانے کی کوشش کی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے محمد ﷺ سے پوچھا:

> ''اس دنیا میں کون سب سے زیادہ خدمت، رحمت اور محبت کے قابل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: تمہاری ماں، اس شخص نے تیسری مرتبہ پھر یہی پوچھا اور آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری ماں، اس نے آخری بار پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون ہے؟ اس مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا باپ۔

عصری اسلوب میں کہیں تو %75 محبت، حقوق اور رحمت کی مستحق ماں ہے اور %25 محبت اور حقوق اور رحمت باپ کے حق میں جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گولڈ میڈل، سلور میڈل اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برونز میڈل تینوں تو ماں لے جاتی ہے اور باپ کو صرف تشجیعی [1] انعام پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر فرماتی ہیں کہ ان کی غیر مسلم ماں ان کے پاس اس وقت آئیں جب مسلمانوں اور قریش میں معاہدہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے محمد ﷺ سے پوچھا کہ ''میری ماں جو اسلام کے تعلق سے برا گمان رکھتی ہیں، آئی ہیں، کیا مجھے ان سے شفقت اور نرمی کا سلوک کرنا چاہیے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، بالکل''

رسول ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے والدین کے ساتھ ان کے عقیدے سے قطع نظر کر کے رحم دلی کا معاملہ کرنے کو کہا۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میری ماں، جو غیر مسلم تھیں، مکہ سے چل کر مدینہ مجھ سے ملنے اور کچھ مانگنے آئیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''یا رسول اللہ! میری ماں مجھے دیکھنے آئی ہے اور مجھ سے کسی چیز کی توقع رکھتی ہے کیا میں ان کی طرف توجہ دوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔''

باپ

محمد ﷺ نے فرمایا:

''ایک باپ کا اپنے بیٹے کے لیے بہترین تحفہ یہ ہے کہ وہ اس کو بہترین اخلاق دے۔''

محمد ﷺ نے فرمایا:

''ایک بہترین اور اعلیٰ چیز جو باپ اپنے بیٹے کو دے سکتا ہے وہ ہے بہترین اخلاق اور اچھی تعلیم۔''

محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''آدمی کے اعمال اسکی موت کے بعد ختم ہو جاتے ہیں سوائے تین چیزوں کے، وہ صدقہ جو آنے والی نسلوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، فائدہ مند علم اور اس کے بچوں کی دعائیں جو ان کے حق میں کی جائیں۔''

[1] تشجیعی عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے حوصلہ افزائی۔ مصحح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''سب سے اعلیٰ درجہ کی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے دوست کے ساتھ شفقت اور رحم سے پیش آئے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے، عباس بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا

نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے انتقال کے بعد اس کے دوست کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

رشتہ دار

قرآن کہتا ہے:

اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے کام لو۔ [1]

والدین کے بعد قرآن نے رشتہ داروں کے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی ہے۔ کیوں کہ رشتہ دار بھی والدین کے ذریعہ سے ہی رشتہ میں آتے ہیں۔ اور رشتہ داروں سے اچھے تعلقات سے آدمی کی سماجی زندگی خوشگوار بنتی ہے جہاں یہ تعلقات نہ ہوں وہاں تلخیاں پیدا ہوتیں ہیں اور زندگی بے مزہ ہو جاتی ہے۔

حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کسی نادار (وغیر رشتہ دار) شخص کو صدقہ و خیرات دینا محض صدقہ ہے مگر یہی صدقہ کسی رشتہ دار کو دینے سے دو اجر ملتے ہیں ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ داروں میں خرچ کرنے کا دوہرا اجر ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں سے آدمی کو ایک فطری لگاؤ ہوتا ہے۔ رشتہ اگرچہ بہت نازک ہوتا ہے ذرا سی چوک سے ٹوٹ سکتا ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر زور دیا کہ رشتہ کو توڑا نہ جائے اور یہ ہر حال میں اسے قائم رکھنے کی کوشش کی جائے۔

[1] النساء:36

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

تعلقات قائم رکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ جب وہ صلہ رحمی کریں تبھی تم بھی کرو، بلکہ یہ ہے کہ جب تعلقات ٹوٹ جائیں تو ان کی اصلاح کرو اور ان کو سدھارو۔

بزرگ

تعلیماتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بزرگوں کے لیے بڑی توجہ اور احترام کے جذبے کو قائم کیا اور ان کی زندگی کے آخری لمحوں میں امید اور لگن کے احساسات سے ان میں جان ڈال دی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اگر کوئی نوجوان کسی بزرگ کو اس کی بزرگی کی وجہ سے سہارا دیتا ہے تو اللہ ایسے لوگوں کو متعین کر دیتا ہے جو اس نوجوان کے بڑھاپے میں اس کا احترام کریں گے۔"

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

حضرت جبرائیلؑ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بزرگ کو افضلیت دوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی کہ

کھانا لگاتے وقت اور تقریبات کے موقع پر بزرگوں کو فوقیت دی جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کھانا دیتے وقت بزرگوں سے شروعات کرو۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جو ہمارے بچوں کے ساتھ شفقت اور بزرگوں کے ساتھ احترام سے پیش نہیں آتا وہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، جن لوگوں کا احترام و عزت واجب ہے، ان میں بزرگوں کو سب سے اعلیٰ درجہ پر رکھا ہے۔ حالات جنگ میں بھی ان کی فوقیت کو برقرار رکھا چنانچہ اپنے صحابہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو حکم دیتے ہوئے کہا:

بزرگوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔

فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے مشرک والد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملانے کے لیے لائے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے والد کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا

تم نے انہیں گھر پر کیوں نہیں رکھا؟ میں خود ان کے پاس آتا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! ان کو ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنا چاہیے چہ جائیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چل کے ان کے پاس جاتے۔

رحمت للعالمین اس بزرگ شخص کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں، اسکے بعد آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور کہا، مسلمان ہو جایئے، اور وہ بزرگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

بچے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں سے ان کی معصومیت، شرارت اور سادگی بھری حرکات کی وجہ سے محبت کرتے تھے۔ بچے جہاں ہوتے ہیں وہ ہر لحہ اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں اور ان کی یہ ادا سب کو پسند آتی ہے۔ اللہ سے محبت، بچوں کے اپنے دل سے قریب ہونے کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں پر توجہ مرکوز رکھی جو دل کی زبان سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کو بوسہ دیتے، انہیں اپنے کندھوں پر بیٹھاتے اور ان کی معصومیت سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ کھیل میں شریک ہوتے۔ بچوں کی معصومیت اپنی روح میں اللہ کی عبادت کا اظہار ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رویہ اس کی یاددہانی کراتا ہے۔ اگر اللہ کی عبادت میں کسی بچے کے رونے کی وجہ سے خلل پڑتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت کو مختصر کر دیتے تاکہ بچے کی عبادت کا جواب دیا جا سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے تعلق سے نہایت رحم اور نرم تھے اور بچوں کو ''جنت کے پھول'' کہا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آدمی کی خوش بختیوں میں نیک اولاد کا ہونا ہے۔

جب کوئی موسم کا پہلا پھل لے کر آتا تو آپ ﷺ اسے وہاں موجود سب سے چھوٹے بچے کو دیتے۔ آپ ﷺ بچے کو گال یا پیشانی پر بوسہ دے کر پیار کرتے۔ ایک مرتبہ جب آپ ﷺ بچوں کو اس طرح پیار کر رہے تھے کہ یہ دیکھ کر ایک بدو نے کہا: "آپ ﷺ بچوں کو بہت ہی زیادہ پیار کرتے ہیں۔ میرے تو دس بچے ہیں مگر میں نے کسی کا کبھی بوسہ نہیں لیا۔" آپ ﷺ نے جواب دیا: "میں کیا کر سکتا ہوں جب اللہ نے تم سے محبت کو دور کر دیا ہو۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نامی ایک صحابی اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا نماز کے بعد جب آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے جانے لگے تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیا۔ ہمارے ساتھ دوسرے بچے بھی آ گئے۔ آپ ﷺ نے سب کو بوسہ دیا اور مجھے بھی بوسہ دیا۔

ایک صحابی میدان جنگ میں شہید ہو گئے۔ محمد ﷺ نے صحابی کی بیوی کو بچوں سمیت آنے کے لیے کہا۔ آپ ﷺ نے بچوں کو اپنی بانہوں میں بھر لیا اور روتے ہوئے ان کے والد کی شہادت کی خبر دی۔ اور اپنے اہل و عیال کو ان کے لیے کھانا تیار کرنے کے لیے کہا کیونکہ وہ ایسے صدمہ سے دوچار تھے کہ خود کا کھانا پکانے کی حالت میں نہیں تھے۔

آپ ﷺ کا یہ پیار اور شفقت صرف مسلم بچوں کے ساتھ ہی خاص نہیں تھا بلکہ سبھی بچوں کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ہر بچہ خالص فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

درحقیقت یہ چیز بچوں کے خلوص اور معصومیت کو بیان کرتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک غیر مسلم بچہ ابو محضورۃ جس کی آواز نہایت دلکش تھی، نے مذاقاً اذان دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر اسے سزا نہیں دی بلکہ اس کے سر پر پیار سے تھپتھپاتے ہوئے دعا دی:

یا اللہ، اس پر رحم کر اور اسلام کی ہدایت فرما۔ یا اللہ اس پر رحم کر اور اسے اسلام کی ہدایت فرما۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعد میں آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی، ابو محذورہ مسلمان ہوئے اور مکہ میں اذان کے لیے مقرر ہوئے۔

کسی جنگ کے دوران متعدد بچوں کا جو اتفاقاً دشمن فوجیوں کے ساتھ قید کر لیے گئے تھے، قتل کر دیا گیا۔ جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ نہایت غضبناک ہوئے۔ ایک شخص نے کہا:

یا رسول اللہ! وہ غیر مسلموں کے بچے تھے۔

آپ ﷺ نے جواب دیا:

غیر مسلموں کا ہر بچہ تم سے بہتر ہے۔ بچوں کو قتل مت کرو۔ خبردار۔ بچوں کو قتل مت کرو۔ ہر جان اللہ کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔

محمد ﷺ نے فرمایا:

جھوٹ بولنا بری عادت ہے خواہ وہ مذاق میں ہو یا سنجیدگی میں۔ اپنے بچوں سے جھوٹے وعدے مت کیا کرو۔

پڑوسی

قرآن کی چوتھی سورہ النسا میں ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ۙ۳۶

اور اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک اور احسان کرو، رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت دار ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پہلو کے ساتھی اور مسافر اور ان سے جن کے مالک ہو (ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کرو) یقیناً اللہ تعالی تکبر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے والوں کو اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔ [1]

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جبرئیل نے پڑوسی کے تعلق سے اتنی زیادہ فرائض بتانے شروع کیے کہ مجھے گمان ہوا کہ کہیں وہ اسے وراثت میں نہ شامل کر دیں۔"

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

وہ شخص مسلمان نہیں ہے جو اپنے پیٹ کو بھر لے اور اسکا پڑوسی بھوکا رہ جائے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نصیحت فرمائی:

اے ابوذر! (رضی اللہ عنہ) جب تم سالن تیار کرو تو اس میں پانی زیادہ کر دو اور اپنے پڑوسیوں کو بھی دو۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے دو پڑوسی ہیں، مجھے کس کو پہلے دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ رب العزت کی نگاہ میں سب سے بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ کی قسم، وہ مسلمان نہیں ہے۔ اللہ کی قسم، وہ مسلمان نہیں ہے۔ اللہ کی قسم وہ مسلمان نہیں ہے۔ کسی نے پوچھا: وہ کون ہے یا اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا: جس کے شر سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ ہو۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ پڑوسی کو ستانا ایمان کے منافی ہے۔

---

[1] النسا:36

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان احادیث سے یہ واضح ہے کہ ایمان کی علامت یہ ہے کہ آدمی کا پڑوسی اس سے خوش ہو اور ضرورت کے وقت وہ پڑوسی کے کام آئے۔

غریب

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾

جب بعض گنہگاروں سے سوال کیا جائے گا کہ تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے، نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ [1]

درجۂ نبوت پر سرفراز ہونے سے قبل بھی رسول اللہ ﷺ نہایت مہمان نواز تھے۔ اور اپنی سخاوت کے لیے مشہور تھے۔ نہایت غریب اور مفلس صحابہ (اصحاب صفہ) مسلمانوں اور اکثر خود رسول اللہ ﷺ کے مستقل مہمان ہوا کرتے۔ ایک مرتبہ رسول ﷺ اللہ نے فرمایا:

اگر کسی کے پاس دو افراد کے بقدر کھانا ہے تو وہ تیسرے شخص کو (گھر لاکر) شامل کرلے۔ اور اگر کسی کے پاس چار افراد کے بقدر کھانا ہو تو وہ پانچویں کو شامل کرلے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین لوگوں کو اپنے گھر لے گئے اور حضرت محمد ﷺ دس افراد کو اپنے ساتھ لے گئے۔

رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے کہ:

اے اللہ مجھے غریب شخص کی طرح زندہ رکھ، مجھے غریب شخص کی مانند وفات دے اور غریبوں کے ساتھ مجھے دوبارہ اٹھا۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، ایسا کس لیے، اے اللہ کے رسول؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا، کیونکہ وہ امیروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، ضرورت مند کو اپنے دروازے سے خالی

---

[1] المدثر: 41 تا 44

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ لوٹاؤ۔ اسے کچھ نہ کچھ ضرور دو خواہ آدھی کھجور ہی کیوں نہ ہو۔ اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) غریبوں سے شفقت سے پیش آؤ اور ان کو اپنے سے قریب رکھو، بروز قیامت اللہ تعالیٰ تم کو اپنے قریب جگہ دے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے زور دے کر کہا، وہ تقریب جس میں صرف امیروں کو دعوت دی جائے اور غریبوں کو نہ بلایا جائے وہ سب سے بدترین تقریب ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس سے گزرا آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کے بارے میں دریافت کیا، تم اس کے بارے میں کیا سوچتے ہو؟ صحابہ نے جواب دیا، یا رسول اللہ! ہم اسے ایک نیک آدمی جانتے ہیں، اگر یہ شادی کے لیے کہے گا تو لوگ اس کی بات مانیں گے، اگر یہ کسی کی سفارش کرے گا تو اس کی سفارش قبول جائے گی اور اگر یہ لوگوں کو خطاب کرے گا تو لوگ بغور سنیں گے۔ کچھ دیر بعد ایک دوسرا آدمی گزرا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا، یہ ایک غریب آدمی ہے، اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجے تو کوئی قبول نہیں کرے گا۔ اگر یہ سفارش کرے تو اس کی سفارش نہیں مانی جائے گی۔ اگر یہ بات کرے تو کوئی اس کی بات پر کان بھی نہیں دھرے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر دنیا پہلے آدمی کے جیسوں سے پوری بھر جائے تب بھی دوسرا والا سب سے بہتر ہے۔

صحابی رسول حضرت جعفر رضی اللہ عنہ غریبوں سے بہت پیار کرتے تھے وہ ان کے ساتھ بیٹھتے ان کے ساتھ قیام کرتے اور ان سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کو ابوالمساکین (غریب پرور) کہہ کر پکارتے تھے۔

صحابیٔ رسول حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مزاج ایسا تھا کہ وہ قدرے فخر کیا کرتے تھے اور اپنے کو غریبوں سے بہتر محسوس کرتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، جو بھی ترقی اور مال تم نے حاصل کیا ہے وہ ان غریبوں کی بدولت ہے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غلام، نوکر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم فرماتے ہیں

پسینہ سوکھنے سے پہلے مزدور کو اس کی اجرت ادا کردو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلاموں کے تئیں خصوصیت سے کافی نرم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے غلاموں کو ''میرے غلام'' یا ''میری کنیز'' کی بجائے ''میرے بچے'' یا ''میری بچی'' کہہ کر بلانے کی نصیحت فرمائی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کو اپنے آقا کو ''میرے مالک'' کہنے سے منع فرمایا کیونکہ کہ مالک صرف ایک خدا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلاموں کے تعلق سے اس درجہ رحم دل واقع ہوئے تھے کہ اپنی وفات سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہہ رہے تھے، غلاموں کے تعلق سے اللہ سے ڈرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یہ غلام اور باندیاں تمہارے بھائی اور بہن ہیں جن پر خدا نے تم کو وقتی اختیار دے رکھا ہے۔ اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہوں تو تم انہیں فروخت کردو۔ خدا کی مخلوق پر سختی مت کرو۔ جو تم کھاتے ہو وہی ان کو دو۔ جو تم پہنتے ہو وہی ان کو بھی پہننے کو دو۔ ان سے زیادہ کام نہ لو کہ وہ نہ کر سکیں۔ اگر تم انہیں زیادہ کام دے رہے ہو تو اسے پورا کرنے کے لیے ان کا ہاتھ بٹاؤ۔''

معذور

اپنے بے پناہ رحم و ہمدردی کے جذبات کی بنا پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں پر زیادہ توجہ دیتے تھے جنہیں اللہ نے جسمانی یا ذہنی طور پر معذور بنا دیا ہے۔ قدیم تاریخ سے لے کر آج تک، تمام معاشرے معذور اور کمزوروں کو غیر منصفانہ طور سے نظر انداز کرتے آئے ہیں۔ ان کے ساتھ، کل بھی اور آج بھی اچھوتوں اور ناگوار بوجھ کی مانند سلوک کیا جاتا ہے۔

''اہل زمین پر رحم کرو تو عرش والا تم پر رحم کرے گا۔'' اس قول کے ذریعہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو بے رحمی اور ذلت کے غار سے نکال کر خوشی اور کامیابی کی بلندیوں تک پہنچایا۔

اس پر مغز ارشاد نبوی نے سماج کے نظر انداز کردہ طبقات جیسے نابینا، بہرے اور جسمانی و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دماغی معذور افراد کو اپنے احاطے میں لے لیا۔

اس سے متعلق سب سے نمایاں مثال ایک نابینا شخص عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ام مکتوم کی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کمزوروں کی جانب رسول اللہ ﷺ کی ذرا سی بے توجہی کو انسانیت کے لیے ذریعہ تعلیم بنا دیا۔ ایک مرتبہ یہ نابینا اور غریب شخص نبی ﷺ کے پاس کچھ سیکھنے کے لیے آیا۔ آپ ﷺ نے ان پر فوری توجہ نہیں کی کیونکہ اس وقت آپ ﷺ قریش کے سرداروں کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے، تاکہ وہ اسلام کو قبول کر لیں۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اس رویے کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے قرآن کی یہ آیت نازل فرمائی:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ③ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ④ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑤ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ⑥ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ⑦ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ⑧ وَهُوَ يَخْشٰى ⑨ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ⑩

وہ ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا (صرف اس لیے کہ) اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی۔ جو بے پروائی کرتا ہے اسکی طرف آپ پوری توجہ کرتے ہیں حالانکہ ان کے نہ سنورنے سے تجھ پر کوئی الزام نہیں۔ اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور ڈر رہا ہے، تو اس سے بے رخی برتتا ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ [1]

اس کے بعد جب کبھی عبداللہ بن ام مکتوم نبی ﷺ کے پاس آتے تو آپ ﷺ یہ کہتے ہوئے گرمجوشی سے استقبال کرتے کہ ''خوش آمدید وہ شخص جس کی وجہ سے میرے مالک نے مجھے قصوروار ٹھہرایا۔'' صرف یہی نہیں بلکہ نبی ﷺ نے اس نابینا شخص کو دو مرتبہ مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا۔

[1] عبس: 1-10

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احد کے راستے میں ایک اور واقعہ، جو رسول اللہ ﷺ کی بردباری، عفوو درگزر اور محبت والفت کو ظاہر کرتا ہے یہ ہے کہ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی فوج احد کے جانب پیش قدمی کر رہی تھی جہاں قریش مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے خیمہ زن تھے۔ جیسے ہی مسلمان ان کھیتوں سے گزرے جو ایک نابینا کے پاس تھا، وہ محمد ﷺ کو برا بھلا کہنے لگا۔ اس نے ایک مٹھی مٹی لی اور نہایت حقارت سے محمد ﷺ سے کہنے لگا اگر میں یہ جانتا کہ یہ دوسروں کو تکلیف نہیں دے گی تو میں تیرے اوپر ضرور پھینک دیتا۔'' اس سے صحابہ کرام بہت غضبناک ہوئے اور قریب تھا کہ اسے قتل کر دیتے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ کہتے ہوئے روک دیا: ''اسے تنہا چھوڑ دو۔ اسے مت مارو'' نہایت کشیدہ صورتحال میں اور اندھے آدمی کے اس خراب رویہ کے باوجود، رسول اکرم ﷺ نے اس کے ساتھ رحم کا برتاؤ کیا۔ سچ ہے کہ چشم فلک نے آج تک عفوو درگزر اور رحم کی کوئی مجسم مثال نبی رحمت سے بڑھ کر نہیں دیکھی۔

یتیم

رسول اکرم ﷺ ابتدائے زندگی میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے آپ ﷺ کے والد ماجد انتقال فرما چکے تھے اور چھ سال کی عمر میں آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی دنیا سے پردہ فرما گئیں۔ آپ ﷺ کی اس یتیمی نے آپ ﷺ کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پوری زندگی یتیموں کی پرورش اور ان کی بہبود کا خاص خیال رکھا۔ درحقیقت، آپ ﷺ یتیموں کو اپنی اولاد کی طرح مانتے تھے۔ آپ ﷺ ہمیشہ ان کی حمایت اور مدد کرتے۔ آپ ﷺ نے یتیموں کی نشوونما اور تعلیم یافتہ بنانے کے لیے انتھک کوششیں کی، تاکہ وہ سماج کا ایک حصہ بن سکیں۔ یہ نہایت ضروری تھا کیونکہ مسلسل جنگ کی وجہ سے سماج میں یتیموں کا ایک بڑا حصہ تھا مگر انہیں اکثر وبیشتر نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ تم لوگ یتیموں کی عزت نہیں کرتے اور مسکینوں کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے اور میراث سمیٹ سمیٹ کر کھاتے ہو اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو۔ [1]

رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں کے لیے رحم کا جذبہ رکھتے تھے مگر یتیموں کے لیے آپ ﷺ کہیں زیادہ رحم دل تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو انہیں اپنانے اور ان کے ساتھ نرم رہنے کی تلقین کی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جہاں کسی یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے اور بدترین گھر وہ ہے جہاں کسی یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر کوئی شخص فقط اللہ کی رضا کے لیے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے تو ہاتھ سے لگنے والے بالوں کے برابر اسے نیکی ملے گی۔ اگر کوئی شخص کسی یتیم بچے یا بچی کی پرورش و پرداخت کرتا ہے تو جنت میں ہم دونوں ایک ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملاتے ہوئے کہا۔

یتیم محتاجی اور بے چارگی کے باعث خود اپنے حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتے۔ ان کی کم سمجھ بوجھ کے باعث لوگوں کے لیے ان کے مال ہڑپ لینا آسان ہے۔ ان کا مال ہڑپ کر جانے والوں کو قرآن یوں تنبیہ کرتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾

جو لوگ ناحق ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور جلد ہی وہ دوزخ میں جائیں گے۔ [2]

اسلام سماج کو صرف اس کے لیے ذمہ دار نہیں ٹھہراتا کہ وہ یتیموں کا خیال رکھے، بلکہ اس کی

---

[1] الفجر: 17-20

[2] النساء: 10

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعلیم یہ ہے کہ وہ ان کو بہتر تعلیم وتربیت سے آراستہ کرے، ان کی تربیت کر کے اس لائق بنائے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکیں تاکہ وہ معاشرہ میں اپنا مطلوبہ اور فعال تعمیری کردار ادا کر سکیں اور اس کا ایک بہتر حصہ بن سکیں۔

مسکین، مفلس ونادار

قرآن میں مساکین کو یتیموں کے ساتھ ہی بیان کیا گیا ہے۔ مسکین وہ ہیں جو اپنی بنیادی ضروریات پوری نہ کرسکیں یا تو اس وجہ سے کہ جسمانی طور پر معذور ہوں یا شدید افلاس ونا داری کی وجہ سے۔ معاشی طور پر کمزور لوگوں کی اس طرح مدد کی جانی چاہیے کہ وہ نہ صرف اپنی بنیادی ضرورتیں پوری کرسکیں بلکہ معاشی طور پر مستحکم بھی ہوسکیں۔ قرآن اور حدیث دونوں میں بار بار مفلسوں اور ناداروں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔ ایک جگہ قرآن کہتا ہے:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

پس قرابت دار کو، مسکین کو اور مسافر کو ہر ایک کو اس کا حق دیجئے۔ یہ ان کے لیے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں ایسے ہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔ [1]

محتاجوں اور ناداروں کو عموماً فقیر وسائل سمجھا جاتا ہے مگر مانگنا اور ہاتھ پھیلانا اس کا کوئی معیار نہیں ہے۔ بلکہ بعض لوگ محتاج نہ ہوتے ہوئے بھی مانگتے ہیں یہ ان کا پیشہ ہوتا ہے۔ جس میں وہ محتاج تو نہیں ہوتے محتاجی کا ڈھونگ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض لوگ ایسے ہیں جو شدید ضرورت مند ہوتے ہیں مگر عزتِ نفس کے باعث وہ دست سوال دراز نہیں کرتے قرآن کی تلقین ہے کہ ایسے لوگ جن کی ضرورت حقیقی ہے اور جو معاشی طور پر بہت پیچھے رہ جاتے ہیں، ان پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے:

الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ

[1] الروم: 38

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مال دار خیال کرتے ہیں آپ ان کے چہرے سے انہیں پہچان لیں گے وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث سے اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مسکین وہ نہیں جو مانگتا پھرتا ہے اور جسے آپ مٹھی بھر اناج یا ایک یا دو کھجوریں دے دیں بلکہ وہ ہے جو محتاجی کے باعث اپنی بنیادی ضرورتیں پوری نہ کرسکتا ہو اس کے باوجود مانگتا نہیں۔ اس لیے لوگ اس کے واقعی حالات سے واقف نہ ہو پاتے ہوں اور اس وجہ سے اسے صدقہ وخیرات بھی نہ دیتے ہوں۔

اس طرح سماج کے ان قابل احترام مگر حقیقت میں محتاج لوگوں کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

بیمار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاص طور پر بیماروں کی مزاج پرسی کے لیے ضرور جاتے تھے، اور ان کے پاس جا کر ان کی خیر وعافیت معلوم کرتے تھے، ان کے پاس کھڑے ہوتے اور بیماروں کے سر اور پیشانی پر ہاتھ رکھتے۔ کھانے کے لیے کوئی مریض کچھ مانگتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا انتظام فرماتے، ان کو دلاسا وتشفی دیتے اور یہ دعا دیتے کہ اگر خدا نے چاہا تو جلدی ٹھیک ہو جاؤ گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی کسی آدمی کے بیمار ہونے کی اطلاع ملتی، مسلمان ہو یا غیر مسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے دیکھنے جاتے، یہاں تک کہ منافق اعظم عبداللہ بن ابی جب بیمار پڑا تو اس کو دیکھنے

---

[1] البقرہ:273

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے بھی گئے۔

بچی

بچے خدا تعالیٰ کا عطیہ اور رحمت ہیں۔ لیکن لڑکی کی پیدائش کو عموماً اچھا نہیں سمجھا جاتا اور اس کے مقابلہ میں لڑکے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ دنیا کے مختلف علاقوں سے ملنے والی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کی مہذب دنیا اس معاملہ میں جاہلی زمانے کی عرب سوسائٹی کی طرف جارہی ہے۔ جہاں نوزائدہ بچیوں کو مار ڈالنے اور زندہ درگور کرنے کا عام رواج تھا۔ قرآن میں اللہ رب العزت فرماتا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٥٨﴾

ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اسکا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ [1]

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حرام قرار دیا اور والدین کو آگاہ کیا کہ اس جرم پر قیامت کے دن ان لوگوں کو سخت سزا ملے گی، جو اپنے بچوں کو مار ڈالتے ہیں۔ وہ لوگ تین اسباب سے بچیوں کو مار دیتے تھے۔ قرآن نے ان تینوں کو بیان کیا ہے۔

بچیوں کو اپنے بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھاتے، جیسا کہ فرمایا:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٧﴾

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے ان کی اولاد کے قتل کو مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کو برباد کریں۔ [2]

اسی بات کو ایک اور جگہ یوں دہرایا ہے:

---

[1] النحل:58

[2] الانعام:137

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿۱۴۰﴾

واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو محض جہالت و نادانی کی بنا پر قتل کر ڈالا اور جو چیزیں ان کو اللہ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کر لیا محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر۔ [۱]

دوسرے وہ غربت کے ڈر سے ان کو مار دیتے تھے۔ قرآن نے ان کو اس سے خبردار کیا اور بچیوں کو قتل کرنا حرام قرار دیا:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِیَّاهُمْ ۚ

اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کرو، ہم تم کو بھی اور ان کو بھی رزق دیتے ہیں۔ [۲]

دوسری جگہ کہا:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا ﴿۳۱﴾

اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ یقیناً ان کا قتل گناہ کبیرہ ہے۔ [۳]

اس آیت سے ضبط ولادت اور برتھ کنٹرول کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ جو جاہلیت کے زمانہ میں بھی رائج تھی اور آج بھی موجود ہے۔ قلاشی کے ڈر سے لوگ بچوں کو مار دیتے یا اسقاط حمل کروا دیتے تھے۔ ہمارے زمانے میں منع حمل کے کتنے ہی طریقے رائج ہو گئے ہیں۔ منع حمل، جنین کی شناخت کر کے ماں کے پیٹ میں ہی اسے مار ڈالنا وغیرہ۔ بچی کی پیدائش پر ان کو رنج ہوتا تھا اور

---

[۱] الانعام:140
[۲] الانعام:151
[۳] بنی اسرائیل:31

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے زندہ درگور کردیتے تھے۔ دس میں ایک آدمی یہ جرم کر گزرتا تھا۔ اور صرف مرد ہی نہیں عورتیں بھی اس شقاوت میں شریک تھیں جو بچیوں کو اپنے شوہروں کو زندہ زمین میں دفن کرنے کے لیے دیدیتیں۔ بے رحمی کے یہ کام آج زیادہ اور نت نئے طریقوں سے ہو رہے ہیں۔ UNICEF کے ذریعہ تیار کی گئی ایک رپورٹ کے مطابق انڈیا میں لڑکے لڑکیوں سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ یعنی 1000 لڑکوں کے مقابلہ میں صرف 880 لڑکیاں اور عالمی سطح پر صنفی شرح یہ ہے کہ 1000 لڑکوں کے مقابلہ میں 954 لڑکیاں۔ لڑکیوں کی تعداد میں یہ کمی مادہ جنین کشی کی وجہ سے ہوئی ہے۔

لڑکیوں کے ساتھ جو یہ غلط اور سوتیلا سلوک کیا جاتا ہے قیامت میں اس کی پوچھ گچھ ہوگی۔ قرآن میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾

قیامت کے دن جب زندہ درگور کی گئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا۔ کہ کس گناہ کی پاداش وہ قتل کی گئی۔ [1]

ایک مرتبہ ایک شخص نے محمد ﷺ سے ایک خوفناک جرم کا ذکر کیا جو زمانہ جاہلیت میں اپنی نوزائیدہ بچی کے ساتھ اس نے کیا تھا۔ وہ اپنی لڑکی کو صحرا میں لے گیا اور ایک گڑھے میں اسے زندہ دفن کرنے لگا۔ معصوم اور کمسن بچی ''ابو۔۔ابو۔'' کہہ کر چلانے لگی لیکن اس شخص نے اسکے رونے کی پرواہ نہیں کی اور اسے زندہ زمین میں گاڑ دیا۔ اس حادثہ کا تصور کر کے آپ ﷺ جذبات سے بھر گئے اور آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہنے لگے۔

بیٹیاں فخر کرنے کی چیز ہیں

نبی ﷺ نے جاہلی زمانے کے اس تعصب کو مکمل طور پر مسترد کر دیا کہ لڑکے کی پیدائش پر خوشی منائی جائے اور لڑکی کی پیدائش پر رنج ہو:

قرآن نے کہا:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾

---

[1] التکویر: 8-9

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اسکا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی شخص کو لڑکیوں کی پیدائش کے ذریعہ بھاری ذمہ داری دی جائے اور وہ ان کی اچھی تربیت کرے تو وہ لڑکیاں اس شخص کے لیے جہنم کی آگ سے ڈھال کا کام کریں گی۔

اپنی دو انگلیوں کو ملاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور وہ شخص اس طرح ہوں گے جو اپنی دو بچیوں کی شادی تک اچھی تربیت کرتا ہے (یعنی ان جڑی ہوئی انگلیوں کی مانند ہیں)۔

خواتین

مغرب کے لوگوں کے غلط تصورات کا جائزہ لینے کے لیے مناسب ہوگا کہ ماضی کے مختلف معاشروں کے عورتوں کے متعلق رجحانات کا سروے کیا جائے۔ مثال کے طور پر رومی تہذیب کے دور میں عورت کو غلام کی مانند سمجھا جاتا تھا، یونانی عورت کو خرید و فروخت کی چیز سمجھتے تھے۔ ابتدائی مسیحیت میں عورت کو نفس کو گمراہ کرنے والی اور آدم کو بہکا کر جنت سے نکلوانے والی باور کیا جاتا۔ ہندوستان میں ستی کی ظالمانہ رسم کو مذہبی فرض سمجھا جاتا جس میں بیوہ عورت کو شوہر کی چتا کے ساتھ زندہ جلنے پر مجبور کیا جاتا۔ اس قبیح رسم پر کئی بار پابندی لگائی گئی۔

عرب جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ حقارت کا سلوک کیا جاتا اور انہیں کم تر درجہ کا انسان سمجھا جاتا تھا۔ ان کو جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ شادی بیاہ، اپنے مالی معاملات چلانے اور سیاسی امور میں شرکت کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ ثروت مند لوگ بے شمار بیواؤں اور داشتائیں رکھ سکتے تھے۔ عورتوں کو مویشیوں کی مانند سمجھا جاتا اور مردوں کے مساوی انسانی وجود نہ قرار دیا جاتا۔ اس کے علاوہ نوزائیدہ بچیوں کو مار ڈالنے کی ظالمانہ رسم بھی جاری تھی جیسا کہ قرآن نے تبصرہ کیا ہے:

---

[1] النحل:58

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝

اور جب زندہ در گور کردی گئی (جیسا کہ مشرکین عرب کرتے تھے) لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ اس کو کس قصور میں مار ڈالا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا:

جاہلیت میں ہم لوگ عورت کو کوئی چیز نہ سمجھتے تھے، لیکن اسلام کے آنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں ان کے بارے میں تعلق کا اظہار کیا تو ہمیں احساس ہوا کہ ان کے بھی ہم پر حق ہیں۔

فرانس میں 587ء میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں یہ مطالعہ کرنا اور فیصلہ کرنا تھا کہ کیا عورت کو بھی انسان سمجھا جائے یا نہیں۔ انگلینڈ میں ہنری ہشتم نے عورتوں کے لیے بائبل پڑھنا ممنوع قرار دیا تھا، اور قرون وسطی میں کیتھولک چرچ عورتوں کو دوسرے درجہ کا شہری سمجھتا تھا۔ انگلینڈ میں 1885 سے پہلے عورتوں کو شہریت نہیں ملی اور ان کو 1882 میں کہیں جا کر ذاتی حقوق ملے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ 1964 تک تو آکسفورڈ اور کیمبرج تک میں عورت کو مرد کے برابر حقوق حاصل نہ تھے۔ اگر ہم اس سب کو نگاہ میں رکھیں تو معلوم ہوگا کہ اب سے چودہ سو سال پہلے یہ اسلام ہی تھا جس نے عورتوں کو آزادی دی ہے۔ اسلام بھرپور عقل وشعور کا مذہب ہے۔ وہ زندگی کی حقیقتوں کا اعتراف کرتا ہے۔

اسلام وہ پہلا مذہب ہے جو عورتوں کے حقوق کا اعتراف کرتا ہے۔ اس نے خواتین کے حالات سدھارنے کے لیے انقلابی اور دوررس قدم اٹھائے۔ پوری انسانی تہذیب میں دونوں اصناف کے مابین مساوات کو پہلی بار تسلیم کیا گیا اور اس پر عمل درآمد ہوا۔ اسلام نے عورت کی عزت واحترام کی حفاظت اور اس کے مفادات کے تحفظ کے لیے ایک مکمل قانونی فریم ورک دیا۔ اسلامی شریعت عورت کو ایک آزاد اور بااختیار انسانی وجود تسلیم کرکے اسے سارے حقوق دیتی ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عورت کو اس کا حق، اس کا وقار اس کا احترام اور اس کا تقدس دیا جو اسے تاریخ میں پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔ عورت مرد کی پارٹنر اور شریک زندگی ہے۔ اس بارے میں قرآن کہتا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرد وعورت دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔
ہزاروں سال سے عورت کی جو بری حالت چلی آرہی تھی اس کی اصلاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ اس کی صنف کو لے کر طرح طرح کے اوہام وخرافات چلے آرہے تھے ان سب کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاتمہ کر دیا۔ حجۃ الوداع میں اپنے آخری خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جانا چاہیے۔ کوئی بھی متقی و پرہیزگار عورت اپنے صلاح وتقویٰ میں مرد سے سبقت لے جاسکتی ہے۔ قرآن نے عورت کو جو اعلیٰ مقام اور روحانی تقدس دیا ہے وہ کوئی دوسری مذہبی کتاب نہیں دیتی۔ قرآن نے کہا:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ [1]

لہٰذا عورتوں کو دوسرے درجہ کا شہری بنانا درست نہیں ہوسکتا قرآن نے مزید کہا:

وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾

جو ایمان والا، مرد ہو یا عورت، نیک اعمال کرے، یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔ [2]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

دنیا میں رغبت دینے والی چیزیں بھری پڑی ہیں اور ایک صالح عورت ان چیزوں میں سب سے اچھی چیز ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] آل عمران:195
[2] النسا:124

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ اس جوڑے کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو ایک دوسرے کو محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے آخری خطبہ میں فرمایا:

اپنی بیویوں سے نرمی والفت سے پیش آؤ کیوں کہ وہ تمہاری شریک حیات اور تمہاری مددگار ہیں۔

خواتین کی آزادی اور بااختیاری

اسلام نے عورت کو صحیح مقام دیا ہے۔ اس میں الٰہی قوانین کی خلاف ورزی کی کوئی گنجائش نہیں۔ جبکہ دوسرے مذاہب اور وضعی افکار عورت کا کردار متعین کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ آج کے جدید زمانہ میں عورت ایک کھیل، تفریح اور لطف اندوزی کی چیز بنا کر رکھ دی گئی ہے۔ حقیقی یا موہوم مساواتِ مرد وزن کی خاطر ناسمجھی میں عورت نے اپنے آپ کو بہت نیچے گرالیا ہے۔ آج مرد اس کا استحصال کررہے ہیں۔ اور وہ مساوات اور آزادی کے نعروں کی آڑ میں کھیل کی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا پر ایک سرسری سی نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ تجارتی مقاصد کے لیے اس کا کیسا استحصال ہورہا ہے۔ اس سب میں اس کو نہ آزادی ملی نہ مساوات بلکہ وہ گھر میں بھی اپنا فطری مقام کھو بیٹھی۔

چنانچہ فطری توازن، اچھائی اور شعور سب کہیں کھو گئے ہیں، اور نتیجہ یہ ہے کہ سماجی امن و سکون غارت ہوگیا ہے، گھروں کا فطری سکون اس وقت تک واپس نہیں آسکتا جب تک عورتوں کا استحصال نہیں رکتا۔

اسلام میں عورتوں کو مضبوط عائلی اور وراثتی حقوق دیئے گئے کہ شادی کے دائرہ میں ان کے استحصال کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ خواتین کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے جو کارنامہ انجام دیا اس کو مختصراً یوں پیش کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق عورتوں کو یہ حقوق دیئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گئے ہیں

﴿۱﴾ اسلام شادی کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ وہ شوہر و بیوی کے رشتہ کو جذباتی اور جنسی تقدس دیتی ہے وہ افزائش نسل کا جائز ذریعہ ہے اور اس سے کنبوں اور خاندانوں کے مابین وحدت و ہم آہنگی کا احساس بڑھتا ہے۔ اسلام میں شادی کا مزاج معاہدہ کا ہے ملکیت کا نہیں۔ اور اس مزاج کا ایک مثبت اثر خواتین کے مقام و مرتبہ پر پڑتا ہے۔ نبی ﷺ نے مردوں کو عورتوں کے تئیں زیادہ مہربان اور زیادہ رحم دل بننے اور ان کا خیال رکھنے کی تلقین کی ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے زیادہ مہربان ہوں۔

اسلام عورتوں کی عزت و وقار اور احترام کا خصوصی خیال رکھتا ہے۔ وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کو ایک کھلونا یا عیاشی کی چیز سمجھا جائے۔ اسی طرح وہ جنسی آوارگی اور اباحیت کی اجازت بھی نہیں دیتا۔

قرآن مردوں پر یہ ذمہ داری ڈالتا ہے کہ وہ اپنی خواتین رشتہ داروں کی حفاظت کریں اور رشتوں کو بنائے رکھیں۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر عورت ذاتی طور پر مال رکھتی ہو پھر بھی اس کا شوہر اس کا نان نفقہ اٹھائے گا۔ عورت اپنی ملکیت میں سے کنبہ پر کچھ خرچ کرنے کی ذمہ دار نہ ہوگی۔

﴿۲﴾ جب ایک مسلمان عورت کی شادی ہو تو اس کا پہلا نام ختم نہیں ہو جائے گا بلکہ اس کی انفرادیت باقی رہے گی۔

﴿۳﴾ شادی کے لیے اور ہونے والے شوہر کے انتخاب کے لیے اس کی رضامندی ضروری ہوگی۔

﴿۴﴾ ایک مسلم شادی میں دولہا دلہن کو مہر دیتا ہے جو اس کا حق ہے اور جو اس کے باپ کو نہیں دیا جائے گا۔ وہ شادی کے وقت مہر متعین کر سکتی ہے، لے سکتی ہے اور اس کا مطالبہ کر سکتی ہے وہ اس کی ذاتی ملکیت ہوتا ہے۔ اس کو خرچ کرنے اور سرمایہ کاری کرنے کا اسے حق ہے۔ کسی دوسرے مرد رشتہ دار کی اس میں کچھ نہیں چلے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿۵﴾ والدین کی وراثت میں عورت بھائی کے ساتھ وارث ہوگی۔ اسلامی قانون وراثت میں بیوی بہن بیٹی اور ماں اور دیگر خواتین کو بھی جائیداد میں ان کے متعینہ شرعی حصوں کے مطابق یکساں حصہ ملے گا۔

﴿۶﴾ والدین سے ہبہ یا وراثت میں عورت کو جو بھی حصہ ملے وہ اس کی مطلقاً مالک ہے۔ وہ اسے اپنے شوہر کو دینے کی یا شوہر کو اس میں سے حصہ دینے کی پابند نہیں ہے۔ اسی طرح وہ اپنے شوہر اور اپنے والدین دونوں کی جائیداد کی وارث ہو سکتی ہے۔

﴿۷﴾ وہ جائیداد رکھ سکتی ہے اور اسے اپنی صوابدید سے ختم کر سکتی ہے۔

﴿۸﴾ اگر شوہر کے ساتھ نبھ نہ رہی ہو اور شوہر اسے طلاق بھی نہ دے رہا ہو تو اسے خلع لینے کا حق ہے۔

﴿۹﴾ اگر کوئی مسلمان عورت کی پاکیزگی پر انگلی اٹھائے اور ثابت نہ کر سکے تو اس کو مردود الشہادۃ قرار دیا جائے گا (دیکھیں، قرآن، سورہ النسا: 24) [1] اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو عورت کا تقدس کتنا عزیز ہے۔

﴿۱۰﴾ بیوہ عورت بھی دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔

﴿۱۱﴾ مطلقہ عورت بھی دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔

﴿۱۲﴾ اگر عورت کام کرنا چاہے یا اس کے حالات اس کا مطالبہ کرتے ہوں تو وہ کام کر سکتی ہے۔

﴿۱۳﴾ عام طور پر اسلام کے بارے میں یہ غلط فہمی ہے کہ وہ عورت کو ڈربے میں بند کر کے رکھتا

---

[1] وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

اور شوہر والی عورتیں بھی (تم پر حرام ہیں) مگر وہ جو (اسیر ہو کر لونڈیوں کے طور پر) تمہارے قبضے میں آجائیں (یہ حکم) خدا نے تم کو لکھ دیا ہے اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ (نکاح سے) مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ شہوت رانی تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو ان کا مہر جو مقرر کیا ہو ادا کر دو اور اگر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کر لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ اسلام عورت کو کام کرنے، تجارت کرنے اور دستکاری کے ذریعہ پیسہ کمانے سے نہیں روکتا۔ نبی ﷺ نے کبھی مسلمان خواتین پر یہ پابندیاں نہیں لگائیں نہ ایسی خواتین کی ہمت شکنی کی۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں بہت سی صحابیات رضی اللہ عنہن کاروبار یا دست کاری کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی دست کاری جانتی تھیں۔

﴿۱۴﴾ یہ سارے حقوق سماج کی طرف سے نہیں دیئے گئے کہ کوئی جب چاہے ان کو ختم بھی کر دے۔ بلکہ یہ سب شریعت کی طرف سے دیئے گئے ہیں جو خدا کی عطا کردہ ہے اور جس میں کوئی حاکم یا عدالت تصرف کا حق نہیں رکھتی۔ خواتین کو اسلام نے یہ سارے حقوق اس وقت دیئے جب کہ دنیا میں ان کو بھی جائیداد کی مانند سمجھا جاتا تھا اور وہاں ابھی یہ بحث جاری تھی کہ عورت بھی روح رکھتی ہے یا نہیں۔

﴿۱۵﴾ اسلام میں مرد کی طرح عورت کو بھی علم حاصل کرنے، اس کی اشاعت کرنے کا پورا حق ہے۔ مرد و عورت دونوں اس میں برابر ہیں۔ دونوں پر ہی حصول علم کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ ابن اسحاق سے مروی ہے کہ جب قرآن کی کوئی آیت اترتی تو آپ ﷺ مردوں کی صف کو وہ آیت پڑھ کر سناتے۔ اس کے بعد عورتوں کی جماعت کی طرف جاتے اور ان کو بھی اسے پڑھ کر سناتے۔

﴿۱۶﴾ اسلام میں عورت کو بھی اظہار رائے اور اپنے خیال کو ظاہر کرنے کی پوری آزادی ہے۔ جس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

یہ وہ کلچر ہے جو قرآن اور صاحب قرآن محمد ﷺ نے پروان چڑھایا، یہ زندگی کا وہ نقشہ ہے جو خدا کی جانب سے انسان کو دیا گیا۔ ایک آفاقی ملت کی تعمیر کے لیے نبی ﷺ نے خاندانی نظام کے لیے حدود و ضوابط تشکیل دیئے۔ اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہیے اور کن چیزوں سے رکنا چاہیے قرآن نے سب بیان کر دیا۔ قرآن کا تصور ایسے صالح معاشرہ کے قیام کا ہے جس میں قبیلہ کی بجائے خاندان کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ لوگوں سے کہا گیا کہ عورت مرد کے رشتہ کو مساوی، منصفانہ اور محبت کی بنیاد پر قائم کریں۔ اور ماں باپ، شوہر و بیوی کے مابین اچھے رشتوں کی بنیاد پر ہی یہ صالح معاشرہ تعمیر ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلامی قانون وراثت میں عورت کا حصہ آدھا کیوں ہے؟

اسلام نے یہ روایت متعارف کرائی کہ جائیداد میں عورت کو بھی حق دیا جائے گا۔ اور یوں اس کو بااختیار و معاشی طور پر مضبوط بنایا جائے۔ عرب سماج میں صرف بیٹوں ہی کو وراثت ملتی تھی، مگر قرآن نے حکم دیا کہ جتنا بیٹوں کو حصہ ملتا ہے اس کا آدھا بیٹیوں کو بھی دیا جائے۔ اس وقت کے معاشرے میں یہ ایک انقلابی قدم تھا، کہ جہاں عورت کو بھی جائیداد کی مانند مانا جاتا اور بیٹا باپ کی طرف سے اُس کو بھی وراثت میں پاتا تھا، وہاں اُس کو اولاً تو ایک آزاد انسانی وجود سمجھا گیا دوسرے معاشی طور پر اس کو بااختیار بنایا گیا۔ قرآن نے حکم دیا کہ عورت کو باپ، شوہر، بیٹے اور یہاں تک کہ بے اولاد بھائی کی طرف سے بھی وراثت میں حصہ دیا جائے۔ سورہ نساء میں تین آیات میں (11 اور 12 اور 176) میں وراثت کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ ان آیتوں میں بچوں، والدین، اور شوہر و بیوی کے حصے متعینہ طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ اور ان کو انسان کی صوابدید پر نہیں چھوڑا گیا۔ قریبی رشتہ داروں کی عدم موجودگی میں بعض دور کے رشتہ داروں کو بھی وراثت میں حصہ کا حقدار بنایا گیا ہے۔ میراث کا یہ قانون خالق تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اور پُرتوازن ہے، اور مختلف حالات میں خاندان کے مخصوص افراد کو مختلف ذمہ داریاں اور حقوق دیتا ہے۔

آج کے تناظر میں میراث میں عورت کو مرد کا آدھا حصہ دینا[1] بظاہر ناانصافی پر مبنی معلوم پڑتا ہے مگر اس حکم کو اُس زمانہ کے عرب کے پس منظر میں دیکھیں جہاں عورت کو کچھ نہیں ملتا تھا، اور یہ تصور ہی نہیں تھا کہ عورت بھی جائیداد کی مالک بن سکتی ہے، اس کا نظم چلا سکتی ہے، اس کا استعمال کر سکتی اور اس میں سرمایہ کاری کر سکتی ہے، وہاں اس کو بھائیوں کے آدھے کا حقدار بنانا اس کو بااختیار بنانے کی طرف ایک بڑا قدم تھا۔ اِس طرح کوئی بھی اس حکم کی قدر کیے بنا نہیں رہے گا۔

---

[1] عورت کو مرد کا آدھا حصہ دے کر اسلام نے چھوڑ نہیں دیا وہ آدھے کا حقدار وہ اپنے باپ کی وراثت میں سے ہے اس کے علاوہ بیٹے، شوہر اور بے اولاد بھائی کے حصے میں بھی وارث ہے اس طرح اگر کل ملا کر حساب کیا جائے تو اس کا حصہ مرد کے برابر ہی بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری طرف دیکھا جائے تو عورت باپ، بھائی، بیٹے اور شوہر کی جائیداد میں حصہ دار لیکن مرد کی طرح اس نے کسی کو نان نفقہ ادا نہیں کرنا اور نہ ہی وہ معاش و کسب کرنے کی پابند ہے جیسا کہ مرد پر فرض ہے کہ وہ خاندان کی کفالت کرے، اب جب ہم ان تمام نکات کو مدنظر رکھ کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ اصل میں عورت مرد سے زیادہ فائدہ اٹھاتی ہے اور اس کا حصہ مرد سے زیادہ بن جاتا ہے۔ (مدثر بھٹی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب ایک دوسرے زاویئے سے دیکھیے کہ عام حالات میں گھر چلانے کی ساری ذمہ داریاں مرد پر ڈالی گئی ہیں۔ کما کر لانا، مکان کا انتظام کرنا، کھانے پینے اور کپڑے اور دوسری ضرورتیں پوری کرنا سب اس کا کام ہے، بچوں کی پرورش، ان کی تعلیم و تربیت پر آنے والا خرچ اٹھانا، عورت پر خرچ کرنا اور یہاں تک کہ بچوں کی شادی تک کے تمام اخراجات سب مرد کے اوپر ڈالے گئے ہیں۔ عورت کو ان سب سے آزاد رکھا گیا ہے۔ اور اس کے باوجود اس کو وراثت میں حصہ ملتا ہے جو مختلف حالات کے لحاظ سے کم و بیش ہوتا ہے تو ایسے میں اس کو جو حصہ ملا ہے وہ اس کی ذمہ داریوں کے حساب سے بالکل متناسب اور منصفانہ ہے۔ کیونکہ عورت اگر بیٹی ہے تو اس کا خرچہ باپ اٹھاتا ہے، بیوی ہے تو شوہر اٹھاتا ہے، بہن ہے تو بھائی اٹھاتا ہے اور بیوہ ہونے کی صورت میں بیٹا اٹھاتا ہے۔

اس لیے مرد و عورت کے درمیان تفریق برتنے کے الزام میں تو بہت زیادہ جان نہیں ہے۔ اس سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام مرد و عورت کے معاشی حقوق و فرائض کے درمیان ایک توازن قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مردوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی عورتوں و بچوں پر خرچ کریں جبکہ عورتیں اپنے اثاثوں کو بچا سکتی ہیں، ان میں سرمایہ کر کے ان کو بڑھا سکتی ہیں۔ مزید برآں مرد کو شادی کے بعد عورت کو مہر بھی دینا ہوتا ہے جو اُس کا حق ہے۔ اب فرض کریں کوئی آدمی مر گیا اور اپنے پیچھے ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ گیا، بیٹے کو مہر بھی ادا کرنا ہے کنبہ پر بھی خرچ کرنا ہے جس میں وہ بیٹی بھی شامل ہے جب تک اس کی شادی نہیں ہو جاتی، تو اِس طرح لڑکے کو جو ملا وہ تو کم ہوگا اور لڑکی کو جو حصہ ملا وہ محفوظ رہے گا بلکہ اگر وہ تجارت وغیرہ میں اس کو لگاتی ہے تو وہ بڑھ بھی جائے گا۔ پھر جب اس کی شادی ہو جائے گی تو شوہر اس پر خرچ کرے گا، اور اس کی طرف سے اس کو مہر بھی ملے گا۔ اس پر کچھ معاشی ذمہ داری نہ ہوگی۔ اب اس سے کوئی بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اسلام نے عورت کو زیادہ ترجیح دی یا مرد کو۔

عورت کی سماجی بااختیاری

یہ بھی مناسب ہے کہ اس پر بھی نظر ڈال لی جائے کہ اسلام نے عورت کو جائیداد میں کیوں حق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیا۔اس کے لیے اُس زمانہ کے معاشی وسماجی عوامل کو نظر میں رکھنا ہوگا جو سماج میں اس وقت پھیلے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے ساتویں صدی میں عرب میں ایک انقلابی مہم چلائی،اس وقت تک خاندان میں وہ سماجی رسوم ورواج جاری تھے جن کی رو سے عورت انسان نہیں بلکہ جائیداد کی مانند سمجھی جاتی تھی۔قبائلی سماج میں لوگ اپنے نسب اور قبائل کے شیوخ سے وفاداری کی بنیاد پر سماجی گروپوں میں جگہ پاتے تھے۔جن میں عورت کا کوئی متعینہ کردار نہ تھا۔باپ کی بیویاں،اس کے مرنے کے بعد بیٹے کو وراثت میں مل جاتیں اور ان بیٹوں کو اپنی (سوتیلی) ماؤں سے بھی ازدواجی تعلق قائم کرنے میں کوئی باک نہ ہوتا تھا۔اسلام اس فضا کو تبدیل کرنا چاہتا تھا،اس لیے اس نے عائلی قوانین دیئے۔جن میں مردوں کو عورتوں اور بچوں کی معاشی ضرورتیں پوری کرنے کا ذمہ دار بنایا۔اور یہ اصول دیا کہ تین چیزوں کی بنیاد پر ایک خاندان دوسرے سے الگ ہوگا:

1. کون کس سے پیدا ہوا۔
2. مصاہرت وسسرالی رشتہ کہ کس سے کس کی شادی ہوئی۔
3. رضاعی رشتہ کہ کس نے کس کا دودھ پیا۔

اس کے بعد اسلام نے محرمات کو بیان کیا کہ کن کن عورتوں سے نکاح نہیں ہوسکتا،اس سے اُس قبیح رسم کا خاتمہ ہوگیا کہ باپ کے بعد بیٹا اس کی بیوی کا مالک بن جاتا تھا۔اس کے بعد یہ قدم اٹھایا گیا کہ جو لوگ عورت پر ناجائز تعلقات کا الزام لگا دیا کرتے تھے ان کے لیے سزا (حدقذف) متعین کردی گئی۔دورجاہلیت میں عرب کے اندر یہ قبیح رسم رائج تھی کہ قبیلہ کے طاقتور افراد کسی عورت پر بدکاری کا الزام لگا دیتے یا بعض افراد کی ولدیت میں شک وشبہ کا اظہار کردیتے اور ان کو جائیداد میں حصہ نہ دیتے۔جس سے نہ صرف اُن عورتوں کی شبیہ خراب ہوتی بلکہ ان کے بچوں کو جائیداد سے بھی محروم کردیا جاتا،اس سے خونریزی،جارحیت اور سماجی نزاع برپا رہتا۔اس وجہ سے اسلام نے نکاح وطلاق کے اصول مقرر کیے،نکاح کے دستاویز کو لکھنا ضروری قرار دیا،حدقذف ولعان سے بدکاری کے الزام کا راستہ بند کردیا اور یوں عورت کے معاشی وسماجی حقوق محفوظ کردیئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلمان عورت کے فرائض

اسلام ایک متوازن دستورِ حیات ہے، وہ عورتوں کے حقوق متعینہ طور پر بتاتا تو ان کے فرائض بھی واضح کرتا ہے۔ چنانچہ درج ذیل کام مسلمان عورت کے فرائض میں شامل ہیں:

1. توحیدِ الٰہی پر ایمان اور اسلام کے تقاضوں پر عمل اس کا سب سے اہم فرض ہے، چنانچہ اسے پنجوقتہ نمازیں پڑھنی چاہییں، روزہ رکھنا چاہیے، زکوۃ دینی چاہیے (اگر اُس کے نجی مال پر زکوۃ واجب ہوتی ہو) اسی طرح اگر حج پر جانے کی استطاعت ہو تو حج پر جانا چاہیے۔

2. اس کا فرض ہے کہ ہر حال میں اپنی پاکیزگی و تقدس برقرار رکھے، اور شادی سے باہر ہرگز کسی سے ناجائز تعلق نہ رکھے۔

3. اس پر لازم ہے کہ اپنے وقار کا خیال رکھے اور باہر نکلتے وقت اور بالغ نامحرموں سے ملاقات کے وقت اپنے سر اور سینہ کو ڈھانپ کر رکھے۔

(ملاحظہ ہو قرآن، 30-31:24,59:33) نیز اُسے مرد کا لباس نہیں پہننا چاہیے۔

4. اس کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے اصولوں کے مطابق اپنے بچوں کی پرورش کرے، اسے کنبہ کی خبر گیری کرنی ہے، اور گھر کے تمام امور و معاملات چلانے ہیں۔ گرچہ خانہ داری کے امور باہمی مشورہ سے چلیں گے مگر گھر کی ملکہ وہی ہوگی۔

5. اُسے شوہر کی مددگار بننا چاہیے، وفادار بیوی شوہر کے لیے لباس کی مانند ہے جس سے اس کو سکون، خوشی اور طمانیت ملتی ہے۔

(ملاحظہ ہو قرآن، 30:21,2:187)

6. اگر اس سے اللہ تعالیٰ کی خلاف ورزی کے لیے کہا جائے تو اُسے اپنے شوہر، باپ اور بھائی کے خلاف جانے میں کوئی تردد نہ ہونا چاہیے۔

7. اسلام کی نظر میں شوہر و بیوی دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، کسی کو دوسرے پر غلبہ حاصل نہیں۔ دونوں میں سے ہر ایک کے اپنے انفرادی حق ہیں، ساتھ مل کر ہی دونوں خوش و خرم فیملی بنا سکتے ہیں جو صحت مند، توانا اور امن و سکون والے معاشرہ کے لیے ناگزیر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پردہ، نقاب

عورتوں کی پاکیزگی وعصمت کے تحفظ اور ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کے لیے یہ حکم دیا گیا کہ عورتوں کو ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہننے چاہئیں اور اپنی زینت کو چھپانا چاہیے۔ ان اضافی کپڑوں کو اوڑھنی، پردہ، دوپٹہ اور برقعہ کہتے ہیں۔ عرب ملکوں میں عبایا اور بعض ملکوں میں اسکارف کہتے ہیں۔ اس بارے میں قرآن کا حکم یہ ہے:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣١﴾

اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو ان میں سے کھلا رہتا ہو۔ اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹیوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجیوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں (کہ جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے۔ اور مومنو! سب خدا کے آگے توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ [1]

اپنے چال چلن میں مرد و عورت دونوں کو پاکیزہ رہنے اور نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ لوگ حجاب کے تصور کو عورت کے مخالف اس لیے سمجھتے ہیں کہ میڈیا ان آیتوں کا تذکرہ تو برابر کیے جاتا ہے جن میں عورتوں کو نگاہ پست رکھنے کا حکم دیا ہے مگر ان آیات کا کبھی تذکرہ نہیں کرتا جن میں مردوں کو بھی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے قرآن نے فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰

مسلمان مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہی ان کے لئے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے۔ [2]

آپ ﷺ نے ایسے اقدامات کی حوصلہ افزائی کی جن سے میاں بیوی کے رشتہ میں محبت اور زیادہ پائیداری قائم ہو جب کہ نامحرموں کے درمیان کسی ناشائستہ اور شہوت انگیز حرکت کی مکمل حوصلہ شکنی کی۔

حجاب اور ڈھیلے ڈھالے اور پاکیزہ ڈریس کے فوائد کو سب دیکھ سکتے ہیں آج بھی ان عورتوں کو سماج میں زیادہ عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جو اپنے وقار کا خیال رکھتی ہیں اور شائستہ لباس پہنتی ہیں۔ جب کہ وہ عورتیں جو چست کپڑے پہنیں، اپنی زیب و زینت کا سب کے سامنے اظہار کریں، اٹھلا کر اور سنگار کر کے چلیں جو فلموں میں ایکٹنگ اور ڈانس کریں، انہیں لوگ بدنگاہی سے دیکھتے ہیں، اپنی تفریح کی چیز سمجھتے ہیں اور ہر طرح کی اشتہار بازی کا سامان۔ چنانچہ ایسی عورتوں کو مانع حمل دواؤں، شیمپو، صابن، کاسمیٹک اور نسوانی زیر جامہ، سنگھار دان اور ماہواری صاف کرنے

[1] النور:31
[2] النور:30

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے تولیہ جیسی چیزوں کے اشتہار میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اوران کے ذریعہ عورتوں میں زیادہ سے زیادہ بدکاری اور جنسی آوارگی کو بڑھاوا دیا جاتا ہے۔

مغرب والے عورتوں کے لیے کم سے کم کپڑے اور مردوں کے لئے فل سوٹ بوٹ پسند کرتے ہیں۔ ان کا یہ رویہ خود ہی بتائے دیتا ہے کہ وہ عورتوں کے خلاف کیا تعصب رکھتے ہیں۔ ان کے لیے وہ محض عیاشی کی چیز ہے۔ مسلمان عورتوں کے حقوق کی خلاف ورزی پر مغرب سینہ کوبی کرتا ہے مگر وہ خود پردہ اور حجاب پر پابندی لگاتا ہے۔ وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ اگر عورت اپنی زیب و زینت کو محض اپنے شوہر کے لیے محدود کرلے اور دنیا کے سامنے ننگے پن کا مظاہرہ ٹی وی اسکرین پر بند کردے تو کاسمیٹک بنانے والی انڈسٹری کو 8 بلین ڈالر کا خسارہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ عورت جو برابر اسلام کے دامن عفت میں پناہ لے رہی ہے اور شکاری میڈیا سے اپنی نسوانیت کے تقدس کی حفاظت کررہی ہے اس پر مغرب کو بڑی فکر ہے۔ اگر سابق وزیر اعظم برطانیہ ٹونی بلیئر کی سالی لورین بوتھ، مریم جمیلہ (سابق مارگریٹ مارکوس) برطانوی صحافی یونے رڈلی یا ملیالم کی شاعرہ کملا ثریا اسلام کے دامن میں آکر عافیت محسوس کرتی ہیں تو یقینی طور پر یہ مغرب والوں اور مغرب کے آزادی نسواں کے علم برداروں دونوں کے لئے ایک غور وفکر کا مقام ہے کہ کیوں ''پرانا اور فرسودہ اسلام'' اتنی تعلیم یافتہ اور لبرل عورتوں کے دل میں بھی جگہ بنا رہا ہے؟

انہیں اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ کاسمیٹک اور کپڑا انڈسٹری جو اتنے بڑے پیمانہ پر اور نہایت مسرفانہ طریقہ پر فیشن پریڈ کرواتی ہے کیا وہ ننگے پن اور بے حیائی کو فروغ نہیں دے رہی ہے؟ انہیں یہ سوال کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ فواحش کے اس سیلاب میں بہہ کر کیا انہوں نے فرد کے سکون اور خاندان کے بکھراؤ سے سمجھوتا نہیں کرلیا ہے؟

حجاب ذہانت اور جدت کا نقطہ عروج

حال ہی میں یمن کی ایک مسلم خاتون کو جو اسلام پسند ہیں اور حقوق انسانی کے لیے کام کرتی ہیں اور جنہوں نے انقلابی تحریک میں بلند کردار ادا کیا، نوبل انعام دیا گیا۔ اس خاتون کا نام توکل کرمان ہے، جنہیں 2011 کا نوبل پرائز دیا گیا۔ توکل نے نوبل انعام کی تقریب میں ''عبایا''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہن کر شرکت کی تھی جو کہ ناروے کے شہر اوسلو کے سٹی ہال میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب میں توکل سے حجاب کے بارے میں جو سوال کیے گئے اور انہوں نے جو جواب دیا وہ غالباً ایک بہترین اور جامع خلاصہ ہے اس عزت واحترام اور تقدس کا جو اسلام عورتوں کو عطا کرتا ہے۔

ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ اپنے اونچے ذہنی معیار اور اعلیٰ تعلیم اور اپنے ڈریس کوڈ کے درمیان کوئی تضاد نہیں دیکھتیں، کیوں کہ حجاب کو عورتوں پر زیادتی اور پسماندگی کی علامت سمجھا جاتا ہے؟ توکل کرمان نے جواب دیا:

''انسانی تہذیب کے ابتدائی زمانوں میں انسان تقریباً ننگا رہا کرتا تھا جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا گیا، انسانی فکر میں ترقی آئی تو اس نے لباس پہننا شروع کیا۔ آج میں جو کچھ ہوں اور جو کچھ پہنتی ہوں وہ انسانی تہذیب اور انسانی تفکر کا نقطۂ عروج ہے جہاں انسان صدیوں کے سفر کے بعد پہنچا ہے۔ یہ پس ماندگی نہیں ترقی کی نشانی ہے۔ ننگا پن پسماندگی کی علامت ہے اور اس بات کی نشانی ہے کہ انسانی فکر تاریک زمانوں کی طرف رجعت کر رہی ہے۔''

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

چودھواں باب

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

غزوۂ احد

اجتماعی، دینی، روحانی و اخلاقی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری تھا، ساتھ ہی آپ ﷺ مدنی مسلمانوں کے تحفظ کے سلسلے میں بھی بیدار تھے۔ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ قریش چین سے بیٹھنے والے نہیں، وہ انتقام کی تیاری کریں گے۔ چنانچہ عم نبوی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خط آیا جس میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل لشکر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے چل پڑا ہے۔ آپ ﷺ کے پاس صرف ایک ہفتہ تھا جس میں آپ ﷺ کو مزاحمت اور دفاع کی منصوبہ بندی کرنی تھی۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رائے لینے کے لیے فوراً ہی شوریٰ بلائی گئی۔ دو آراء اُبھر کر سامنے آئیں۔ مدینہ میں رہ کر دشمن کا انتظار کیا جائے اور گھات لگا کر ان پر حملہ کیا جائے، یا مدینہ سے باہر نکل کر قریب کے میدان میں ان کا سامنا کیا جائے۔ آپ ﷺ کی اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر ہی مزاحمت کی جائے۔ اتفاق سے منافق اعظم عبداللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھی۔ تاہم صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت سے نوجوانوں نے اور خاص کر ان لوگوں نے جنھوں نے بدر میں حصہ نہیں لیا تھا، اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے مدینہ سے باہر جانے پر زور دیا۔ ان کے جوش و خروش کے باعث یہی دوسری رائے بھاری پڑ گئی اور اکثریت نے اسی سے اتفاق کر لیا۔ آپ ﷺ نے فیصلہ کو قبول کیا اور چوں کہ وقت بہت ہی کم تھا اس لئے فوراً گھر کے اندر گئے اور زرہ پہن لی۔ جب آپ ﷺ تیار ہو کر باہر آئے تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے پشیمانی محسوس کرتے ہوئے اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور کہا کہ وہ اس کے لیے راضی ہیں کہ فیصلہ پر نظر ثانی کر لی جائے اور مدینہ میں ٹھہر کر ہی مزاحمت کی جائے۔ مگر آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے قطعی انداز میں فرمایا کہ نبی جب ہتھیار پہن لیتا ہے تو واپسی کا کوئی سوال نہیں اٹھتا، فیصلہ اجتماعی طور پر ہوا ہے اس لیے باہر ہی چلیں گے۔

میدان احد میں

23 مارچ 625ء اور سن 3 ھ کو مسلمان لشکر مدینہ سے احد کی طرف روانہ ہو گیا جو مدینہ کے شمال میں چھ کلومیٹر کی دوری پر تھا۔ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی، مگر شہر سے نکلنے کے بعد منافق اعظم عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ اسلامی فوج سے الگ ہو گیا اور واپس چل پڑا، اس سے قبل بھی کئی موقعوں پر اس کی منافقت ظاہر ہو چکی تھی اور اب تو وہ روز روشن کی طرح سب کے سامنے آ گئی۔ اس نے بہانہ یہ بنایا کہ محمد نے لونڈوں کی بات مان لی اور ہم جیسے تجربہ کاروں کی رائے نہیں مانی۔ اس کی اس غداری سے مسلمان صرف سات سو رہ گئے اور خاصے کمزور ہو گئے۔

احد پہنچنے کے لیے مسلمانوں نے نسبتاً نامانوس راستہ اختیار کیا اور رہبری کے لیے پھر ایک بار آپ ﷺ نے ایک غیر مسلم پر اعتبار کیا جس کی معتبریت اس سے قبل بھی ثابت ہو چکی تھی۔ چنانچہ مسلمان صحیح انداز میں میدان احد پہنچ گئے۔ لوگوں نے اپنی پوزیشن پکڑ لی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوج پر اپنی حکمت عملی واضح کی۔ پہاڑی پر تیراندازوں متعین کر کے ان کو کہا گیا کہ ہر حال میں وہیں رہنا ہے جب کہ سواروں اور پیادوں کو میدان میں دشمن سے بھڑنا تھا آپ ﷺ نے تیز اندازوں سے کہا:

> اگر تم دیکھو کہ ہمیں قتل کر دیا گیا ہے پھر بھی ہماری مدد کے لئے اپنی جگہ نہ چھوڑنا، چاہے تم یہ دیکھو کہ پرندے ہماری لاشیں نوچ کر کھا رہے ہیں، جب تک میں خود تمھیں نہ بلاؤں تم یہیں ڈٹے رہنا۔ ہم جنگ میں جیتیں یا ہاریں تم ہر حال میں اپنی پوزیشن پر رہو اور دشمن کو اس جانب سے حملہ نہ کرنے دو۔

یعنی مسلمان لشکر جنگ جیتے یا ہارے ہر حال میں تیراندازوں کو اپنی پوزیشن پر رہنے اور دشمن کو اس طرف سے حملہ کرنے سے روکنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ دراصل یہی جگہ انتہائی نزاکت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی حامل تھی۔ دشمن کے ایک دستہ نے بالکل آغاز جنگ میں چکر کاٹ کر اس طرف سے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ جونہی وہ آگے بڑھے مسلم تیراندازوں نے ان کو تیروں پر رکھ لیا۔ اس لیے ان کو واپس جانا پڑا۔ یہ حکمت عملی کامیاب ثابت ہو رہی تھی۔

جنگ احد

میدان احد میں لڑائی شروع ہوگئی، مسلمان فوج نے بتدریج غلبہ پانا اور مشرکین کے لشکر کو پسپا کرنا شروع کر دیا، مسلمانوں نے غیر معمولی بہادری اور شجاعت کا ثبوت دیا۔ ان کے مرد تو مردِ میدان تھے ہی کئی عورتوں نے بھی عزیمت کی داستان رقم کی جن میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور ایک انصاری خاتون حضرت نصیبہ رضی اللہ عنہا کا نام تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ یوں تو حضور اکرم ﷺ نے کبھی عورتوں کو جنگ میں آنے اور حصہ لینے کی ترغیب نہیں دی اور یہ دونوں خواتین اصلاً زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور پانی پلانے کے لیے آئی تھیں مگر ضرورت پڑنے پر دونوں نے ہتھیار بھی اٹھا لیے۔ حضرت نصیبہ رضی اللہ عنہا کی جرات و شجاعت دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے ان کو دعا دی اور دشمن سے حفاظت اور ظفر مندی کی دعا فرمائی۔

کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت اور نقصانات کے باوجود مسلمانوں کی فتح پوری طرح ثابت ہو چکی تھی۔ دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ رہا تھا اس نے مال و اسباب اور گھوڑے وغیرہ سب چھوڑ دیئے۔ یہیں پر جبل رماۃ پر متعین تیراندازوں سے زبردست غلطی ہوگئی۔ انہوں نے دشمن کو بھاگتے اور مال و اسباب چھوڑتے ہوئے دیکھا تو رسول اکرم ﷺ کی ہدایت کو نظر انداز کر بیٹھے اور اپنے کمانڈر کا کہنا نہ مان کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور مال دولت بٹورنے میں لگ گئے۔ حضرت عبداللہ جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چند ہی آدمی بچے اور تقریباً 40 آدمی فتح کو حتمی سمجھ کر مورچہ چھوڑ بیٹھے، خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جو قریش کے تین ڈویژنوں میں سے ایک کی قیادت کر رہے تھے، انہوں نے تیراندازوں کا مورچہ خالی دیکھا۔ وہ جنگی امور کے غیر معمولی ماہر تھے فوراً ہی عقب سے چکر کاٹ کر مسلمانوں پر ہلہ بول دیا۔ مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ ہوتے ہی سامنے سے بھاگنے والے مکی فوجی رک گئے اور انہوں نے بھی جوابی حملہ کر دیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب مسلمان فوج دوطرفہ حملوں میں گھر چکی تھی، جس سے زبردست انتشار پھیل گیا۔ کچھ مسلمان شہید ہو گئے، بعض کچھ نہ سمجھ میں آنے کے باعث میدان ہی چھوڑ بیٹھے اور بڑی تعداد لڑتی رہی مگر انہیں بھی یہ نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ دشمن کہاں کہاں ہے اور کس جگہ حملہ کیا جائے۔ خود رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس زخمی ہو گئے، آپ ﷺ کو ایک پتھر لگا جس سے سامنے کے دو دانت شہید ہو گئے۔ پھر ایک پتھر اور آ کر لگا جس سے آہنی خود کی کڑیاں ٹوٹ کر آپ کے سر میں جا گھسیں، پیشانی میں بڑا سا زخم ہو گیا اور خون گرنے لگا۔ آپ ﷺ کو چکر آیا اور زمین پر گر پڑے لیکن جان باز صحابیوں نے جلد ہی آپ ﷺ کو محفوظ جگہ پہنچایا۔ اب دشمن آپ ﷺ پر بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہا تھا۔ لڑائی کا مرکز آپ ﷺ کے گرد کی جگہ بن گئی۔ دشمن کے ریلے کو روکتے ہوئے چھ جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے شہادت کا جام پی لیا۔ ساتویں شدید زخمی ہو گئے۔

اسی وقت یہ افواہ پھیلی کہ محمد ﷺ قتل کر دیے گئے۔ اس افواہ سے مسلمان اور بھی ہمت ہار بیٹھے آخر کار مسلمان آپ ﷺ کو لے کر ایک چٹان پر چڑھ گئے اور وہ میدان سے ہٹ کر ایک جگہ جمع ہونے لگے تاکہ دشمن اگر دوبارہ حملہ کرے تو پھر باقاعدہ جنگ کی جا سکے۔ مسلمانوں میں (مشہور قول کے مطابق) 70 افراد نے شہادت پائی تھی جب کہ مشہور عام روایت کے مطابق مشرکین میں سے بس 22-23 آدمی قتل ہوئے تھے۔

ہند حمزہ رضی اللہ عنہ سے انتقام لیتی ہے

حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان کی بیوی ہند کا نشانہ تھے۔ جس کے لیے اس نے ایک حبشی غلام وحشی کو تیار کیا تھا۔ ہند نے بدر کے بعد ہی سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کی قسم کھائی تھی۔ وحشی برچھی چلانے میں مہارت رکھتا تھا۔ اس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا سودا کیا گیا تھا چنانچہ جب پانسہ پلٹ گیا اور مسلمان مشکل میں گھر گئے تو وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلا اور گھات لگا کر ان کو برچھا مارا جو ان کے آر پار نکل گیا اور وہ موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ ہند بھی ان کی نعش تلاش کرتی ہوئی آئی، ان کا جگر نکال کر چبایا ان کے ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلے قریش نے اپنے مقتولوں اور اپنے سامانوں کو اٹھایا، اس کے بعد مسلمانوں نے اپنے شہدا کو ڈھونڈا، انہوں نے دیکھا کہ لاشوں کا مثلہ کیا گیا ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ناک کان کٹی نعش کو دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے غصہ میں آ کر فرمایا اگلی جنگ میں قریش کے تیس لوگوں کا مثلہ کیا جائے گا مگر وحی حق نے نازل ہو کر آپ ﷺ کو صبر و تحمل اور اعصاب پر قابو رکھنے کی نصیحت کی:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝۱۲۶

اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی۔
اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے۔[1]

چنانچہ آپ ﷺ نے زندہ یا مردہ ہر حال میں انسانی جسم کے احترام کا حکم دیا۔ کسی تعذیب یا ٹارچر کی اجازت نہیں دی تاکہ انسان کے شرف، عزت اور احترام کو برقرار رکھا جا سکے۔

تیر اندازوں کی نافرمانی

تیر اندازوں کی نافرمانی اور اپنے مورچہ کو جلد بازی میں چھوڑ دینے کے نتائج بھیانک ہوئے اور اس نے جیتی ہوئی جنگ کو ہاری ہوئی بازی میں بدل دیا۔ اصل میں زمانہ جاہلیت میں لوٹ پاٹ جنگ کا ایک ناگزیر حصہ ہوا کرتی تھی، اور دشمن کے اسباب کو لوٹنا فاتح فوج کا حق ہوتا تھا۔ نبوی تربیت اور نئے اسلامی کلچر کے باوجود ان تیر اندازوں میں بھی جاہلی نفسیات یکدم عود کر آئی اور وہ شدید تاکید نبوی کے باوجود ایسی بھیانک غلطی کر بیٹھے۔ غزوۂ احد پورا مختلف عبرتوں اور سبقوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کڑی سے کڑی تعلیم و تربیت کے باوجود پرانی فضا اور کلچر کے اثرات عود کر آتے اور انسانی جبلی کمزوریاں سر ابھار لیتی ہیں۔ اس لئے انسان کے مستقبل کے بارے میں کچھ بھی حتمی اور یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ خالد بن ولید جن کی زیر کی نے احد میں پانسہ پلٹ کر مشرکین کے حق میں کر دیا۔ ان کو چند سال بعد مسلمان ہونا تھا اور عسکری

---

[1] النحل: 126

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاریخ میں مسلمانوں کا سب سے بڑا ہیرو بنتا تھا اس لیے کہ اس حقیقت سے کہ ''کوئی بھی چیز بھی حتمی نہیں ہوتی'' انسان میں انکساری و عاجزی آتی ہے اور اسی سوچ سے ''کہ کسی کے بارے میں بھی حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا'' امید کی کرن باقی رہتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، دانش مندی

مسلمان مدینہ لوٹ آئے تیر اندازوں کی نافرمانی سے جنگ کا نقشہ بدل گیا جس سے ان میں غم و غصہ اور گہری کسک پیدا ہو گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمیت بڑے بڑے صحابی رضی اللہ عنہم بھی زخمی تھے۔ لیکن رسول اکرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلیٰ درجہ کے جنگی قائد بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بصیرت نے تاڑ لیا کہ دشمن جلدی میں واپس بھلے ہی ہو گیا ہو جلد ہی لوٹ کر مدینہ پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خدشہ بالکل صحیح نکلا۔ کہ راستہ میں قریش نے تھوڑی دور جا کر پڑاو ڈالا۔ تو آپس میں کانا پھوسی شروع ہو گئی۔ سب سردار اور لیڈر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ

''ہم نے تو کچھ کیا ہی نہیں یہی تو موقع تھا جب دشمن کی قوت کو پوری طرح کچل دیا جاتا۔ مدینہ میں گھس کر لوٹ مار کی جاتی۔ ورنہ مسلمان کچھ دنوں بعد پھر سنبھل کر ہم سے لڑنے آ جائیں گے۔ اس لیے چلو مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کی طاقت کو پوری طرح تہس نہس کر ڈالتے ہیں۔''

اس طرح کی باتوں کے بعد وہ واپس ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کا پروگرام بنانے لگے۔

مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بصیرت سے آنے والے اس خطرہ کو محسوس کر کے کوئی وقت ضائع نہیں کیا اور احد میں شریک تمام مسلمانوں کو یہاں تک کہ جو زخمی تھے، ان کو بھی فوراً تیار ہونے کا حکم دیا گیا۔ عبداللہ ابن ابی نے اُحد سے پہلے ہی اپنے تین سو آدمیوں کے ساتھ فرار ہو کر غداری کی تھی، اب اس نے گزارش کی کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھی ساتھ لے لیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قطعی طور پر انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی فوج لے کر مدینہ سے 12 کلومیٹر دور حمرا الاسد میں جا کر قیام پذیر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر فوجی کو حکم دیا کہ کھلے میدان میں آگ جلائے جس سے دشمن کو یہ محسوس ہو کہ ایک عظیم لشکر حرکت میں ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معبد الخزاعی کو (جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے، مشرک تھے) قریش کے لشکر میں بھیجا جنہوں نے قریش کے مختلف لیڈروں سے مل کر ان کو بتایا کہ محمد ﷺ نئی فوج لے کر آرہے ہیں جس میں وہ سب لوگ بھی ہیں جو احد میں شامل نہ ہوئے تھے اور وہ اتنی بڑی فوج ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔ ابوسفیان اور دوسرے سردار یہ سن کر خوف زدہ ہوگئے ان کا منصوبہ دھرا رہ گیا اور انہوں نے تیزی سے مکہ کی راہ لی۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی حمراالاسد میں تین دن قیام کیا پھر آپ ﷺ بھی مدینہ لوٹ آئے۔

''شوریٰ'' باہمی صلاح ومشورہ

احد کے چند دنوں بعد وحی آئی اور اس میں احد کے دوران ہونے والے واقعات پر تبصرہ کیا گیا یعنی اسٹریٹجیک معاملات میں نااتفاقی، تیراندازوں کی زبردست غلطی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت اور آپ ﷺ کے رویہ کو موضوع بحث بنایا گیا۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے، جن میں مال وزر کی چاہت کی لہر میں بہ جانے والے تیرانداز بھی تھے، سابقہ محبت ودلداری سے پیش آرہے تھے۔ چنانچہ قرآنی آیات میں عمومی ماحول، بعض لوگوں کے اندر پائی جانے والی دنیا کی حرص پر تبصرہ اور باہمی مشاورت کی ضرورت واہمیت کے ساتھ آپ ﷺ کے اخلاق طیبہ کی تحسین فرمائی گئی۔ فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ﷺ ان پر رحم دل ہیں اور اگر آپ ﷺ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ ﷺ کے پاس سے بھاگ جاتے، سو آپ ﷺ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں پھر جب آپ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں بیشک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔[1]

احد میں معاملات یوں شروع ہوئے تھے کہ شروع میں آپ ﷺ کی رائے کے خلاف فیصلہ لیا گیا، پھر جبل رماۃ پر متعین تیراندازوں سے نافرمانی ہوئی۔ اس آیت میں قرآن شوریٰ کی ضرورت پر روشنی ڈالتا ہے۔ اور یہ اصول بیان کرتا ہے کہ کسی بھی معاملہ میں پہلے صلاح ومشورہ کیا جائے اور پھر اکثریت کی رائے کی پیروی کی جائے۔ اس کے تاریخی نتائج کیا ہوں گے اس سے قطع نظر اور بشری غلطی کے امکان کے باوجود اکثریت کی رائے کا احترام ضروری قرار دیا گیا۔ ''مسلمان وہ ہیں جن کے معاملات باہمی مشاورت سے چلتے ہیں۔'' اس اصول کی پیروی کی جائے گی گرچہ اس کے نفاذ کی عملی شکلیں زمانہ کے لحاظ سے بدل سکتی ہیں۔

جہاں تک تیراندازوں کی غلطی کا معاملہ ہے تو قرآن نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے دل کی بڑائی، آپ ﷺ کی نرم خوئی اور دل داری نے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک پلیٹ فارم پر اکھٹا کیا ہوا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو درشتی سے ڈانٹا ڈپٹا نہیں نہ ان کے مال کے لالچ کی مذمت کی۔ بلکہ آپ ﷺ نے پیار سے ان کے بوجھ کو ہلکا کیا اور اس انداز میں سمجھایا کہ اس غزوہ سے انہوں نے کئی سبق سیکھے۔ وہ اپنے آپ کو قصوروار مان کر احساس خطا سے دبے ہوئے تھے آپ ﷺ نے اس سے انہیں باہر نکالا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے اور ان کی غلطی کو معاف کر دیا گیا ہے۔

فتح یا شکست

غزوہ احد کی تفصیلات کم وبیش اوپر گزریں۔ مورخین وسیرت نگاروں میں اس پر بھی بحث ہوئی ہے کہ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی یا نہیں؟

یہ تو بالکل واضح ہے کہ لڑائی کے دوسرے اور آخری مرحلہ میں مشرکین مکہ کا پلہ بھاری رہا۔ انہوں نے مادی اعتبار سے مسلمانوں کو خاصا نقصان پہنچا دیا، یہاں تک کہ بعض مسلمان میدان

[1] آل عمران:159

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی چھوڑ گئے۔ تاہم اس کو عام معنوں میں کفار مکہ کی فتح بھی نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ مکی فوج مسلمانوں کے کیمپ پر قبضہ نہیں کر سکی اتنا ہی نہیں وہ تو میدان بھی مسلم فوج سے پہلے ہی چھوڑ گئے۔ مدینہ پر حملہ کرنے کا خیال ان کو بعد میں آیا۔ مسلمان دوطرفہ حملوں کی زد میں تھے اس کے باوجود آخر میں انہوں نے اپنے شیرازہ کو جمع کر لیا اور اپنے قلب کی جان لڑا کر حفاظت کی۔ مسلمانوں میں سے کوئی گرفتار بھی نہیں ہوا۔ مدینہ چند میل کے فاصلے پر تھا اگر مکیوں کو فیصلہ کن فتح ہوتی تو وہ مدینہ کی لوٹ مار سے باز آنے والے نہ تھے۔ غزوہ احد میں بس یہ ہوا کہ جنگ کے دوسرے راؤنڈ میں مکیوں نے مسلمانوں کو جانی نقصان زیادہ پہنچا دیا اور اسی کو کافی سمجھ کر وہ جلدی سے واپسی کے لیے کوچ کر گئے۔ کیوں کہ انہیں ڈر تھا کہ اگر جنگ کا تیسرا راؤنڈ ہوا تو پھر مسلمان بھاری پڑ جائیں گے۔ وہ مسلمانوں کی فوجی قوت کو توڑ نہیں سکے اور جو جانی خسارہ مسلمانوں کو ہوا وہ کوئی غیر متوقع بھی نہ تھا کہ فاتحین کو بھی جنگ میں نقصان ہوتا ہی ہے۔ کل ملا کر کسی بھی طرح اس جنگ میں قریش کو فاتح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

خاص طور پر غزوہ حمراء الاسد سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ جس کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ جس لشکر کو (قریش کو) بظاہر جیت ملی ہے وہ آگے آگے جا رہا ہے اور اس کا تعاقب زخم خوردہ مدنی لشکر کر رہا ہے جو جسمانی طور پر نقصان میں تھا۔ حقیقت میں حمراء الاسد کا واقعہ کوئی الگ اور مستقل جنگ نہ تھی بلکہ وہ غزوہ احد ہی کا ایک تسلسل تھی جس میں ہر پارٹی کو کچھ کامیابی اور کچھ ناکامی ملی تھی۔ قرآن نے پورے منظرنامہ پر یوں تبصرہ کیا ہے:

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

اور کفار کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو جس طرح تم بے آرام ہوتے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں اور تم خدا سے ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے اور خدا سب کچھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جانتا اور (بڑی) حکمت والا ہے [1]

قرآن کی آیت صراحت کے ساتھ فریقین کے رویوں کو بتاتی ہے کہ جسمانی و مادی ضرر دونوں کو پہنچا، زخم دونوں کو لگے دونوں پارٹیاں اس حال میں میدان سے لوٹیں کہ معاملہ برابر برابر تھا، نہ کسی کی فتح ہوئی تھی نہ شکست۔

غزوۂ احد کا سبق

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے غزوۂ احد کے ذکر میں تفصیل سے اس کے الوہی اور روحانی سبق اور عبرتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ لکھتے ہیں:

''احد کی داستان میں اور مسلمانوں کو پہنچنے والے ضرر میں کئی سبق پوشیدہ ہیں، ان میں یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کی نافرمانی اور جس چیز سے روکا گیا تھا اس کو کر ڈالنے کا برا انجام مسلمانوں نے بچشم سر دیکھ لیا۔ کیوں کہ نبی ﷺ نے تیراندازوں کو نہایت تاکیدی حکم ''اپنی جگہ نہ چھوڑنا'' کا دیا تھا پھر بھی وہ مال کی حرص سے مغلوب ہو کر اسے چھوڑ بیٹھے تھے۔''

دوسرا سبق یہ تھا کہ نبی ﷺ اور اصحاب نبی کو بھی تھوڑی سی ہزیمت دے کر آزمایا گیا اور اہل نفاق بالکل چھنٹ گئے۔ کیوں کہ اگر مسلمانوں کو مسلسل فتح ہی فتح ملتی رہتی تو منافقین نفاق کے لبادہ میں چھپے رہتے اہل ایمان میں ہی شامل رہتے اور مادی فائدہ اٹھاتے۔ آزمائش سے دونوں گروہ الگ الگ ہو کر سامنے آ گئے۔ لیکن اگر اہل ایمان کو شکستیں ہی ملتی رہتیں تو ایمان کا مشن کبھی پورا نہ ہو سکتا تھا۔ اب مسلمانوں نے گھر کے بھیدیوں کو اور اندر کے دشمن کو اچھی طرح پہچان لیا تھا کیوں کہ اہل ایمان کا شیوہ یہ تھا کہ مصائب پر صبر کرتے اور اپنے موقف پر جمے رہتے تھے۔ جب کہ منافقین کو فائدہ ہوتا تو خوشی سے اچھلتے پھرتے اور تھوڑا سا بھی نقصان پہنچتا تو بلبلا اٹھتے تھے۔

شاہی میں گدائی

پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا:

[1] النساء:104

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"عاجزی اور ادب خود خدا کی تکبیر و تقدیس کے طریقے ہیں"

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

انگریزی میں عاجزی کو Humuility کہتے ہیں اور یہ لفظ لاطینی کے Humus سے نکلا ہے جس کا معنی زمین ہوتا ہے۔ اسی مادہ سے Huminis اور Human Being (بمعنی انسان) ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم خاک سے اٹھے ہیں اور خاک ہی میں مل جائیں گے۔ انگلو سیکسن محاورہ میں لفظ Lowly (بمعنی نیچے، پست) بھی تقریباً یہی معنی دیتا ہے۔ یہ دونوں لفظ بتاتے ہیں کہ انسان انسان ہے نہ کم نہ زیادہ۔ اور یقیناً وہ خدا تو ہرگز نہیں ہوسکتا قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾

اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑ کو پہنچ سکتا ہے۔ [1]

اور ایک جگہ فرمایا:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾

لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا اور زمین پر اترا کر نہ چل، کسی تکبر کرنے والے اور شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ [2]

خود نبی کریم ﷺ نے اس طرح زندگی گزاری ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ خدا کی خشیت اور خوف کے مارے عاجزی و انکساری کی تصویر بنے رہتے تھے۔

مدینہ میں آپ ﷺ ایسے مکان میں رہتے تھے جو کچی اینٹوں کا بنا تھا۔ یہ لمبا مکان تھا اور جس کی چھت بہت نیچی تھی اور کھجور کے پتوں کی تھی اور آپ ﷺ نے خود ڈالی تھی۔ مکان میں

[1] بنی اسرائیل:37

[2] القمان:18

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کھلی کھڑکیاں تھیں۔ اس مکان کو مختلف حجروں میں تقسیم کر دیا گیا تھا جس میں امہات المومنین قیام پذیر تھیں۔ خود آپ ﷺ کا اپنا کوئی مخصوص حجرہ نہ تھا جیسے کہ اس دور میں خیمے کا بدو مالک رہا کرتا تھا۔ بعد میں آپ ﷺ نے مکان میں ایسا ہی پردہ بھی ڈلوالیا تھا جیسا کہ صحرا میں بدوؤں کے خیموں میں ہوا کرتا ہے۔ آپ ﷺ نہایت سادہ اور منکسرانہ زندگی گزارتے تھے۔ دن میں آپ ﷺ اس زمانے کے سب سے زیادہ مصروف انسان تھے کہ آپ ﷺ بیک وقت مملکت کے صدر، چیف جسٹس، کمانڈر ان چیف اور معلم انسانیت سبھی کچھ تھے۔ اپنے آپ ﷺ میں ایک کائنات تھے۔ راتوں میں آپ ﷺ سب سے بڑے عابد و زاہد ہوا کرتے۔ ایک تہائی رات آپ ﷺ اللہ رب العزت کے آگے سر بسجود رہتے۔ اس کے آگے روتے، گڑگڑاتے۔ دعا فرماتے کہ خدایا اتنی قوت دے کہ اپنے فرائض بجالاسکوں۔

آپ ﷺ کے گھر کا ساز و سامان کھجور کی چھال کی چٹائی، کمبل اور اسی طرح کے سادہ سے سامان پر مشتمل تھا۔ حالانکہ آپ ﷺ پورے جزیرۃ العرب کے بااختیار حکمران تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی اتنی سادہ اور سخت تھی کہ ایک بار امہات المومنین تک نے آپ ﷺ پر زور ڈالا کہ کچھ دنیوی آسائش کی چیزیں بھی ہونی چاہییں۔ مگر ان کا مطالبہ کبھی پورا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ کبھی میز پر کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ بدوی انداز میں زمین پر اکڑوں یا گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ کھانے میں آپ ﷺ صرف دایاں ہاتھ استعمال کرتے، ایک چھری بھی کبھی کبھار استعمال کرتے۔ انتہائی سادہ لباس پہنتے۔ جس لبادہ میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ جس گھر سے روشنی نکلی اور اس نے ساری دنیا کو منور کر دیا خود اس میں چراغ نہیں جلتا تھا کیوں کہ جلانے کے لئے تیل نہیں ہوتا تھا۔

تمام اختیارات کے مالک ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اپنے پیچھے گھر والوں کے لیے کچھ نہیں چھوڑا نہ ہی آپ نے کوئی وصیت کی۔ آپ ﷺ نے صرف یہ فرمایا تھا

"ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ میں دینا ضروری ہے۔"

یہ اس شخص کے الفاظ تھے جسے دنیا کی سب سے بڑی ایمپائر کا بانی بننا تھا اور جسے خوب معلوم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا کہ اس کے امتی اس مملکت میں جلد ہی ایشیا، افریقہ کو ختم کر لیں گے اور یورپ کی سرحدیں پار کر چکے ہیں گے۔

میں تو بس ایک مسافر ہوں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جزیرہ نما عرب کے تاجدار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد ایسے جانبازوں کی جماعت تھی کہ جن کی دوسری مثال چشم فلک نے پوری انسانی تاریخ میں کبھی نہیں دیکھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے گئے۔ کہتے ہیں کہ:

> ''جب میں گھر میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی چھال سے بنی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ کرتا اتارا ہوا ہے، چٹائی کے نشانات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر پر دکھائی دے رہے ہیں۔ لکڑی کی میز اور تھوڑا سا جو ایک کونہ میں رکھا ہوا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکا اور رو دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''عمر (رضی اللہ عنہ)، کس وجہ سے روتے ہو؟'' میں نے جواب دیا: ''قیصر و کسریٰ کتنے عیش کے ساتھ رہتے ہیں اور آپ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی زیادہ مشقت برداشت کر رہے ہیں؟'' یہ الفاظ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور فرمایا: ''زمین پر تم کیا چاہتے ہو عمر؟ (رضی اللہ عنہ) کیا تم نہیں چاہتے کہ یہ لوگ دنیا حاصل کریں اور ہم آخرت حاصل کریں؟''۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری سالوں میں مدینہ میں دولت کی ریل پیل ہو گئی تھی۔ مگر خوش حالی کے ان دنوں میں بھی کتنے ہی دن گزر جاتے تھے اور عرب کے تاجدار کے گھر میں چولہا نہ جلتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا کھجور اور پانی ہوا کرتا تھا۔ گھر والے بھی کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے کیوں کہ شام میں کھانے کے لیے کوئی چیز نہ ملتی تھی۔ ایک صحابی حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے پوچھا کہ اتنی کم مقدار خوراک کتنے دن تک چل جاتی۔ تو انہیں بتایا گیا کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوراک کھجور اور پانی ہوتا تھا۔ اور تین تین دن تک گھر میں آٹا نہ ہوتا،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حتی کہ جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی ہے تب بھی گھر کی حالت یہی تھی۔

ایک بار ایک انصاری عورت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور اس نے حضور ﷺ کا بستر دیکھا جو ایک چادر کا تھا وہ واپس گئی اور اس نے ایک اونی بستر آپ ﷺ کے لیے بھجوایا۔ جب آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو انہوں نے کہا:

"یا رسول اللہ ایک انصاری عورت آئی تھی اس نے آپ ﷺ کے بستر کو دیکھ کر یہ بستر آپ ﷺ کے لیے بھجوایا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے واپس کردو" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسے واپس کرنا مناسب خیال نہ کیا اور گھر میں رکھنا بہتر سمجھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "عائشہ! (رضی اللہ عنہا) خدا کی قسم اگر میں چاہتا تو خدا میرے لیے سونے چاندی کے پہاڑ بنا دیتا۔"

ایک بار آپ ﷺ ایک کھردری چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے جس سے جسم اطہر پر نشان پڑ گئے تھے۔ اس حال میں کسی صحابی نے آپ ﷺ کو دیکھ کر کہا:

یارسول اللہ! اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو ہم آپ ﷺ کے لیے ایک نرم بستر بنوادیں" فرمایا: بھائی، مجھے دنیا و مافیہا سے کیا لینا؟ میں تو ایک مسافر ہوں جو کسی سایہ کے نیچے تھوڑا سا آرام کرتا ہے اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے"۔

نرم دم جستجو

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنے گھر کے کاموں میں خوب ہاتھ بٹاتے تھے۔ اپنے کپڑوں میں ٹانکا لگا لیا کرتے، جوتوں کی مرمت کر لیتے، بکری کا دودھ دوھ لیتے، مشکیزہ ٹھیک کر لیتے، بازار سے سودا سلف لا دیتے اور جانوروں کو چارہ دے دیتے۔ اگر کوئی خادم ہوتا تو آپ ﷺ کام میں اس کی مدد کرتے۔" حضرت عائشہ صدیق X رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بتایا کہ آپ ﷺ سب سے زیادہ خوش مزاج تھے۔ ہمیشہ مسکراتے رہتے لوگوں سے خندہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیشانی سے ملتے حقیقت یہ ہے کہ آپ سے زیادہ مہربان اور خوش مزاج کوئی نہ تھا۔''

سواری کے لیے آپ ﷺ گھوڑا پسند فرماتے اور اس کی آنکھیں، ناک اور منہ اپنے ہاتھوں سے صاف کر دیا کرتے۔

اپنے لیے کوئی امتیاز نہیں

محمد ﷺ کبھی دوسروں سے آگے ہٹو بچو کے ساتھ نہیں چلتے تھے بلکہ بچہ غلام وغیرہ کوئی بھی آپ ﷺ کے آگے آگے چل سکتا تھا۔

مجلس میں آپ ﷺ نے کبھی اپنے لیے خاص نشست مخصوص نہیں کی، بلکہ جہاں بھی آپ ﷺ کو جگہ مل جاتی آپ ﷺ بیٹھ جاتے، جب آپ ﷺ گزرتے اور لوگ آپ ﷺ کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تو آپ ﷺ ان سے بیٹھنے کے لیے کہتے۔ اپنے اعزاز میں کھڑا ہونا آپ ﷺ پسند نہ کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں، میں تمہاری ہی طرح کھاتا ہوں، جب تھک جاتا ہوں تو بیٹھ جاتا ہوں۔'' جب آپ ﷺ تھکے ہوتے تو آنے والوں کا استقبال گھٹنوں کے بل یا زمین پر بیٹھے بیٹھے کرتے۔ دوسرے لفظوں میں آپ نے اپنے لیے کوئی امتیازی شان قائم نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾

رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل ان کو خطاب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں، سلام علیکم۔ [1]

اور میں لکڑیاں جمع کروں گا

ایک سفر میں آپ ﷺ نے صحابہ سے ایک بکرا بھوننے کے لیے کہا، ایک صحابی نے بکرا

[1] الفرقان: 63

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ذبح کیا دوسرے نے اس کی کھال اتارنے کی ذمہ داری لی تیسرے نے اسے پکانے کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اور میں لکڑیاں جمع کروں گا۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ ہم خود سارا کام کرلیں گے۔" فرمایا میں جانتا ہوں کہ تم کرلو گے۔ لیکن اس سے تم میں اور مجھ میں امتیاز قائم ہو جائے گا جسے میں پسند نہیں کرتا۔ خدا ان بندوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ساتھیوں پر برتری کا رویہ اختیار کرتے ہوں۔"

آپ ﷺ اتنے منکسر المزاج تھے کہ آپ ﷺ نے ایک بار فرمایا" خدا کی قسم گرچہ میں خدا کا پیغمبر ہوں لیکن نہیں جانتا کہ میرا کیا ہوگا اور تمہارا کیا ہوگا۔"

تحمل مزاجی

ایک بار آپ ﷺ نے ایک یہودی زید بن سعنہ سے کچھ روپے ادھار لیے۔ قرض واپس کرنے کی جو مدت تھی اس سے کئی دن قبل ہی وہ تقاضا کرنے آ گیا اور درشت لہجہ میں بولا:

"تم آل مطلب قرض ادا کرنے میں ہمیشہ دیر کرتے ہو"۔

آپ ﷺ نے اس کی بے جا زیادتی کا کوئی جواب نہ دیا صرف اتنا کہا:

"بھائی ابھی تو مدت متعینہ میں تین دن باقی ہیں۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موقع پر موجود تھے۔ وہ یہودی پر بہت ناراض ہوئے اور اسے ڈانٹا اور قریب تھا کہ اسے پیٹ دیتے کہ آپ ﷺ نے مداخلت کی اور فرمایا تمہیں میرے اور زید کے ساتھ اس سے بہتر سلوک کرنا چاہیے تھا۔ مجھ سے کہتے کہ اس کا قرض ادا کر دیجئے اور اس سے کہتے کہ شائستگی سے تقاضا کرے۔ اب اسے ساتھ لے جاؤ اور اس کا قرض ادا کر دو اور تم نے جو اسے برا بھلا کہا ہے اس کے لیے 20 صاع کھجور زیادہ دو۔ (20 صاع تقریباً 40 کلو ہوتے ہیں) اس واقعہ میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ آپ ﷺ اتنی انکساری اس عالم میں برتتے ہیں کہ آپ ﷺ مدینہ کی اسلامی ریاست کے سربراہ ہیں۔

بے نظیر بردباری

رسول اللہ ﷺ دوسروں کے درمیان مساوات کے ساتھ رہتے تھے۔ شدید تنقید اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شتعال انگیزی سے بھی آپ ﷺ مشتعل نہیں ہوتے تھے۔ ایک بار ایک بدو آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کی چادر پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ چادر کا نشان گلے میں پڑ گیا۔

بدو نے کہا! ''یا محمد مجھے دو اونٹوں کے بوجھ کے برابر سامان دو کیوں کہ جو مال آیا ہے وہ نہ تمہارا ہے نہ تمہارے باپ کا ہر چیز خدا کی ہے'' اور ''میں خدا کا بندہ ہوں''

آپ ﷺ نے فرمایا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اس سے پوچھا جس سختی سے تم نے مجھ سے سلوک کیا تمہیں اس پر ڈر نہیں لگتا؟

وہ بولا نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا، کیوں؟

کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے۔

اس نے جواب دیا۔ یہ سن کر آپ ﷺ مسکرا دیئے اور اسے ایک اونٹ بھر کر جو اور ایک اونٹ کے برابر کھجور دلوا دی۔

شفیق و مہربان

ایک حبشی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی ایک دن آپ ﷺ کو وہ نظر نہیں آئی تو اس کے بارے میں دریافت کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ اس کا انتقال ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے مجھے کیوں نہیں اطلاع دی؟ مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے اور اس کے لیے دعا فرمائی۔

چشم فلک نے ایسا فاتح نہیں دیکھا

فاتحین میں عام طور پر دو جذبوں کا اثر ہو جاتا ہے، ایک فخر کا اور ایک انتقام کا۔ لیکن سن 8 ہجری میں اللہ کے رسول ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ان دونوں میں سے کسی بھی چیز کا اظہار نہیں کیا۔ آپ ﷺ کی فتح پیغمبرانہ فتح تھی۔ ابن اسحاق کے مطابق آپ ﷺ مکہ میں سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے اور اتنی عاجزی کے ساتھ کہ آپ ﷺ کی داڑھی اونٹ کی نکیل کو چھو رہی تھی۔ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے خطاب فرمایا جس میں آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ساری حمد وثنا خدائے عز وجل کے لیے ہے، جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور تنہا تمام دشمنوں کو شکست دی۔

دوسرے الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ پر کوئی فخر نہیں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے طور پر اس کی نسبت خدا کی طرف کی۔

شانِ عبدیت

ایک بار ایک صحابی نے کہہ دیا ''اگر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول چاہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ متغیر ہو گیا، فرمایا: ''تم مجھے خدا کے برابر کر دینا چاہتے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناگواری کے ساتھ پوچھا، پھر ان سے کہا کہ یوں کہیں ''اگر تنہا اللہ چاہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید تنبیہ فرمائی: ''تم میری تعریف میں ایسا مبالغہ ہرگز نہ کرنا جیسا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں کیا، تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو (یعنی خدا کا بیٹا یا خدائی قوتوں کا مالک مت قرار دینا)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہود و نصاریٰ پر لعنت ہو جنھوں نے اپنے انبیاء ورسولوں کی قبروں کو پوجا پاٹ کی جگہ بنا لیا۔''

سکینت اور وقار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اپنی عملی زندگی کے ہر زاویئے میں کاملیت کا نمونہ تھی۔ تمکنت، سنجیدگی اور وقار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حسنہ کے ذکر جمیل کے لیے پوری جلدیں درکار ہیں تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان نہیں ہو سکتے۔ تاہم سب سے خوبصورتی اور جامعیت اور بلاغت کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کو بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''کان خلقه القرآن'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ چلتا پھرتا قرآن تھے۔ قرآن نے جن چیزوں کو کرنے کا حکم دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مجسم نمونہ تھے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شور وشغب کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ متانت، سنجیدگی اور وقار کا خیال ہر قول و فعل میں رکھتے تھے۔حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو نماز کے لیے بھی دوڑنے سے منع کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے:

''سکون اور وقار سے انسان کی ذات بلند ہوتی ہے۔''

ایک بار حج کے موقع پر شور و ہنگامہ، جلد بازی اور افراتفری مچی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا کوڑا اٹھایا اور فرمایا:

''غیر ضروری جلد بازی میں کوئی فضیلت نہیں۔'' اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نظم ونسق بحال کیا۔

مسکراہٹ بھی صدقہ ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر ابن آدم کو روز جب سورج نکلے تو صدقہ کرنا چاہیے۔ لوگوں نے پوچھا: ہم روزانہ کیسے صدقہ کر سکتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا:

''خیر کے راستے بہت ہیں، معروف کا حکم دینا، منکر سے روکنا، راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا، گونگے بہرے کی بات سننا، اندھے کو راستہ دکھانا، آدمی کی جو ضرورت ہو اُسے پوری کر دینا، کوئی آدمی مدد مانگ رہا ہو تو تیزی سے دوڑ کر اُس کے پاس جانا، کمزور آدمی کا ہاتھ پکڑ کر سہارا دینا۔ یہ سارے کام صدقہ کے ہیں جو تمہیں بتائے گئے ہیں''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید اضافہ کیا: اور تمہارا اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا بھی صدقہ ہے''۔

❁❁❁❁❁❁

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پندرھواں باب

خندق، غدر اور ایک تدبیر

مدینہ کے مسلمانوں کے لیے حالات اور زیادہ سخت ہو گئے۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں نے جو نقصان اٹھایا اس کے اثرات بڑے دور رس پڑے۔ سب سے بڑا نقصان تو یہی تھا کہ آس پاس کے قبائل اور لوگوں کی نظروں میں ان کا وقار جاتا رہا۔ اب عرب میں مدینہ کو ایک کمزور ریاست سمجھا جا رہا تھا اور اس سے فائدہ اٹھا کر دشمن آئے دن مدینہ پر چڑھائی کیا کرتے۔ اور رہزنی کی وارداتیں ہونے لگیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس نئی صورت حال سے پوری طرح باخبر تھے اور اس سے نمٹنے کے لیے تیار بھی۔ چنانچہ آپ نے 150، 100 اور اسی طرح کم وبیش لوگوں پر مشتمل دستے ان حملہ آوروں کے مقابلہ اور تعاقب میں روانہ کیے۔ مختلف قبائل کے خلاف کاروائی ہوئی تا کہ وہ مدینہ پر حملہ کرنے سے باز رہیں۔

سن 4 ہجری (26 عیسوی) میں خاص ایسی بہت سی مہمات انجام دی گئیں، ان سرایا سے علاقہ میں طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے میں مدد ملی مختلف قبائل کے ساتھ دوبارہ معاہدے ہوئے۔ اس طرح قریش مکہ اور مدینہ کے مسلمانوں کے مابین ایک سرد جنگ جاری تھی جس کے دوران فریقین کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ دونوں کے مابین ایک اور مکمل جنگ ہو کر رہے گی۔ عرب سے مدینہ کی ریاست کو اکھاڑ پھینکنے کے اپنے مقصد کو کفار مکہ نے کبھی نہیں چھپایا، ان کی صورتحال مزید مشکل اس لیے بھی تھی کہ ساحل کے ساتھ ساتھ سیریا اور عراق جانے والے قافلوں کی نگرانی مدینہ اب بھی کر رہا تھا۔ بلکہ اس راستہ پر اسی کا قبضہ تھا، اس لیے قریش کو لگا کہ عراق اور شام کو جانے والے تجارتی راستہ پر (جو ان کا بنیادی اور مرکزی راستہ تھا) قبضہ کے لیے ان کو تیز تر اور سخت قدام کی ضرورت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اتحادی

جزیرۃ العرب کی ساری اسلام دشمن قوتیں اور قریش اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر مدینہ کے خلاف ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے جس سے اسلامی مشن کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے اور مدینہ کی اسلامی ریاست کا خاتمہ ہو جائے۔ یہودی قبیلہ بنونضیر کا سردار حیی بن اخطب، خیبر کے یہودی سرداروں کے ساتھ مکہ گیا اور ان سب نے مل کر مدینہ کے خلاف ایک متحدہ محاذ تشکیل دیا اور مدینہ پر حملہ کے لیے انہوں نے اور دوسرے قبائل بنواسد، بنوغطفان اور بنوسلیم کو بھی ملا لیا۔ اب ان کے پاس ایک زبردست فوجی قوت جمع ہو گئی تھی۔ ان سب کو لے کر یہ متحدہ لشکر مدینہ پر حملہ کے لیے چل پڑا۔ مدینہ کی فوجی قوت ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔ قریش اور ان کے حلیفوں کی تعداد 4 ہزار تھی اور نجد کے مشرقی علاقوں سے جو قبائل اکٹھا ہو کر آئے ان کی تعداد چھ ہزار سے زیادہ تھی۔ مدینہ پر دو طرفہ حملہ ہونا تھا۔ 10 ہزار سے زائد کے اس لشکر جرار کے مقابلہ میں مدینہ کے لوگوں کا باہر نکلنا مشکل نظر آتا تھا۔

جب قریش کا لشکر روانہ ہونے والا تھا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خفیہ طور پر رسول اللہ ﷺ کو باخبر کرنے کے لیے ایک قاصد روانہ کر دیا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے اطلاع ملنے کے بعد مسلمانوں کے پاس صرف ایک مہینہ تھا جس میں انہیں اپنے دفاع کا منصوبہ تیار کرنا تھا۔ ان کے پاس کل ملا کر تین ہزار کی افرادی قوت تھی یعنی کفار کے لشکر کے ایک تہائی سے بھی کم۔

غیر ملکی جنگی حربے اور ایجادات

اسلامی تعلیم کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صلاح و مشورہ کے لیے جمع کیا۔ جنگ کی اطلاع دی اور مقابلہ کے لائحہ عمل کے بارے میں مشاورت کی۔ بعض لوگوں نے رائے دی کہ بدر کی طرح باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ دوسری رائے یہ سامنے آئی کہ احد سے سبق لیتے ہوئے مدینہ کے اندر ہی رہ کر مزاحمت کی جائے اس میں کامیابی کے امکانات زیادہ ہیں۔ لوگوں میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کو تلاش حق کی جستجو مختلف مراحل سے گزار کر مکہ لے آئی تھی کہ آنے والے نبی کے قریب تر رہ سکیں اور پھر جب رسول اللہ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے نبوت کا اعلان کیا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حق کو پہچاننے میں دیر نہیں لگائی۔ میٹنگ میں وہ بھی حاضر تھے اور وہ اپنے اخلاص اور سچی عقیدت میں ممتاز تھے۔ اپنی باری آنے پر انہوں نے کھڑے ہو کر بالکل نیا جنگی حربہ سجھایا جو عرب میں معروف نہ تھا انہوں نے کہا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارس میں یہ رواج ہے کہ دشمن کے حملہ کے وقت شہر کے چاروں طرف خندق کھود دیتے ہیں۔"

اس نئی ترکیب کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پسند کیا اور اس پر عمل درآمد کا فیصلہ ہو گیا۔ ایک ماہ کے اندر اندر ان کو شہر کے اطراف میں اتنی گہری اور چوڑی خندق کھودنی تھی جس سے دشمن کے سوار پار نہ ہو سکیں۔ یہ قریش کے ساتھ تیسری بڑی لڑائی تھی۔ ساتھ ہی اس میں تیسری جنگی حکمت عملی بھی اپنائی گئی تھی۔ بدر میں حکمت عملی یہ تھی کہ پانی کے چشموں پر قبضہ کیا گیا اور ان کے اطراف میں لڑائی ہوئی، احد میں جبل رماۃ کا استعمال ہوا اور خندق میں یہ تھی کہ دشمن کو مدینہ سے دور رکھا جائے۔ اس وقت یہی ایک قابل عمل نکتہ بچا تھا کہ محاصرہ طویل ہونے کی صورت میں بھی مدینہ کے لوگ دیر تک مزاحمت کر سکتے تھے۔ جنگی حکمت عملی میں یہ جدت خود بتاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایمان و یقین کے ساتھ مختلف حالات میں ذہنی و عقلی صلاحیتوں اور تخلیقیت کو استعمال کرنا بھی سکھایا۔ اس معاملہ میں ایک غیر ملکی ٹیکنیک جو ایک فارسی صحابی نے بتائی تھی سے کام لینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی پس و پیش نہیں کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مدینہ کی صورت حال کو سامنے رکھ کر استعمال کیا۔ عقل، ذہانت حکمت اور انسانی تخلیقی قوت سب کو بغیر کسی تردد کے فکر اسلامی میں جگہ دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑا زور دے کر فرمایا:

"حکمت مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے جہاں بھی وہ اسے پائے وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔"

اس حدیث میں جو تعلیم دی گئی ہے اس کی روح نہایت مثبت اور ایجابی ہے کہ مسلمان تمام مثبت انسانی کاوشوں کے امین ہیں اور اس کے (حکمت کے) حق دار ہیں۔ تلاش جستجو تحقیق اور جدت عام انسانی بھلائی کے لیے اور انسانی امور کو چلانے کے لیے اختیار کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تعلیم صرف جنگی امور کے متعلق ہی نہیں بلکہ ثقافت اور تصورات کی دنیا کے لیے بھی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خندق

مدینہ تین اطراف سے مکانوں اور نخلستانوں سے گھرا ہوا تھا اور صرف ایک جانب کھلا ہوا تھا۔ آپ نے تین ہزار صحابیوں کو خندق کھودنے کا کام پر لگایا ہر شخص کے حصہ میں 10 گز زمین کا ٹکڑا کھودنا آیا تھا۔ خندق 6 کلومیٹر لمبی دس ہاتھ چوڑی اور پانچ ہاتھ گہری تھی۔ اس پورے کام میں تین لاکھ آٹھ ہزار مربع گز کو کھودا اور ہموار کیا گیا اور وہ بھی صرف تین ہفتوں کے اندر اندر۔ یہ اپنے آپ میں تاریخ کا ایک ریکارڈ ہے۔ وسائل اتنے کم تھے کہ زمین کھودنے کے آلات کدال وغیرہ بھی عاریتاً لینے پڑے۔ کام کے ایام طویل تھے صحابہ دن نکلنے سے لے کر سورج غروب ہونے تک خندق کھودتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ''میں ایک اجیر (مزدور) ہوں'' چنانچہ خندق کھودنے کے دوران کوئی سخت پتھر حائل ہو جاتا تو آپ ﷺ کدال یا کلہاڑی لیتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ ﷺ بنفس نفیس اس کو کھودتے۔ آپ ﷺ تسلوں اور ٹوکریوں میں بھر بھر کر مٹی اپنے مبارک کندھے پر رکھتے اور دور پھینک کر آتے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ایک بار جب بڑا سا پتھر بیچ میں حائل ہو گیا اور ان کی کوشش کرنے کے باوجود نہ ٹوٹا تو آپ ﷺ ان کی مدد کے لیے پہنچے اور پتھر توڑ دیا۔

کسی بھی کام میں ہاتھ بٹانے کے لیے آپ ﷺ ہمیشہ تیار رہتے تھے یہاں تک کہ گھریلو کاموں میں بھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جو کئی سالوں تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہے تھے وہ کہتے ہیں کہ:

> ''آپ ﷺ میری اس سے زیادہ خدمت کر دیتے تھے جتنی میں آپ ﷺ کی کرتا تھا!

آپ ﷺ کبھی مجھ سے ناراض نہیں ہوئے اور کبھی مجھ سے سختی سے پیش نہیں آئے۔ جس وقت دوسرے کام کر رہے ہوں آپ ﷺ صرف بیٹھ کر تماشا نہیں دیکھ سکتے تھے بلکہ خود آپ ﷺ بھی اس کام میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ کام کے دوران آپ ﷺ کبھی دعا فرماتے کبھی اشعار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھتے ہوئے سنے جاتے جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شریک ہو جاتے۔ کاموں کے درمیان بھی اسی دعوتی تربیت نے ان حضرات کو ایک جان دو قالب بنا دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اندر مشن سے گہری وابستگی اور جذبات، امنگوں اور آرزوؤں میں یکسانیت پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختلف قسم کی صلاحیتوں و توانائیوں کی ضرورت ہوا کرتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم میں مختلف افراد سے وہ کام لیا کرتے اور اس طرح زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی پیدا ہوتی۔

اللہ تعالیٰ پر گہرا اعتماد اور توکل، جذبات کا شاعرانہ اظہار اور نغمات عواطف کا سحر مدینہ کی گلیوں پر طاری ہو جاتا۔

امت کے درمیان رہ کر ان کی روزمرہ کی زندگی کے تجربوں میں شراکت کر کے ہی یہ عرفان ہو سکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمان و مکان سے ماورا خدا کی خدمت میں ہیں اور ساتھ ہی امت کی تاریخ و تہذیب کا ایک ناگزیر حصہ ہیں اور کیوں نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انہیں ہی میں سے ایک فرد فرید تھے۔

خندق کی کھدائی ایک بڑی کامیابی تھی اب دشمن کے شہ سواروں کے لیے یہ ناممکن تھا کہ خندق کو کہیں سے بھی عبور کر سکیں اور کوئی جسارت بے جا کر سکیں۔ مدینہ میں محصور ہونے سے پہلے اہل مدینہ نے اپنی فصلیں کاٹ کر شہر کے اندر جمع کر لیں تاکہ جب دشمن آئے تو اسے خوراک اور رسد کے لیے اپنے ذرائع پر ہی بھروسہ کرنا پڑے۔

عظیم جرنیل

خندق کا کام جیسے جیسے آگے بڑھا کامیابی کے امکانات روشن ہوتے گئے۔ چنانچہ جلد ہی ایک خندق تیار ہو گئی جو اتنی چوڑی تھی کہ تیز سے تیز رفتار گھوڑ سوار بھی اسے پھلانگ نہ سکتا تھا اور اتنی گہری کہ کوئی آدمی جو اس میں گر جائے خود سے نکل نہ سکتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت میں ایک عسکری کمانڈر کا سب سے بڑھ چڑھ کر ظہور جنگ خندق میں ہوا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ سے پہلے بہت سے اقدامات کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار ہو کر چند صحابیوں کو ساتھ لے کر نکلے تاکہ ان جگہوں کا معائنہ کیا جا سکے جہاں جہاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دفاع کمزور ہے اور جہاں خندق کھودی جانی تھی۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر انجینئر کا کردار ادا کیا اور شخصی طور پر اس کام کی نگرانی کی اور دشمن کے شہر کے قریب پھٹکنے سے پہلے کام مکمل کرالیا۔

چونکہ آپ ﷺ اس سے پوری طرح باخبر تھے کہ مدینہ کے اطراف میں خندق کھودنا عرب کے لوگوں کے لیے ایک بالکل ہی نئی اور انوکھی چیز ہے لہذا آپ ﷺ نے اس کا بھرپور نظم کیا کہ اس کی کوئی اطلاع دشمن کو نہ ہونے پائے، جو مسلمانوں پر ایک بڑا حملہ کرنے آرہے ہیں۔ آپ ﷺ دشمن کو ایک حیرت میں ڈالنا دینا چاہتے تھے۔ اس لیے مدینہ سے باہر اور اس کے اطراف میں آپ ﷺ نے آنے جانے پر پابندی لگادی تاکہ خندق کے بارے میں کوئی معلومات لیک نہ ہوجائے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی سرحدوں پر چوبیس گھنٹہ پہرے داری پر متعین کردیا تھا کہ سرحد پر آپ ﷺ نے ایک واچ ٹاور بنایا اور دشمن کی نقل وحرکت پر سخت نگاہ رکھنے کا نظم کیا۔ آپ ﷺ کے حکم پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینہ شہر سے باہر واقع تمام کھیت کھلیانوں اور نخلستانوں سے غلے اور کھجوریں جمع کروالیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کو اپنے ہی وسائل پر انحصار کرنا تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے شہر کے اندر ہی سٹور بنوادیے جہاں غلہ جات کا ذخیرہ کردیا گیا اور اس طرح ان کا دشمن کے ہاتھ لگنے کا ہر راستہ بند کردیا۔

جب قریش کا لشکر مدینہ کے قریب پہنچنے لگا تو مسلمان فوج، جس کی کل تعداد تین ہزار نفوس پر مشتمل تھی، نے فوراً مدینہ کے اندر داخل ہوکر اور خندق کے پیچھے چوکس ہوکر دشمن کا انتظار شروع کردیا۔

کانسٹائن ورجل ہیوگو (پیرس فرانس) ایک رومانی مصنف اپنی کتاب "Mohomet" میں لکھتا ہے:

> جرمنی کے خلاف جنگ میں سویت فوجیوں نے بھی یہی جنگی حکمت عملی اپنائی تھی۔ انہوں نے تمام فصلیں اور خوراک کے سامان یا تو شہر کے اندر کرلیے یا کھیتوں اور فارموں میں ہی تلف کردیئے۔ جو مارچ کرتی ہوئی جرمن فوج کے راستہ میں پڑتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ جرمن ان سے فائدہ اٹھائیں یا نقصان پہنچادیں۔ یہ تو بیسویں صدی میں ہوا۔ لیکن پیغمبر اسلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے تو یہ جنگی ٹیکنیک ساتویں صدی کی ابتدا میں ہی استعمال کر لی تھی۔

چنانچہ قریش اور ان کے اتحادیوں کی فوج مدینہ کی حدود میں پہنچی تو انہیں خندق کو دیکھ کر زبردست حیرت ہوئی۔ انہیں کبھی ایسے دشمن سے پالا ہی نہیں پڑا تھا جو بڑی مہارت سے دوبدو مقابلہ کو روک دے۔ نہ ہی کبھی ایسی صورت حال سے سابقہ پیش آیا تھا کہ جہاں دشمن نے راستہ کے تمام باغوں اور کھیتوں کو صاف کر دیا ہو اور ان کو تمام پیداوار سے محروم کر دیا ہو۔ چنانچہ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ان اتحادیوں کو سپاہیوں کے لیے خوراک اور مویشیوں کے لیے چارہ کی قلت سے دوچار ہونا پڑا۔ محمد ﷺ کے ساتھیوں پر جا پڑنے کا ان کا پلان چوپٹ ہو گیا اور بغیر کسی دوبدو مقابلہ کے اپنے کھیل میں وہ بری طرح ناکام ہو گئے۔

محاصرہ

مدینہ کے مشرق اور جنوب میں قریش اور ان کے اتحادی 10 ہزار کا لشکر لیے 31 مارچ 627ء مطابق 4 ہجری کو پہنچے۔ اپنے سامنے خندق دیکھ کر وہ حیران بھی رہ گئے اور تلملائے بھی بہت۔ اسی طرح یہ دیکھ کر بھی دانت پیسنے لگے کہ مدینہ کی فصلیں پہلے ہی کٹ چکی ہیں اب ان کو اپنے اونٹوں گھوڑوں کو کھلانے کے لیے اسی چارہ پر اکتفا کرنا ہوگا جو وہ ساتھ لے کر آئے تھے۔ لہٰذا ان کو اپنا کام جلد از جلد ختم کرنا تھا مگر کیسے؟ اب ان کے اور مسلمانوں کے بیچ تو گہری خندق حائل تھی۔ حقیقت میں خندق ایسی جنگی اسکیم تھی جو اس سے پہلے عربوں کے لیے بالکل نامانوس تھی چنانچہ اب اتحادیوں کے سامنے مشکل یہ آن پڑی کہ ان کو مدینہ کو فتح کرنے اور مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے کوئی اور ایکشن پلان تیار کرنا تھا۔

قریش اور ان کے اتحادیوں میں صلاح و مشورہ ہوا کہ کس طرح مدینہ شہر کا محاصرہ کیا جائے اور کم سے کم وقت میں شہر پر قبضہ کر لیا جائے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ فوج کا بڑا حصہ شمالی جانب مرکوز رہے تاکہ مدینہ والوں کی ساری توجہ اسی پر ہو جائے۔ اس کے بعد جنوبی جانب سے خندق کو عبور کرنے کی کوشش کی جائے، جہاں حفاظت ڈھیلی ڈھالی ہے اور جہاں چٹانوں کے نزدیک سے راستہ پالینا آسان ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنو قریظہ کی غداری:

اصل میں اسی علاقہ میں یہودی قبیلہ بنو قریظہ بھی رہتا تھا، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا تھا اور اس کی رو سے ان پر بھی فرض تھا کہ مدینہ پر دشمن کے حملہ کی صورت میں وہ مسلمانوں کی مدد کریں۔ مگر بنو نضیر کا سردار حیی بن اخطب بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد سے ملاقات کے لیے گیا اور اسے بہکانا شروع کر دیا۔ پہلے تو کعب بن اسد کو کچھ تردد ہوا مگر حیی نے وہ پٹیاں پڑھائیں اور سبز باغ دکھائے کہ بالآخر اس نے بہکاوے میں آ کر معاہدہ توڑ ہی دیا۔ بنو قریظہ کی غداری کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کی تمام دفاعی اسٹرٹیجی برباد ہو کر رہ جاتی کیوں کہ ان کی غداری سے مدینہ کے اندر ایک اور محاذ پیدا ہو گیا۔ دوسرے وہ دشمن کو شہر کے اندر آنے کا راستہ بھی دے سکتے تھے جس سے مدینہ والوں کی شکست اور ان کا قتل عام یقینی تھا۔

تاہم اسی درمیان شمال کی جانب دشمن کی بڑھتی سرگرمیوں سے رسول اکرم ﷺ کی جنگی بصیرت نے دال میں کچھ کالا ہونے کا اندازہ کر لیا۔ آپ ﷺ کو بنو قریظہ کی طرف سے غداری کا خدشہ تھا کہ یہودیوں کا عام کردار اب تک اسلام سے دشمنی اور کبر و عناد کا ہی سامنے آیا تھا۔ اسی اثنا میں یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے اور وہ دشمن سے مل گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فوراً ہی دو جاسوس روانہ فرمائے۔ ان کو تاکید کی تھی کہ اگر یہ خبر صحیح نکلے تو خفیہ طور پر اس کی اطلاع فوراً دیں اور اگر خبر صحیح نہ ہو تو علی الاعلان اس کی تردید کریں۔ تاکہ مسلمان فوجیوں کو مدینہ کے اندر سے متعلق تشویش لاحق نہ ہو۔ خبر صحیح نکلی لہٰذا آپ ﷺ نے فوراً حضرت زید کی قیادت میں تین سو افراد کا ایک دستہ جنوبی محاذ پر بھیج دیا تاکہ دشمن کی بنو قریظہ کے ساتھ مل کر کسی بھی متوقع کارروائی کو ناکام بنا دیں۔

محاصرہ کو برداشت کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کو مسلسل بیدار اور خبردار رہنا پڑتا تھا ایک دن تو دشمن نے اتنے اطراف سے اور اتنا شدید حملہ بولا کہ اس کو روکنے میں مسلمانوں کو جان لڑانی پڑی اور ان کی ظہر و عصر کی نمازیں وقت پر نہ پڑھی جا سکیں۔ اسی طرح مغرب کا وقت بھی فوت ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ بہت رنجیدہ اور مسلمان دل گرفتہ ہوئے، محاصرہ کی شدت میں ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی جو کیفیت تھی اس کا بیان قرآن نے بڑی بلاغت سے یوں کیا ہے:

إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ﴿١٠﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾

جب کہ دشمن تمہارے اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ یہیں مومن آزمائے گئے اور وہ پوری طرح جھنجھوڑ دیئے گئے۔ [1]

آزمائش بڑی سخت تھی اور اس سے قبائل کے ساتھ افراد کی وفاداری اور خلوص کا امتحان ہو گیا اس جنگ نے صرف بنو قریظہ کے غدر کو بے نقاب نہیں کیا بلکہ منافقین کے چہروں سے بھی مکر و فریب کی مکروہ نقاب کھینچ لی جو دین سے پھر جانے اور دشمن کے آگے سر جھکانے کے لیے سوچنے لگے تھے۔ فرمایا:

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾

اس وقت منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں شک کا روگ تھا کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے محض دھوکہ فریب کا ہی وعدہ کیا تھا۔ [2]

اور مزید فرمایا:

وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ

اور ان کی ایک جماعت یہ کہہ کر نبی سے اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ [3]

---

[1] الاحزاب:10-11
[2] الاحزاب:12
[3] الاحزاب:13

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخلص صحابہ نے قربانی، ایثار، استقلال و استقامت اور خدا اور رسول سے وفاداری کی سنتیں تازہ کر دیں چنانچہ اسی سورہ کی اگلی آیت میں ان کے ایمان و یقین کی یوں تعریف فرمائی:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ موجود ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔[1]

آیت جس فضا میں اور جیسے حالات میں نازل ہوئی اس میں مخصوص طور پر رسول اللہ ﷺ کے اسوہ و نمونہ کو ہر فرد مسلم کے لیے واجب الاطاعت قرار دیا جا رہا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب لوگ مارے گئے ہوں۔ جب انہیں موجودہ مشکل سے تا حد نظر خلاصی کا کوئی راستہ سجھائی نہ دیتا ہو۔ جن کی صفوں میں اپنوں کی بے وفائی اور اعراض سے کمزوری پیدا ہو گئی ہو پھر بھی وہ پیغمبر کے گرد اور آپ ﷺ کے ایمان ویقین کے اطراف میں مجتمع ہوں۔ اس پر قرآن یوں تبصرہ کرتا ہے:

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿٢٢﴾

جب انہوں نے گروہوں کو دیکھا تو کہنے لگے، اس کا وعدہ تو اللہ اور اس کے رسول نے کیا تھا اور اللہ اور اس کا رسول سچے ہیں، اور اس چیز نے ان اہل ایمان کے ایمان ویقین میں اضافہ ہی کیا۔[2]

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

[1] الاحزاب:21
[2] الاحزاب:22

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک کامیاب تدبیر

مسلمان زبردست مشکل حالات سے دوچار تھے تاہم قریش اور ان کے حلیف بھی کچھ کم دشواریوں کا شکار نہ تھے۔ ان کے پاس خوراک کم تھی اور دوسرے راتیں بہت زیادہ ٹھنڈک والی تھیں۔ اسی وقت حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے ملنے کے لیے آئے۔ وہ قریش سے تعلق رکھتے تھے اور تمام عرب قبائل میں ان کی زبردست عزت و وقعت تھی۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو بتایا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں مگر ان کے قبول اسلام کو ابھی کوئی نہیں جانتا۔ انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ میرا استعمال اپنی صواب دید سے کر سکتے ہیں۔ چونکہ نعیم رضی اللہ عنہ کو سبھی سرداران قریش اور مدینہ پر حملہ آور فوجوں کے ہاں اعتماد و احترام حاصل تھا اور اس بات کو آپ ﷺ بھی بخوبی جانتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے نعیم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دشمن کو توڑنے کی کوئی تدبیر کرو کیوں کہ جنگ چالوں اور تدبیروں سے لڑی جاتی ہے (الحرب خدعة) چنانچہ نعیم رضی اللہ عنہ بن مسعود نے سوچ و بچار کے بعد ایک تدبیر آزمائی۔ وہ پہلے یہود بنو قریظہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ قریش کا ساتھ انہوں نے کس بنا پر دے دیا ہے؟ وہ تو محاصرہ چھوڑ کر جانے کی فکر میں ہیں اب ان کے لئے مناسب یہ ہوگا کہ وہ قریش سے بطور رہن چند لوگوں کا مطالبہ کریں۔ بنو قریظہ کی موٹی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور انہوں نے قریش کے پاس اس مطالبہ کو لے کر اپنا ایک آدمی بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔

نعیم وہاں سے کھسک لیے اور جلدی سے قریش کے لشکر میں پہنچ گئے اور ان سے جا کر کہا کہ بنو قریظہ ان کو دھوکا دے رہے ہیں، اسی لئے وہ قریش سے چند آدمی بطور رہن طلب کر کے محمد ﷺ کے حوالے کر دیں گے۔ قریش ابھی اسی حیرت میں تھے کہ وہ صحیح کہہ رہے ہیں یا غلط کہ اتنے میں بنو قریظہ کا آدمی آ گیا اور اس نے سچ مچ چند لوگوں کا مطالبہ بطور رہن کر دیا۔ اب ابوسفیان اور دوسروں کو نعیم کی بات پر یقین ہو گیا کہ بنو قریظہ ان کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ انہوں نے جلدی سے حیی بن اخطب کو بلایا اور اس غداری کے بارے میں اس سے پوچھا۔ حیی چکرا کر رہ گیا اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ ابوسفیان کا دل اس کی طرف سے بھی کھٹا ہو گیا۔ باہمی اعتماد کے ٹوٹنے سے قریش کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اتحادیوں میں انتشار کے آثار پیدا ہو چلے تھے۔ بنو قریظہ والی خبر نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ انہیں محاصرہ کئے ہوئے دو ہفتے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ خوراک ختم ہو رہی تھی۔ اوپر سے سخت سرد راتیں، بھوک کے مارے ان کے گھوڑے مر رہے تھے کئی اونٹ بھی ہلاک ہو گئے تھے۔ خوراک کی قلت، تکان، خندق کے آگے بے بسی ان چیزوں نے مل کر تمام لشکریوں کو مضطرب کر دیا پھر اچانک ایک طوفانی ہوا چلنے لگی جس نے ان کی خیموں کی بلیاں الٹ دیں اور طنابیں کاٹ دیں۔ شکستہ دل ہو کر انہوں نے محاصرہ اٹھا کر بھاگ نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ ﷺ کو دشمن کے ہراساں ہو جانے کی خبر مل چکی تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اس کی سن گن لینے کے لیے بھیجا وہ یہ خوش خبری لے کر آئے کہ طوفان کے جھکڑ اور شدید ٹھنڈک نے دشمن کو مفلوج بنا دیا ہے۔ وہ پریشان ہو کر کیمپ اکھاڑ رہے ہیں۔ بلکہ بہت سے لوگ تو پہلے ہی جا چکے ہیں۔

فجر کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کو یہ خبر پہنچائی کہ محاصرہ جو 627ء اور سن 4ھ میں شروع ہوا تھا اور 25 دن جاری رہا اب ختم ہو چکا ہے۔ جس کے بعد احزاب (دشمن کے گروہ) شکستہ دلی اور مایوسی کے عالم میں بغیر لڑے میدان چھوڑ گئے۔ جو کہ ان کی علامتی شکست تھی۔ پورے جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کی اس دوطرفہ فتح کا چرچا ہو گیا انہوں نے 25 دن تک اپنے سے کئی گنا دشمن کی کامیاب مزاحمت کی اور اس کو پسپا کر دیا تھا۔ اس واقعہ سے مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور عرب میں طاقت کا توازن بھی ان کے حق میں تبدیل ہو گیا۔

مسلمانوں کی فراخ دلی

محمد ﷺ کی دختر نیک اختر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ مکہ میں ان کے ساتھ رہ رہی تھیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی بیٹی امامہ کے ساتھ مدینہ آکر ساتھ رہنے کے لیے نہیں کہا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر سے بے انتہا محبت کرتی تھیں مگر اختلاف مذہب نے نتیجتاً ان کو الگ کر دیا۔ تاہم دونوں میں سے کسی نے بھی دوسری شادی نہیں کی۔

جنگ خندق کے چند مہینوں بعد، رسول اکرم ﷺ کو معلوم ہوا کہ قریش کا ایک کارواں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ابوالعاص کی قیادت میں شام سے واپس لوٹ رہا ہے اور اس کے ساتھ بڑی مقدار میں ساز و سامان ہے اور یہ کہ قریش کے تقریباً ہر قبیلہ کا اس میں حصہ ہے۔ آپ نے اس کارواں کو روکنے کا فیصلہ کیا۔ وجہ یہ تھی کہ قریش نے مہاجرین کی جو دولت ضبط کر لی تھی اس کو حاصل کرنا تھا۔ دوسرے طاقت کا مظاہرہ بھی مقصود تھا۔ تا کہ مکہ والوں پر رعب پڑے جو مسلسل مدینہ کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے شمال سے آنے والے مال واسباب سے لدے اس قریشی قافلہ کو روکنے کے لیے ایک مہم روانہ کی۔ زید رضی اللہ عنہ نے جو مسلم فوج کے سپہ سالار تھے، قافلہ کے سامان پر قبضہ کر لیا اور بیشتر افراد کو قید کر لیا اور بچے ہوئے افراد بھاگ نکلے۔ بعد والوں میں ابوالعاص رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے مدینہ ہوتے ہوئے مکہ جانے کا فیصلہ کیا تا کہ خفیہ طور سے اپنی بیوی اور بچے سے مل سکیں۔ یہ خود میں ایک جنونی کام تھا کہ اپنی بیوی اور بچے سے ملنے کی خواہش آنے والے خطرات کے شعور سے کہیں زیادہ قوی تھی۔ رات کی خاموشی میں انہوں نے اپنی بیوی کے گھر کے دروازے کو کھٹکھٹایا اور زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں اندر آنے دیا۔ اس رات ابوالعاص ان کے ساتھ رہے۔

جب صبح کا وقت ہوا، زینب رضی اللہ عنہا نماز کے لیے مسجد گئیں، جیسا کہ معمول تھا۔ وہ مسجد میں داخل ہوئیں اور مردوں کے بالکل پیچھے خواتین کی پہلی صف میں کھڑی ہوئیں۔ جب تکبیر تحریمہ کہی گئی تو انہوں نے اس چھوٹے سے وقفہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بلند آواز میں کہا

''اے لوگو! میں ربیع کے بیٹے ابوالعاص کو پناہ دیتی ہوں''

جب نماز ختم ہو گئی، تو آپ ﷺ نے جنہیں اپنی بیٹی اور اس کے شوہر کے درمیان ہونے والے واقعہ کے بارے میں کوئی پیشگی علم نہیں تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم سے تصدیق چاہی کہ کیا انہوں نے بھی یہ اعلان سنا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ پناہ دی جا چکی ہے۔ خواہ آپ ﷺ کی بیٹی کی طرف سے ہو یا کسی عام مسلمان کی جانب سے اس کا احترام ضروری ہے۔

محمد ﷺ اپنی بیٹی کے پاس گئے جنہوں نے آپ ﷺ کو ابوالعاص کی صورت حال سے آگاہ کیا، جن کا سامان شمال کی حالیہ مہم کے دوران چھینا جا چکا تھا اور اس کے باعث وہ اہل مکہ کے مقروض ہو چکے تھے۔ محمد ﷺ نے یہ رائے دی کہ جن لوگوں کے پاس ان کا مال ہے اگر وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چاہیں تو ابو العاص کو واپس کر سکتے ہیں۔ سب نے یہ بات مان لی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابو العاص کو دعوت دی کہ وہ اسلام قبول کرلیں اور اپنے سامان کو اپنے پاس رکھ لیں۔ ابو العاص نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ لوگوں کے اعتماد کو توڑ کر مسلمان ہونا ٹھیک نہیں ہے۔ وہ سارا سامان لے کر واپس مکہ روانہ ہو گئے اور اسے ان کے حقداروں تک پہنچا دیا۔ پھر وہ مدینہ واپس آئے اور اسلام قبول کیا اور زینب رضی اللہ عنہم اور اپنی بچی امامہ کے ساتھ دوبارہ زندگی شروع کی۔

ہر بینا و دانا شخص کے لیے اولین مسلمانوں کی یہ جود وسخا اور فراخدلی ظاہر تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ان کو بھی ابو العاص سے کچھ نہیں چاہیے تھا: وہ مسلمان نہیں تھے، دشمن قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور مسلمان ہونے سے انکار کر دیا تھا، مگر مسلمانوں نے انہیں جانے دیا، انہیں حق اختیار کی آزادی عطا کی اور روحانی ارتقا کے لیے درکار وقت بھی دیا۔ یہی نہیں بلکہ باہمی خاندانی تعلقات کے ایسے پرخطر دور میں انہیں مسلم معاشرے کی پناہ حاصل ہوئی۔

آزادیٔ اظہار رائے

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی جانب سے اعلانیہ اور زور وشور سے بات رکھی، وہ اکثر مسجد جایا کرتی تھیں جو مرد وخواتین کے لیے ایک کھلی جگہ تھی۔ مردوں کے درمیان ان کے اس اعلان پر کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ درحقیقت مسلم خواتین کے لیے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی کہ وہ اس طرح اعلانیہ اپنی بات رکھیں۔

مسجد کے اندر، عورتیں مردوں کے پیچھے صف بندی کرتی تھیں، جیسا کہ عبادت کا طریقہ اپنی مختلف سطحوں کے مطابق متعین کر دیا گیا ہے اور جس میں انکساری، حیا، عزت واحترام اور شائستگی کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ اس جگہ پر عورتیں عبادت کرتیں، مطالعہ کرتیں اور اپنی آرا کا اظہار کرتی تھیں۔ مزید برآں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رویے میں خوش اخلاقی، خاکساری اور دریا دلی پاتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں کو اپنی جگہوں پر بیٹھے رہنے کا مطالبہ کرتے تاکہ خواتین بغیر کسی دشواری کے پہلے چلی جائیں۔ خواتین کے تعلق سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برتاؤ میں ہمیشہ ایک نرمی اور وقار جھلکتا تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سنتی تھیں، اور ان کو اپنی بات کہنے کا حق ہوتا تھا، وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی رائے اور دلائل پیش کر سکتی تھیں۔ آپ ﷺ نے اس چیز کی قدر کی، اس کی حفاظت کی اور اس کو ترقی دی۔

بعد کی تاریخ میں، ایسا ہی ایک واقعہ اور بھی ہے جو کہ اسلامی تاریخ میں کافی مشہور ہے کہ جب مدینہ میں مسلمانوں نے اپنی بیٹیوں کے لیے زیادہ مہر لینے کا رواج شروع کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، بطور خلیفہ یعنی مذہبی و دنیوی لحاظ سے اسلامی مملکت میں رسول اللہ ﷺ کے جانشین یہ حکم دیا کہ کوئی بھی چار ہزار درہم سے زیادہ مہر نہ ہی مانگے گا اور نہ ہی دے گا۔ بصورت دیگر زائد مال ضبط کر لیا جائے گا اور بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔

اس حکم کے صادر کرنے کے بعد جب خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ممبر سے نیچے اترے تو ایک بوڑھی عورت کھڑی ہوئی اور پر اعتماد لہجے میں بولی:

> اس معاملہ میں قرآن نے کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے، عمر (رضی اللہ عنہ) کو کوئی حق نہیں ہے کہ مہر کی کوئی حد مقرر کریں۔

اپنے اس قول کے تائید میں اس نے بآواز بلند قرآن کی یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

> وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا

> اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ کا خزانہ دے رکھا ہو، تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو۔ [1]

فوراً ہی خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور کہا:

> یا اللہ! مجھے معاف کر دے، ہر کوئی عمر (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ بہتر جانتا ہے حتی کہ یہ بوڑھی عورت بھی۔

انسانیت کی خدمت

ابتدا ہی سے ایمانیات کے ساتھ قرآن کا زور دو چیزوں پر رہا ہے: ایک توحید پر یعنی یہ کہ

[1] النساء:20

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انسان اللہ تعالیٰ سے عبودیت کا تعلق بنائے، صرف اسی کی عبادت کرے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ انسان اپنے ابنائے نوع کے ساتھ حسن سلوک کرے اسی کو ہم اخلاقیات کہتے ہیں۔ان میں یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے ساتھیوں کا احترام کرے، اور انسانوں کے حقوق پہچانے، والدین کے ساتھ نیکی کرے سگے رشتوں، پڑوسیوں، یتیموں اور محتاجوں کی خبر گری کرے۔ اگر وہ طاقتور ہے تو کمزور کو نہ ستائے۔ بلکہ ان کے لیے قوت کا سرچشمہ بنے، دوسروں کی جان، مال اور آبرو وعزت کا احترام کرے۔ دھوکہ نہ دے بلکہ ہمیشہ عدل وانصاف سے کام لے۔ سماج کے لیے اس کا وجود شقاوت کا نہیں سعادت کا باعث بنے۔قرآن نے ان تعلیمات کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ان کو بار بار دہرایا ہے، بطور خاص سورہ بنی اسرائیل میں جو سترہویں سورہ ہے اور جس میں حضور اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے سفر اسراء ومعراج کا تذکرہ ہوا ہے۔

خدا کے انعامات

اس دنیا میں بعض لوگوں کو خدا تعالیٰ نے خوب نوازا ہے اور بعض دینوی نعمتوں سے محروم ہیں۔قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ ثروت مند محروموں کی مدد کریں۔

جو لوگ خوش حال ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہونا چاہیے اور اس کی شکرگزاری کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جو ضرورت مند ہیں ان کی مدد کی جائے۔خدا نے ہمیں جو بھی عطا کیا ہے اس میں ان کا بھی حصہ ہے، بغیر ان کو حصہ دیئے ہم خدا کے شکر کا حق ادا نہیں کر سکتے، اور اتنا کچھ نوازے جانے کے باوجود اگر ہم انہیں نہ دیں گے تو ناشکرے شمار ہوں گے۔

اسلام میں انسانوں کی خدمت کو خود اللہ تعالیٰ کی خدمت قرار دیا گیا ہے اور ناداروں و حاجت مندوں کی مدد کو خدا نے اپنی مدد کہا ہے۔کسی آدمی کو خالی ہاتھ لوٹانے کا مفہوم ہے خدا کو خالی ہاتھ لوٹانا۔خدا کی رضا جوئی حاصل نہیں ہو سکتی اگر لوگ زمین پر ایک دوسرے کی مدد نہ کریں۔ایک حدیث میں اس مضمون کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

> قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے ابن آدم! میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہیں کی، لوگ کہیں گے یارب! تو تو کائنات کا رب ہے تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کب بیمار پڑا اور ہم کیسے تیری عیادت کرتے؟ تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم نہیں جانتے کہ فلاں آدمی بیمار تھا مگر تم نے اس کی عیادت نہیں کی اگر تم وہاں جاتے تو تم مجھے وہاں پاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم میں نے کھانا مانگا تھا مگر تم نے نہیں دیا۔ انسان کہے گا: رب کائنات تو کب بھوکا تھا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے نہیں معلوم کہ فلاں آدمی نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے اسے نہیں کھلایا، اگر تم نے اس وقت اس کی ضرورت پوری کی ہوتی تو یہاں اس کا بدلہ پاتے۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نہیں دیا۔ انسان کہے گا، یارب! تو کب پیاسا تھا کہ میں تجھے پانی دیتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، فلاں فلاں آدمی نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تم نے نہیں دیا۔ اگر تو اس کی پیاس بجھا دیتا تو اس کا بدلہ یہاں پاتا۔

اس حدیث میں تمثیلاً انسان کی خدمت کو خود اللہ تعالیٰ کی خدمت قرار دیا گیا ہے جس سے انسان کی خدمت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کو نظر انداز کرنا بھاری جرم ہے۔

خدمت سب کی ہو ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رہے کہ اسلام خدمت میں کوئی بھید بھاؤ نہیں رکھتا۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ خدمت سارے انسانوں کی جائے، جو آدمی اپنے ملک وقوم کی محبت میں اندھا ہو وہ دوسری قوموں کے لیے روادار اور ہمدرد نہیں ہوسکتا، اسی لیے اسلام اندھی قومیت کا مخالف ہے۔ وہ تمام مخلوق خدا کو ایک کنبہ قرار دیتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اس کنبہ کی جو زیادہ خدمت کرے گا وہ اللہ کو زیادہ محبوب ہوگا۔

قرآن نے ایک عمومی حکم دیا ہے محتاج، نادار، اور معذور اور محروم کی مدد کی جائے، اس نے کبھی یہ نہیں کہا کہ صرف مسلمان یا کسی خاص گروہ کی مدد کی جائے۔ ضرورت مند ہم میں سے ہوں یا نہ ہوں، ہمارے ساتھ اتفاق رکھتے ہوں یا نہیں ہماری زبان بولتے ہوں یا نہیں، بغیر کسی تفریق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

داتمیاز کے سب کی مدد کرنی چاہیے۔ زمین پر جو آدمی بھی مصیبت زدہ ہو اس کو یونہی نہ چھوڑ دیا جائے بلکہ اس کی خبر گیری کی جائے اس کی مدد کی جائے تا کہ وہ اپنے مسائل حل کر لے۔ اس لیے کہ مختلف رنگ و نسل اور الگ الگ قوم و ملک کے باوجود تمام انسان ابنائے جنس ہیں۔ سب ایک ہی جوہر سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس حقیقت کو بعض احادیث نبوی میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

﴿۱﴾ حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خدا اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

﴿۲﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رحمن (اللہ تعالیٰ) ان لوگوں پر رحم کرتا ہے جو رحم کرنے والے ہیں، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحمت فرمائے گا۔

﴿۳﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم رحم کرنے والے نہ بنو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم میں سے ہر آدمی رحم کرتا ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس سے مراد وہ رحم نہیں جو تم اپنے رشتہ داروں پر کرتے ہو بلکہ وہ رحمت ہے جو تمام انسانوں کے لیے ہونی چاہیے۔

﴿۴﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ چند صحابی رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور پوچھا: یہ بتاؤ کہ تم میں اچھا آدمی کون ہے اور برا کون؟ اس سوال پر سب خاموش رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال تین بار دہرایا تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ بولے، یارسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بتادیجئے کہ ہم میں کون اچھا ہے اور کون برا ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمہارے درمیان سب سے اچھا آدمی وہ ہے جس سے لوگ بھلائی کی امید کریں اور جس کے شر سے وہ محفوظ رہیں۔ تمہارے درمیان برا آدمی وہ ہے جس سے لوگ برائی کی امید کریں اور جس کے شر سے وہ محفوظ نہ رہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ روایات ہمیں بتاتی ہیں کہ مخلوق خدا کی مدد اور خدمت بغیر کسی تفریق کے کرنی چاہیے۔ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ جو بھی ضرورت مند ہو ہمیں اس سے ہمدردی رکھنی اور اس کی مدد کرنی چاہیے۔ انسانوں کو اپنوں اور غیروں میں بانٹنا اور سماجی خدمت کے سلسلہ میں متعارف اور اجنبی، ہم مذہب اور غیر مذہب والوں میں تقسیم کرنا اسلام کے مزاج اور اس کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

انسانیت کی خدمت بھی عبادت ہے

عبادت کو قرآن پاک نے زندگی کا سب سے بڑا مقصد قرار دیا ہے۔ عبادت اس لیے کی جاتی ہے کہ خدا کا قرب حاصل ہو اور وہ ہمارے کاموں کو قبول کرے۔ عبادت جسمانی اور مادی دونوں طرح ہوتی ہے۔ جسمانی عبادت میں زبان سے اذکار، اَوراد اور بدنی حرکات شامل ہیں۔ ان کو تعبدی امور کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ انسانیت کی خدمت بھی عبادت ہے۔ ایک شخص کی مدد کے وقت یہ خیال ہونا چاہیے کہ اس سے خدا کا قرب ملے گا۔ آدمی کو عبادت کا لطف خالص مادی چیزیں انجام دیتے ہوئے بھی آ سکتا ہے۔ اسلام میں انسان کی خدمت اگرچہ ایک مادی چیز ہے مگر وہ بھی حقیقی عبادت ہے اور اس بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں عبادت کے پورے نظام پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

نماز و زکوٰۃ کی معنویت

نماز عبادت کا ایک بدنی فارم ہے زکواۃ عبادت کا مادی فارم ہے۔ زکواۃ کا مفہوم ہے ساتھ ٹیکس کو پاکیزہ بنانا یا اپنے مال کو پاک کر کے خدا کے یہاں ثواب حاصل کرنا اور اس پاکیزہ مال کو نشوونما دینا۔ نماز خدا تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کا اور انسان کی بندگی کا اظہار ہے۔ زکواۃ اس بات کا اظہار ہے کہ آدمی اپنی دولت کو دوسرے انسانوں کی بہبود کے لیے خرچ کرنے کے لیے تیار ہے۔ اور یہ انسان کی نرمی اور مہربانی کا اظہار ہے۔ قرآن نے نماز اور زکوۃ کا اکثر جگہوں پر ایک ساتھ تذکرہ کیا ہے اور دونوں کی ایک جیسی تاکید کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مادی اور بدنی عبادت دونوں کو اسلام یکساں اہمیت دیتا ہے۔ اللہ کا انسان سے مطالبہ صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ وہ اس کی بارگاہ میں سربسجود ہو بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی کمائی ہوئی دولت کو مخلوق خدا اور ضرورت مندوں پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خرچ کرے۔قرآن نے کہا:

وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ ٱلْقَيِّمَةِ ﴿٥﴾

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں، ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکواۃ دیتے رہیں یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔ [1]

شکر

شکر ایک بنیادی قرآنی قدر اور اصول ہے۔قرآن میں بار بار ہم کو شکر گزار ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔

إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٥﴾

بے شک اس کے اندر بڑی نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کرنے والا ہو۔ [2]

فَـَٔاوَىٰكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِۦ وَرَزَقَكُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٢٦﴾

پھر اللہ نے تم کو رہنے کی جگہ دی اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید کی اور تم کو پاکیزہ روزی دی تاکہ تم شکر گزار بنو۔ [3]

مَّا يَفْعَلُ ٱللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَءَامَنتُمْ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾

اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لاؤ، اللہ

[1] البینہ:5
[2] ابراہیم:5
[3] الانفال:26

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑا قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا۔ [1]

شکر دل و دماغ دونوں کا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے کرشموں پر دل بے ساختہ پکار اٹھتا ہے:

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، میرا شکر ادا کرو اور میری نعمتوں پر ناشکرے نہ بنو۔ [2]

ایمان والوں سے کہا گیا ہے کہ وہ کہا کریں:

قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيٓ

میرے معبود، میری نصرت فرما تا کہ میں تیرا سچا شکر گزار بن جاؤں۔ [3]

اس کے مقابلہ میں ناشکروں کے عمل کی قرآن یوں مذمت کرتا ہے:

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦٠﴾

ان میں سے اکثر شکر گزار نہیں ہیں۔ [4]

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾

اور اگرچہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربان ہے مگر ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔ [5]

شکر اور ناشکری دونوں مخلوق کے ساتھ سلوک کرنے میں ظاہر ہو جاتے ہیں، کہ شکر گزار مخلوق کی خدمت کرتا ہے اور ناشکرا اس سے بھاگتا ہے۔ شکر کے داخلی اور خارجی دونوں پہلو ہیں۔ خارجی سطح پر اس کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ بندہ دوسروں کی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے، ماحول کو سدھارتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ قرآن نے خیرات کرنے اور یتیموں، ناداروں اور

[1] النساء:147
[2] البقرۃ:152
[3] احقاف:15
[4] یونس:60
[5] النمل:73

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بوڑھوں کی مدد پر کس قدر زور دیا ہے۔ضرورت مندوں ومحتاجوں کی مدد کرنا ایمان والوں کے لیے ایک کبھی کبھار کیا جانے والا کام نہیں بلکہ یہ ان کا مستقل شیوہ ہونا چاہیے۔کیونکہ شکر کا تقاضا یہی ہے کہ انسان کی زندگی کسی نہ کسی پہلو سے دوسروں کی بھلائی اور معاشرہ میں امن وسکون لانے اور زندگی کو بہتر بنانے میں لگا رہے۔ماحول کا تحفظ بھی اس کا ایک حصہ ہے۔اللہ کے شکر کا سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ ہم انسانیت کو بڑھائیں اور اللہ کی تخلیق کے اس باغ کی خوبصورتی کو بڑھائیں۔

شکر کی اعلیٰ قسم یہ ہے کہ انسانی سماج کو اس طریقہ پر منظم کیا جائے کہ امن وسکون، انسانی احترام اور ہم آہنگی، اور مسلمان وغیر مسلم سب کے لیے عدل وانصاف جیسی قدروں کو فروغ دیا جائے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سولھواں باب

امن فتح یاب ہوتا ہے

احزاب (قریش اور حلیف افواج) پر اسلام کی فتح نے جزیرہ نمائے عرب کے حالات کو تبدیل کر دیا اور حضرت محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طاقت کو تسلیم کر لیا گیا اور جب آپ ﷺ کو ایک ابھرتی ہوئی ناقابل تسخیر علاقائی قوت کی صورت میں دیکھا جانے لگا تو فارس اور بازنطینی (رومی) جیسی سلطنتوں نے بھی حضرت محمد ﷺ کو "طاقتور عرب بادشاہ" کہنا شروع کر دیا۔

رمضان اور ایک خواب

رمضان کا مہینہ شروع ہو چکا تھا اور معمول کے مطابق، حضرت محمد ﷺ نے راتوں کی عبادت میں شدت پیدا کر دی اور غریبوں وضرورت مندوں کی طرف مزید توجہ دینے لگے۔ یہ روحانیت کا مہینہ تھا، حضرت محمد ﷺ اس وقت تک نازل شدہ قرآن جبرئیل علیہ السلام کو سنایا کرتے اور اس دوران آپ ﷺ نمازوں میں طوالت پیدا کرتے اور رمضان میں عشا کی نماز کے بعد تراویح کی اضافی نماز کا اہتمام کرتے تھے۔ آج اس نماز میں مختلف فقہی مسالک کے مطابق آٹھ سے بیس رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ آپ ﷺ اس میں اس وقت تک نازل شدہ مکمل قرآن کی تلاوت کرتے اور دعاؤں کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔ مرد وزن کو انسان کی فطری ضرورتوں: کھانا، پینا اور جنسی خواہشات کی تکمیل سے احتراز کرتے ہوئے دن میں روزے کا حکم تھا۔ اپنی فطری خواہشات کو قابو کر کے مسلمان احساسِ وجود خداوندی میں جیتے، ہر آن اس کو یاد کرتے اور اس کے ذکر سے زبانیں تر رکھتے اور خدائی اوصاف اختیار کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

بدنی روزوں کے علاوہ مسلمانوں کو زبان کا روزہ رکھنا ہوتا ہے جس میں جھوٹ، واہیات اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناشائستہ حرکات سے رُکنا شامل ہے اسی طرح دلوں کا روزہ رکھنے کی بھی تلقین کی جاتی ہے جس کا مطلب ہے برے احساسات اور خیالات سے اجتناب۔ یہ روحانی ریاضت، چند اضافی مطالبات کے ساتھ ہوتی ہے مثلاً غریبوں پر خصوصی توجہ اوران کا خیال رکھا جانا۔ رمضان کا مہینہ ماہِ قرآن کے ساتھ ساتھ سخاوت، بخشش اور اتحاد کا مہینہ ہے۔ مسلمانوں کو خواہ وہ عورت، مرد یا بچے ہوں، رمضان کے آخر میں خصوصی صدقہ (صدقۂ فطر) ادا کرنے کا خاص حکم ہے۔ تاکہ خوشی کے ایام میں معاشرے کے تمام افراد کی ضرورتوں کی نگہداشت اور دیکھ بھال کی جاسکے۔ اللہ سے قربت کی جستجو غریبوں کی مدد کے ذریعہ سے ہی پوری ہوسکتی ہے اوران کا احترام، ان کا خیال اور ان کی خدمت انسان کو اللہ سے قریب کرتی ہے۔

ماہِ رمضان میں حضرت محمد ﷺ نے ایک عجیب وغریب اور خوش آئند خواب دیکھا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ سر منڈوائے اور خانہ کعبہ کی کنجی اپنے داہنے ہاتھ میں پکڑے خانہ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ خواب کا منظر بہت خوشگوار تھا اور آپ ﷺ نے اس کی تعبیر ایک علامت اور پیغام کے طور پر لی۔

دوسرے دن آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس خواب کے بارے میں بتایا اور مکہ جاکر عمرہ کرنے کے لیے تیار رہنے کی دعوت دی۔ واضح رہے کہ عمرہ سال میں کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے جبکہ حج سال میں ایک خاص وقت پر ہی ادا کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوشی کے ساتھ ساتھ حیرت واستعجاب میں بھی تھے کہ آخر وہ سرزمین مکہ میں کیسے داخل ہوں گے؟ قریش اس کی اجازت کیسے دیں گے؟ وہ جنگ سے کیسے محفوظ رہیں گے؟ تاہم محمد ﷺ کی خوداعتمادی ان کے لیے باعثِ اطمینان تھی۔ ذوالقعدہ کے مہینے میں سفر شروع ہونا تھا جوان مقدس مہینوں میں سے ہے جن میں عرب جنگ نہیں کیا کرتے تھے۔ مزید برآں نبی ﷺ کے خواب اس وقت تک سچ ثابت ہوتے آئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس وقت تک استقامت اور خوداعتمادی سے ان کی قیادت کی تھی۔ چنانچہ جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روانگی کے لئے تیار ہو گئے۔

تقریباً بارہ سے چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر شروع کیا۔ خطرہ بہت زیادہ تھا لیکن نبی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے حجاج کرام کو شکار اور سفر کی دوسری ضروریات کے لئے ناگزیر سامان کے علاوہ اسلحہ اور ہتھیار لے جانے سے منع کر دیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی زوجہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے سفر شروع کیا اور دن کے پہلے حصے میں خود ہی دورانِ حج قربانی کے اونٹوں کو بھی مخصوص کر لیا۔ ادھر اہل مکہ کو بھی معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کا ایک قافلہ کعبہ کی زیارت کے ارادے سے مکہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ حالانکہ زمانہ قدیم سے کعبہ کی زیارت جزیرۃ العرب کے قبائل کے لیے ایک قانونی حق سمجھا جاتا تھا، مگر مسلمانوں کو اس سے محروم رکھا گیا تھا۔

قریش کشمکش میں

قریش ایک غیر یقینی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ انھیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے جواز کہاں سے لائیں، یا بہ صورت دیگر اپنے دشمنوں کو شہر میں داخل ہونے کی کیسے اجازت دیں، کہ اس سے پورے عرب میں ان کی سبکی اور مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جاتی۔ چنانچہ مسلمانوں کو مکہ سے قریب روکنے کے لئے قریش نے خالد بن ولید کو دو سو افراد کے ساتھ روانہ کر دیا۔

مسلمانوں کے مخبروں نے انھیں اس سے آگاہ کر دیا لہٰذا انہوں نے راستہ کو بدل دینے کا فیصلہ کیا تاکہ ایسی کسی بھی صورت حال سے احتراز کیا جائے جو تصادم کا باعث بنتی ہو۔ انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جس سے وہ مکہ سے ۸۱ کلومیٹر شمال میں حدیبیہ کے چٹیل میدان میں آ پہنچے جو کہ مدینہ سے ۱۳۰ کلومیٹر دور حرم کے کنارے اور مکہ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس مقام پر نبی ﷺ کی اونٹنی قصوا رک گئی اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ جیسا کہ سات سال قبل مدینہ میں داخلہ کے وقت محمد ﷺ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اسے بھی ایک نشانی سمجھا۔ مسلمان حجاج کے مکہ میں داخل ہونے سے متعلق قریش سے بات چیت کرنے کے لیے آپ ﷺ کو وہاں قیام کرنا پڑا۔

ایک مرتبہ پھر قریش رسول اللہ ﷺ کے اس رویئے سے بالکل ششدر رہ گئے جو کہ ان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی دینی، ثقافتی یا جنگی روایات سے مطابقت نہیں رکھتا تھا کہ طاقت وقوت ہونے کے باوجود، آپ ﷺ غیر مسلح مکہ آرہے ہیں۔ اور اس طرح عملاً آپ ﷺ غیر محفوظ تھے، اگرچہ آپ ﷺ اگر چاہتے تو اتنی قوت تو میدان میں لا ہی سکتے تھے کہ دشمن پر بآسانی غلبہ پالیں۔ مگر آپ ﷺ دل سے امن چاہتے تھے اور کوئی خون خرابہ بالکل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے قریش کو کشمکش میں ڈال دیا کہ کیا کریں۔ محمد ﷺ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں اور اپنے وقار کی حفاظت کریں یا مسلمانوں کو مکہ میں داخلہ کی اجازت دے کر اپنی بے عزتی برداشت کریں۔ یہاں محمد ﷺ کی مدبرانہ حکمت عملی نے اپنا کام کیا۔

معاہداتی گفت وشنید

قریش نے مسلمانوں کو حج ادا کرنے کی اجازت نہ دینے کا عزم کر رکھا تھا۔ نہ صرف اس وجہ سے کہ ان کی روایتی عزت داؤں پر لگی ہوئی تھی، بلکہ یہ وجہ بھی تھی کہ وہ محمد ﷺ کے حقیقی ارادوں کو لے کر پس وپیش میں تھے۔ انہوں نے قبیلہ بنوخزاعہ سے ایک قاصد بدیل کو بھیجنے کا فیصلہ کیا، جن کا کسی بھی فریق سے کوئی جھگڑا نہیں تھا لہٰذا وہ ثالثی کا کام انجام دے سکتے تھے۔ بدیل نبی ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے یقین دلایا کہ آپ ﷺ حملہ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے بلکہ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ ادا کر کے گھر واپس چلے جائیں گے۔ لیکن آپ ﷺ نے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ دیگر قبیلوں اور قوموں کی طرح آپ ﷺ کو بھی حرم میں داخلہ کا حق ہے اور آپ ﷺ بھی ہر اس شخص سے لڑائی کے لئے تیار ہیں جو آپ ﷺ کو آزادانہ مقدس مقام میں داخل ہونے کے حق سے روکے گا۔ پھر بھی اگر حجاج کو داخل ہونے دینے کے لیے قریش کو کچھ وقت چاہئے، تو آپ ﷺ قریش کے اس امر پر تیار ہونے تک حدیبیہ میں انتظار کر سکتے ہیں۔ بدیل مکہ واپس گیا اور یہ تجویز پیش کی کہ قریش مسلمانوں کو داخلے کی اجازت دے دیں لیکن اس کی تجویز کا بڑی سردمہری سے استقبال کیا گیا اور قریش کے سردار عکرمہ بن ابی جہل نے اسے قطعی طور پر نامنظور کر دیا۔

قریش کے ایک سردار عروہ نے حضرت محمد ﷺ سے ملنے اور بات چیت کرنے اور اسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہانے آپ ﷺ کے ساتھیوں اور فوجی مہم کی نوعیت کو قریب سے دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرب قبائل میں مروجہ روایات کے مطابق گفتگو شروع کی، آپ ﷺ کو بے تکلفی اور ہم مرتبہ کی حیثیت سے مخاطب کیا یہاں تک کہ قبائلی سرداروں کی عادت کے مطابق آپ ﷺ کی داڑھی کے پاس اپنا ہاتھ لے گیا۔ عروہ کی اس عادت پر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے سختی سے سرزنش کی اور اس برتاؤ سے باز نہ آنے کی صورت میں مارنے کی تنبیہ بھی کی۔ عروہ کو بڑا تعجب ہوا، مگر واپسی سے قبل وہ مسلم خیموں کا مشاہدہ اور حالات جاننے کے لیے ٹھہرا رہا، وہ محمد ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ وابستگی اور خود سپردگی کے جذبات کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ قریش کے پاس واپس آیا اور ان سے وہی بات کہی جو بدیل نے کہی تھی کہ مسلمانوں کو عمرہ ادا کی اجازت دینا زیادہ دانشمندی کی بات ہوگی، کیونکہ ان کا جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ لیکن لیڈرانِ قریش نے اسے بھی مسترد کر دیا۔

عروہ کے اس مشن کے علاوہ مصالحت کی دیگر دو کوششیں اور بھی ہوئی تھیں۔ بنو الحارث کا حلیث بھی نبی ﷺ کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو دور سے ہی پہچان لیا، چونکہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ حلیث اور اس کا قبیلہ مذہبی اور مقدس امور کا بڑا احترام کرتے ہیں، اسی لئے آپ ﷺ قربانی کے مخصوص اونٹوں کے ساتھ اس سے ملنے کو آئے۔ جب حلیث نے اونٹوں کو دیکھا تو پیغام سمجھ گیا اور فوراً واپسی کا فیصلہ کیا، اس یقین کے ساتھ کہ محمد ﷺ پر امن طریقے سے حج ادا کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا ارادہ نہیں رکھتے۔ نبی ﷺ خود بھی خاموش نہیں بیٹھے بلکہ آپ نے حضرت خراش رضی اللہ عنہ کو قریش سے بات کرنے کے لئے بھیجا، مگر قریش کے سردار عکرمہ نے ان کی بات سننے سے نہ صرف انکار کیا، نہ صرف یہ بلکہ ان کے اونٹ کے پیر کاٹ دیئے، اور ان کو مارنے کے در پر ہی تھا کہ حلیث ان کی حفاظت کے لیے آگے بڑھا اور یہ گزارش کی کہ انہیں بنا کسی نقصان کے رسول اللہ ﷺ کے پاس لوٹنے کی اجازت دی جائے۔

مصالحت کی چار کوششیں ناکام ہو چکی تھیں، اور قریش پہلے سے اور زیادہ ضدی و سخت معلوم پڑ رہے تھے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے ایک آخری کوشش کا فیصلہ کیا کہ ایک ایسا نمائندہ بھیجا جائے جسے مکہ میں تحفظ اور احترام حاصل ہو۔ ممکن ہے اس کے لیے وہ مقدر رہو جو خراش رضی اللہ عنہ کے لیے نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا اور شاید کہ اس کی بات سنی جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے داماد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چنا جن کے مکہ میں مضبوط قبائلی تعلقات تھے اور کوئی ان پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گئے اور گو کہ ان کا خیر مقدم کیا گیا مگر ان کو بھی اسی انکار کا سامنا کرنا پڑا کہ قریش مسلمانوں کو عمرہ کی اجازت نہیں دیں گے۔ ہاں اگر وہ چاہیں تو وہ خود کعبہ کا طواف کر سکتے ہیں لیکن محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو حج کرنے دینے کا کوئی سوال نہیں اٹھتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ ان کے مشن میں توقع سے زیادہ وقت لگ گیا اور تین دنوں تک رسول اللہ ﷺ کو ان کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی۔ یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا، جس سے رسول اللہ ﷺ کو سخت رنج و غم پہنچا۔ قریش کے اس عمل کو، ماہِ مقدس میں ایک نمائندہ کا قتل اور مسلمانوں کو طوافِ کعبہ کے قانونی حق سے روکنے کو، مسلمانوں کے خلاف ایک نئی جنگ کا پیش خیمہ ہی سمجھا جا سکتا تھا۔ لہٰذا اب مسلم کیمپ کو جنگ کے لئے تیار ہونا پڑا۔

بیعت رضوان

حضرت محمد ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیزی سے آپ ﷺ کے پاس آ گئے۔ آپ ﷺ ببول کے ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ گئے اور ہر مسلمان سے اطاعت و فرمانبرداری کا حلف لیتے ہوئے بیعت کرنے کے لئے کہا۔ اس کے ذریعہ گویا مسلمانوں نے یہ بات صاف کر دی کہ نتائج خواہ کچھ بھی ہوں وہ نبی ﷺ کے وفادار رہیں گے۔ وہ ادائیگی حج کے لئے آئے تھے اور غیر مسلح تھے، اور اب ایسے متوقع تصادم کا سامنا تھا جس کے لیے وہ بالکل تیار نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے اظہارِ وفاداری کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہرگز پیٹھ نہ پھیریں گے چاہے جان دینی پڑے، کیونکہ بظاہر قوت کا توازن ان کے یکسر مخالف تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی خود اپنا بایاں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ میں رکھا اور وہاں موجود مسلمانوں سے کہا کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے۔ کیونکہ وہ اب تک واپس نہیں آئے تھے اور نبی ﷺ ان کو شہید سمجھ رہے تھے۔

دریں اثنا جب آخری صحابی نے بیعت مکمل کی ہی تھی کہ اچانک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظاہر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئے۔رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے کہ قریش اتنے جلد باز نہیں کہ مقدس مہینوں میں عدم تشدد کی روایت کی بے حرمتی کریں۔اس طرح اب قریش کے ساتھ تصادم کے امکانات نہایت کم ہوتے نظر آئے اور رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ آخر کار سر براہانِ قریش نے ایک نئے نمائندہ سہیل بن عمرو کو مسلمانوں کے ساتھ رسمی معاہدہ کرنے کے لئے بھیج دیا ہے۔آپ ﷺ نے ان کے استقبال اور ان کی تجاویز کے جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔

اب حالات مکمل طور سے بدل چکے تھے اور اب محمد ﷺ قریش اور اپنے معاشرے کے درمیان امن کی شرائط پر بات چیت شروع کرنے والے تھے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت رضوان یہ سوچ کر کی تھی کہ وہ تصادم ہونے کی صورت میں غیر مسلح ہونے کے باوجود اپنی جانیں لڑا دیں گے اور اسلام اور نبی اسلام پر کٹ مریں گے۔اب ایسی صلح کی شرائط اور نفاذ کے ذریعہ ان کی وفاداری کا امتحان ہونے جا رہا تھا جس میں ان کی حیثیت مضبوط فریق کی تھی۔آیت کریمہ اس بیعت کو بیان کرتی ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔[1]

لیکن صلح کے سلسلہ میں مسلمانوں کا خیال تھا کہ حالیہ جنگوں کے بعد انہوں نے عظیم الشان عزت و وقار حاصل کر لیا ہے لہٰذا دب کے رہنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

خالق اور مخلوق

حضرت محمد ﷺ کی وفات کے چند سال بعد وہ جگہ اور ببول کا وہ پیڑ، جہاں نبی ﷺ تشریف فرما ہوئے تھے اور صحابہ سے بیعت اطاعت لی تھی، لوگوں کے درمیان اہمیت حاصل کر گیا۔کچھ لوگ ببول کے پیڑ کو متبرک سمجھنے لگے اور بیمار لوگ شفایابی کے لئے پیڑ کے نیچے بیٹھنے لگے۔جب اس پیڑ کے ذریعہ شفایابی کا عمل شہرت حاصل کرنے لگا اور یوں تقریباً اس ببول کے

[1] الفتح:18

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیڑ کی عبادت کا راستہ کھلنے لگا تو چونکہ درخت کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے کا یہ عمل اسلامی توحید کے لئے ضرر رساں تھا لہٰذا اسلامی توحید کی حفاظت اور اله واحد سے انحراف سے بچنے کے لیے عمر رضی اللہ عنہ نے اس پیڑ کو اکھڑوا دیا اور کہا "لوگ خالق کی عبادت کریں نہ کہ اس کی مخلوق کی۔" یہ عمل اس بات کو نہایت واضح کر دیتا ہے کہ اسلام میں اس بات کی قطعی گنجائش نہیں ہے کہ نبی ﷺ کی کسی بھی یادگار یا وراثت کو اللہ کے ساتھ شریک کیا جائے۔

صلح حدیبیہ

۶ ہجری بمطابق مارچ ۶۲۸ عیسوی کو ریاست مدینہ اور مکہ کے قبیلہ قریش کے درمیان معاہدہ وقوع پذیر ہوا۔ حضرت محمد ﷺ نے سفیرِ قریش سہیل کا استقبال کیا، ان کے ساتھ مکرز بن حفص بھی تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کچھ دوری پر گفتگو شروع ہوئی اور معاہدہ کے تمام اجزا پر بحث ہوئی جس میں کبھی کبھی تلخی بھی آجاتی۔ جب معاہدے کے شرائط متعین ہو گئے تو نبی ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسے ضبطِ تحریر میں لانے کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسب معمول بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا ہی مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے) کی کتابت سے متن کا آغاز کیا، لیکن سہیل نے اس پر یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ وہ رحمن کو نہیں جانتے اور انہیں **بسمك اللهم** (اے اللہ تیرے نام سے شروع کرتا ہوں) کا استعمال کرنا چاہیے، اصل میں اس کلمہ کو تمام عرب جانتے تھے (یہاں تک کہ مشرکین بھی اپنے اصل خدا کو پکارنے کے لئے اس کا استعمال کرتے تھے)۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً اس کا منہ توڑ جواب دیا کہ اس جملے کی تبدیلی کا سوال ہی نہیں اٹھتا، لیکن نبی ﷺ نے مداخلت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو **بسمك اللهم** لکھنے کے لیے کہا۔

حضرت محمد ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھتے رہنے کی ہدایت کی، "یہ شرائطِ عہد نامہ ہیں جن پر اللہ کے رسول محمد اور سہیل بن عمرو کے مابین دستخط کیے جا رہے ہیں۔" سہیل نے یہ کہتے ہوئے دوبارہ نااتفاقی ظاہر کی "اگر ہم یہ مانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ ﷺ سے لڑائی ہی نہ کرتے۔ اس کے بجائے 'محمد بن عبداللہ' لکھیے۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو پہلے ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''رسول اللہ'' لکھ چکے تھے، ایسا کرنے سے بالکل منع کر دیا تو نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وہ جگہ دکھانے کے لئے کہا جہاں یہ جملہ لکھا ہوا تھا اور اسے خود مٹا دیا اور وہ اضافہ کروایا جس کی سہیل نے گزارش کی تھی، یعنی لفظ محمد بن عبداللہ کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت حیرت واستعجاب میں تھے اور نبی ﷺ کے رویہ کو نہیں سمجھ پا رہے تھے۔

معاہدے کے شرائط سے مسلمانوں کے کان کھڑے ہو گئے کیونکہ وہ مصالحتوں کا ایک ایسا سلسلہ جان پڑتا تھا جو کہ مسلمانوں کے بہت زیادہ ناموافق تھا۔

عہدنامہ پانچ اہم نقاط پر مبنی تھا:

1. مسلمان اس سال حج نہیں کریں گے بلکہ انہیں اگلے سال حج کرنے کی اجازت ہوگی اور وہ صرف تین دن قیام کریں گے۔
2. طرفین کے ذریعہ دس سالہ جنگ بندی پر عمل کیا جائے گا اور ان کے تمام افراد خطے میں امن کے ساتھ سفر کے لیے آزاد ہوں گے۔
3. معاہدے میں شامل فریق سے وابستہ تمام قبائل یا خاندانوں پر بھی معاہدے کی شرائط فوراً منطبق ہوں گے۔
4. مکہ چھوڑ کر مدینہ جانے والا کوئی بھی مسلمان مکہ کے لیڈران کے حوالے کر دیا جائے گا جبکہ مدینہ سے بھاگنے والے اور مکہ میں پناہ چاہنے والے کو پناہ دی جائے گی۔
5. اسلحے کو غلاف سے باہر نکالا جائے گا اور نہ ہی غداری برداشت کی جائے گی۔

ان کے علاوہ کچھ اور بھی ایسی شرطیں تھیں جو بظاہر ذلت آمیز تھیں اور مسلمانوں کے لئے ضرر رساں معلوم پڑتی تھیں لیکن نبی ﷺ نے ان کو قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم امن کے ارادے سے آئے تھے اور امن کی خاطر ہی اہل مکہ کے مطالبات مان لیتے ہیں۔

مدینہ: دو دشمنوں کے درمیان

مشہور فقیہ امام سرخسیؒ ایک وقیع نکتے کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ خیبر مدینہ کے شمال میں ہے جبکہ مکہ جنوب میں واقع ہے۔ اس طرح سے مدینہ دو دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ خیبر اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مکہ دونوں مسلمانوں سے نبرد آزما تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ کسی بھی شہر پر مسلم حملے کی صورت میں وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے پر پابند تھے اور ایسی صورت میں دوسری جماعت مدینہ پر چڑھائی کر دیتی۔ یعنی اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی طرف پیش قدمی کرتے تو اہل مکہ پر حملہ کر دیتے اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی جانب پیش قدمی کرتے تو مدینہ کے لوگ خیبر کے حملے سے غیر محفوظ رہتے۔

ان حالات میں ایک مدبر سپہ سالار اور ایک قابل سیاستداں ایک دشمن کو دوست بنانے اور دوسرے کو بے اثر بنانے کا عقلمندانہ فیصلہ ہی لے گا۔ اس طریقے سے مؤثر انداز سے خطرہ سے نمٹنا آسان ہوگا۔ قریش کی شرائط سے فراخدلانہ طور سے متفق ہونے کی یہی وجہ تھی جو بظاہر ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسے مسلمانوں پر تھوپی جا رہی ہوں۔ سب سے اہم فیصلہ اس گروہ کا انتخاب تھا جس کے ساتھ امن قائم کیا جانا تھا وہ یا تو خیبر ہوتا یا مدینہ؟ خیبر سے معاہدہ ناممکن تھا۔ بنو نضیر کے یہودی مدینہ سے نکالے گئے تھے لہٰذا ان کی پہلی شرط یہ ہوتی کہ شہر میں دوبارہ آنے کی اجازت دی جائے۔ وہ خود مالدار تھے، اس لئے مالی معاوضہ میں ان کی کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔

جب کہ دوسری جانب مکہ کے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے اور مدینہ ہجرت کرنے والے دیگر مہاجرین ان کے بھائی، چچا اور بھتیجے وغیرہ تھے۔ لہٰذا زیادہ مناسب یہ تھا کہ اپنے رشتہ داروں پر حملہ کرنے کے بجائے ان کو جنگ سے بچا لیا جائے اور یہود کو تنہا کر دیا جائے۔ علاوہ ازیں اہلِ مکہ کو تین شکستوں نے کمزور کر دیا تھا جو انہوں نے بدر، احد اور احزاب کی جنگوں میں کھائی تھیں۔ ان کی مالی حالت بدتر ہو گئی تھی اور تجارت بھی کافی متاثر ہوئی تھی۔ اس لئے انہیں مسلمانوں کے ساتھ قیامِ امن کے لیے آسانی سے قائل کیا جا سکتا تھا۔ متعدد اسباب کی بنا پر اہل مکہ دل ہی دل میں مسلمانوں کے ساتھ پر امن تعلقات رکھنے کے لئے تیار معلوم ہوتے تھے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دورانِ قحط ان کے دلوں کو جیتنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شرط کو چھوڑ کر جو کہ دشمنوں کو عزت واحترام دینے کے مترادف تھی، بقیہ تمام شرائط کو قبول کر لیا۔

معاہدے کی ایک دفعہ آدھی سطر میں لکھی گئی تھی ''لا اسلال ولا اغلال'' یہ ایک اہم دفعہ تھی۔ اس کا لفظی معنی ہے کہ ''اسلحے کو غلاف سے باہر نہ نکالا جائے گا اور نہ ہی معاہدے کی خلاف ورزی قبول کی جائے گی۔'' اہل مکہ اور مسلمانانِ مدینہ نے یہ عہد کیا کہ نہ تو ایک دوسرے سے لڑائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کریں گے اور نہ سازش، چالبازی اور سازباز و غداری کے ذریعہ صلح کو توڑیں گے۔ بالفاظ دیگر، کسی تیسری جماعت کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائی کی حالت میں اہل مکہ نے غیر جانبداری کا عہد کیا اور یہ کہ کسی قسم کی کوئی غداری یا دھوکہ دہی نہیں ہوگی۔

حضرت محمد ﷺ نے اہل مکہ کو صرف یہی ایک شرط ماننے پر آمادہ کیا اور اس کے بدلے میں آپ ﷺ نے فراخدلی سے مکہ والوں کی پیش کردہ تمام شرائط مان لیں۔ آپ ﷺ دس سالہ مدت کے لیے امن پر راضی ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مکہ کے تجارتی قافلوں کو مدینہ سے گزرنے کی اجازت دی اور بدلے میں، آپ ﷺ نے تیسرے فریق کے خلاف مسلمانوں کی آئندہ ہونے والی جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا مطالبہ کیا۔ مکہ کی جانب پیش قدمی کے بجائے آپ ﷺ نے اپنے دل شکستہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حدیبیہ میں عمرہ ختم کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نہایت رنجیدہ اور مایوس تھے مگر انہوں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم مضطرب ہوتے ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ محسوس ہونے لگا کہ اس معاہدہ پر، جو کہ انہیں ایک فریب اور دھوکا دیکھائی دیتا تھا، دستخط کرنے کے بعد انہیں طواف کعبہ کے بغیر ہی واپس لوٹنا پڑے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر معاہدے کو ''ذلت آمیز پسپائی'' قرار دے دیا۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلدی سے نبی ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ ﷺ سے احتجاج کیا۔ انہوں نے ایسے سوالات کیے جن سے ان کی ناگواری و ناراضگی ظاہر ہوتی تھی:

کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟

کیا ہم صحیح نہیں ہیں اور ہمارے دشمن غلط نہیں ہیں؟

کیا ہمیں ذلت کے ساتھ اپنے دین کے وقار کو مجروح کرنا چاہیے؟

ہر مرتبہ نبی ﷺ نے بڑی نرمی سے جواب دیا، لیکن یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مطمئن کرنے کے لئے کافی نہ تھا چنانچہ وہ سخت غضبناک حالت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے اور ان کے سامنے بھی اپنے اضطراب کو ظاہر کر دیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں خاموش رہنے اور صبر کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشورہ دیا کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یقین تھا کہ نبی ﷺ حق پر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود پر قابو کیا اور خاموش ہو گئے، اگر چہ انہیں یہ یقین رہا کہ معاہدہ ہمارے مفاد میں نہیں۔

اس واقعہ کا مشاہدہ کرنے والے مسلمان سخت رنج وغم محسوس کر رہے تھے: وہ اس اقدام کے پیچھے نبی ﷺ کی دانشمندی کو نہیں سمجھ سکے۔ نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہمت اور عظمت کی تعلیم دی تھی اور اب وہ بے چارگی کے ساتھ خود کو ایک غیر منصفانہ معاہدہ قبول کرتے دیکھنے پر مجبور پا رہے تھے۔

اسی لیے جب نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حج کے لیے مخصوص کردہ اونٹوں کے ذبح کرنے کا حکم دیا تو شروع میں کسی بھی صحابی نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل نہ کی، کیونکہ کڑواہٹ بہت گہری تھی۔ نبی ﷺ نے اس حکم کو تین بار دہرایا لیکن کسی نے جواب نہیں دیا۔

یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ حضرت محمد ﷺ بظاہر صحابہ کی اجتماعی نافرمانی کا سامنا کر رہے تھے۔ نبی ﷺ نہایت حیرت زدہ، غمگین اور مایوس ہوئے۔ آپ ﷺ اپنے خیمہ میں گئے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پوری بات بتائی کہ اونٹوں کو ذبح کرنے میں صحابہ کرام ہچکچا رہے ہیں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سنا تو آپ ﷺ کو عقلمندی اور خاموشی سے کام لینے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ ﷺ بنا کچھ کہے باہر جائیں اور اپنے اونٹ کو ذبح کر دیں۔ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ ان پندرہ سو لوگوں سے وہ کام نہیں کروا سکتے جسے وہ کرنا نہیں چاہتے۔ آپ ﷺ صرف اپنا فرض انجام دیں جسے اللہ نے آپ ﷺ پر عائد کیا ہے۔ آگے بڑھیں اور اپنے مناسک کو ایک کھلی جگہ انجام دیں تاکہ سبھی لوگ آپ ﷺ کو دیکھ سکیں۔ اُن کو نادان ثابت کرنے کے لیے اتنا کافی ہوگا!'' حضرت محمد ﷺ نے ان کے مشورے کو سنا جو کہ دانشمندانہ ثابت ہوا۔ آپ ﷺ اپنے اونٹ کے پاس گئے، دعا پڑھتے ہوئے اسے ذبح کیا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے اٹھے اور ایسا ہی کیا۔ پھر نبی ﷺ نے اپنا سر منڈوایا اور صحابہ کرام نے بھی اسی پر عمل کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جذباتیت بمقابلہ ذہانت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جلد ہی محسوس کرلیا کہ معاہدے کے متعلق ان کا پہلا احساس کلی طور سے غلط تھا اور انہوں نے محمد ﷺ کی گہری روحانیت، زبردست عقلی دلیل، غیر معمولی فراست اور اعلیٰ جنگی حکمت عملی کی صحیح قدر نہیں کی تھی۔ اصل میں آپ ﷺ نے غیبی نشانیوں کو دیکھا تھا اور جب آپ ﷺ کی اونٹنی حدیبیہ پر بیٹھ گئی اور آگے بڑھنے سے انکار کردیا تبھی آپ ﷺ پر یہ منکشف ہوگیا کہ مسلمان اس سال حدیبیہ کے میدان سے آگے نہ بڑھ سکیں گے۔ اسی چیز نے ابتدائی چار مذاکرات کی ناکامی اور قریش کی ہٹ دھرمی کے باوجود آپ ﷺ کو صبر پر آمادہ رکھا۔ اپنے خواب پر آپ ﷺ کو مکمل اعتماد تھا، جس میں آپ ﷺ نے خود کو مقام مقدس میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا، اور ایسا ہو کر ہی رہنا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ خواب میں یہ بات تو نہیں تھی کہ ایسا اسی سال ہو جائے گا۔ اس بار نہیں ہوا تو وہ آئندہ پورا ہو کر رہے گا۔

وفاداری کی وہ بیعت جو دشمن سے تصادم کی صورت میں مسلمانوں کو دشمنوں کے خلاف متحد رہنے اور نبی سے وفادار رہنے کی متقاضی تھی اب ایک ایسی بیعت اطاعت میں تبدیل ہوگئی جو امن معاہدہ کی شرائط کو عزت و وقار کے ساتھ برداشت کرنے کا مطالبہ کر رہی تھی۔

مزید برآں، جب قریش کے نمائندے سہیل نے اللہ اور محمد ﷺ کے رسول اللہ کے مرتبہ کو بیان کرنے والے دونوں جملوں کو ماننے سے انکار کردیا، تو محمد ﷺ نے اس کے نقطہ نظر کو سنا اور اس موقع سے، چیزوں کو اپنے مخاطب کے نقطہ نظر سے دیکھا۔ سہیل کا کہنا اس کے نقطہ نظر کے مطابق بالکل درست تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر قریش نے آپ ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کرلیا ہوتا تو وہ آپ کے خلاف لڑائی ہی نہ کرتے۔ چنانچہ اب اگر ہر ایک فریق اپنے دعوے کو مسلمہ حیثیت میں لیتا اور کوئی فریق بھی لچک نہ دکھاتا تو ایسے میں کوئی معاہدہ ممکن ہی نہ ہوتا۔ حالانکہ امن معاہدہ خود اپنے دوررس اثرات کے لحاظ سے پوری طرح اسلام کے مفاد میں تھا کہ قیام امن خود اسلام کا ایک مقصد ہے۔

صحابہ کرام فی الفور اس وقت فریق ثانی کے موقف کو نہیں سمجھ سکے اور نہ رسول اللہ کی فراست کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ادراک کر سکے لیکن رسول اللہ ﷺ کا رویہ اور معاہدے کی شرائط کے بارے میں آپ ﷺ کا موقف، سیاسی بصیرت اور گہری روحانیت پر مبنی تھا۔

نکتہ یہ تھا کہ سچائی کے ساتھ دلی تعلق کو جذباتیت اور اندھی تقلید میں تبدیل ہونے کی اجازت کبھی نہیں دی جانی چاہیے۔ حالات کا تجزیہ کرنے، کسی کے ردعمل کو اعتدال پر لانے اور دوسروں کی سچائی سے منطقی اور شائستہ تعلق قائم کرنے میں ہمیشہ اسباب کو خیال میں رکھا جائے۔ مسلمانوں کے نقطہ نظر سے جو چیز قابل قبول نظر نہیں آرہی تھی اس کا دوسری چیزوں اور اسباب سے تجزیہ کیا جائے تو وہ قابل قبول ٹھہرتی ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے مسلمانوں کے عزت و وقار کو بچانے یا پھر فتح خندق کے بعد جدید سیاسی حالات سے فائدہ اٹھانے کے لئے قریش کی تذلیل کو مناسب نہیں سمجھا۔ اس سال مکہ میں داخل نہ ہونے سے متفق ہو کر آپ ﷺ نے قریش کی اِس نفسیاتی کمزوری کا خیال کیا اور ان کے بھرم کو باقی رکھا، جس کے باعث طویل مدتی امن قائم ہو گیا۔ ایسا امن، جس نے دونوں خیموں کے مفاد عامہ کا خیال رکھا اور جو جلد ہی مسلمانوں کی بھلائی میں تبدیل ہونے والا تھا۔ اس دفعہ سے، جس میں یہ کہا گیا کہ مدینہ ہجرت کرنے والے واپس کر دیئے جائیں گے اور مدینہ چھوڑ کر مکہ جانے والے مسلمانوں کو قریش پناہ دیں گے، بظاہر مسلمانوں کے مفادات متاثر ہو رہے تھے۔ لیکن ان دونوں شرطوں کو یہ فرض کر کے مان لیا گیا تھا کہ کس مرتد کے مدینہ چھوڑنے سے مسلم معاشرے کو کوئی فرق نہیں پڑے گا، (ظاہر ہے کہ مدینہ چھوڑ کر جانے والا مومن تو ہو نہیں سکتا تھا) اور مصائب کے باوجود مکی مسلمان کے واپس اس کے قبیلے میں بھیجے جانے سے اس کا عقیدہ متزلزل نہیں ہو گا۔ جس چیز کو فرض کیا گیا، تاریخ نے اس کو صحیح ثابت کر دیا۔

فتح مبین

حق کے شدید جذبے اور نہایت مدبرانہ ذہن کے ساتھ ذات الٰہی پر حضرت محمد ﷺ کے ایقان نے آپ ﷺ کو دس سالہ امن معاہدہ کے باعث آئندہ زیارت کعبہ کے قابل بنا دیا تھا۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوری نتیجے کے خواہاں تھے، اور انہوں نے یہ محسوس کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا کہ یہ ایک تحقیر ہے اور شکست ہے۔ مگر بعد میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ان کو بھی اس کی معنویت کا ادراک ہو گیا اور انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سخت ردعمل پر افسوس کیا۔ واپسی کے وقت ان سے کہا گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلوایا ہے۔ ان پر یہ خوف طاری تھا کہ خدانخواستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اس نامعقول رویے پر قصوروار نہ ٹھہرائیں یا اس سے بھی آگے یہ نہ کہیں کہ ان کے اس ناروا برتاؤ کی مذمت میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک پرنور شگفتہ چہرے کے ساتھ پایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی توقع کے برخلاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بتایا کہ مجھ پر یہ سورہ نازل ہوئی ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱

بیشک، ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح عطا کی ہے۔ [1]

پھر اللہ نے بیعت اطاعت کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝۱۸

اسے معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا، ان کے دلوں میں سکون و اطمینان نازل کیا اور اس نے انہیں قریب کی فتح سے نوازا۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب کی روشنی میں یہ تمام باتیں ذکر کی گئی تھیں، جو کہ سچا تھا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝۲۷

(یقیناً اللہ تعالی نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا کہ ان شاء اللہ تم یقیناً

[1] الفتح:1

[2] الفتح:18

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے، سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے، نڈر ہو کر۔ وہ ان امور کو جانتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے، پس اس نے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمہیں میسر کی۔ [1]

ماضی قریب کے واقعات اس طریقے سے پیش آئے تھے جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ادراک سے یکسر مختلف تھے۔ جنگ کی تیاری کے لئے عہدِ وفاداری درحقیقت امن کے لئے قابل وثوق ہونے کا عہد قرار پا گیا۔ واضح شکست کو ''فتح مبین'' کے طور پر پیش کیا گیا، اور بظاہر ناکام نظر آنے والا خواب مستقبل کے یقین کے طور پر بیان کیا جارہا تھا،

''تم مسجد حرام میں داخل ہو گے''۔

مسلمانوں کی بڑی اکثریت امن معاہدے کی مجوزہ امیدوں اور توقعات کو نہیں سمجھ سکی، یا نہیں دیکھ پائی یا اس کے ادراک میں ناکام رہی۔ لہٰذا صلح حدیبیہ ایک بار پھر، روحانیت کا ایک عظیم لمحہ تھا۔ مزید برآں، دانشمندی اور فراست سے متعلق ایک استثنائی سبق تھا۔ دوسروں کی سننا، کسی کے نقطہ نظر کو صحیح سمجھنے کی صلاحیت، دوسروں کے وقار کا احساس اور دور اندیشی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی خصوصیات ہیں جس کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حل

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی کے ایک دوسرے گوشہ سے بھی ایک مثال تھے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اونٹوں کی قربانی سے انکار کر دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سنی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پورے بھروسہ کا اظہار کرتے ہوئے اس مشکل کا حل پیش کیا۔ یہ گفتگو، یہ فہم اور سماعت سب اپنی بیویوں کے تئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن تعامل کو ظاہر کرتے ہیں۔ کئی سالوں پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی یہی تجربہ ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اردگرد کی عورتوں کے سامنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی بات کو ظاہر کرنے، ان سے مشورہ کرنے، ان سے بات کرنے اور ان کی رائے کو اختیار کرنے میں کبھی پس و پیش اور تامل نہیں کیا۔ آپ ﷺ اپنی زوجہ محترمہ کے پاس جاتے ہیں اور ایک عام انسان کی طرح ان سے الفت و محبت، اعتماد و بھروسہ کے ساتھ ان کے سامنے اپنی مشکل رکھتے اور مشورہ کرتے ہیں۔ یہ تمام انسانوں کے لئے ایک قابل تقلید مثال ہے۔ مسلمان مدینہ واپس آ چکے تھے اور روزمرہ کی زندگی پہلے کے مقابلے میں کہیں کم کشیدگی کے ماحول میں دوبارہ شروع ہو چکی تھی۔ اس معاہدے نے بیرونی خطرات کی نگرانی کو کافی حد تک کم کر دیا اور مسلم معاشرے کے اندرونی معاملات، ترقی اور دور دراز علاقوں میں اسلام پھیلانے کی جانب زیادہ توجہ دینے کا موقع فراہم کیا۔

مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا اور ان کی شمولیت اور اسلامی تعلیم کو مسلسل منصوبہ بند اور منظم کیا جا رہا تھا۔ جزیرہ نمائے عرب کی طاقتور شخصیات مدینہ میں اسلام قبول کرنے آئیں۔ اور ان میں سے زیادہ تر مدینہ ہی میں آباد اور مدنی معاشرہ میں شامل ہو گئے۔ معاہدے کے اجراء کے دو سالوں کے اندر، پہلے سے کہیں زیادہ ہزاروں لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

اللہ کے دین میں فوج در فوج داخلہ

اسلام کا پیغام جزیرۃ العرب کے تمام اطراف میں پھیل چکا تھا۔ ہر قبیلہ میں کچھ نہ کچھ لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی عظیم شخصیت کا سحر تھا۔ اور اس امن کا نتیجہ تھا جو صرف آپ ﷺ کی بصیرت کے باعث ممکن ہو سکا تھا۔

اب تک کئی عناصر ایسے تھے جو لوگوں کو فوج در فوج اسلام کے سایہ میں آنے سے روکتے رہے تھے کچھ قبائل جو دل سے اس دعوت کی حقانیت کو سمجھ رہے تھے وہ اس بات سے ڈر رہے تھے کہ قبول اسلام کی صورت میں انہیں قریش کے طاقتور قبیلہ سے نزاع مول لینی پڑے گی اس لیے وہ کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے قریش ناراض ہو جائیں۔ اسی طرح مکہ سے ان کو جو تجارتی و مادی فائدے تھے ان کو کھونے کا خطرہ بھی تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح کے تمام قبائل کو صلح حدیبیہ سے خوشی اور فائدے ہوئے کہ اس صلح سے پورے جزیرۃ العرب میں جنگ وجدال کے خاتمہ اور قیام امن کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ فریقین نے 10 سال کے لیے امن وامان رکھنے کا عہد و پیمان کرلیا تو مذکورہ بالا خطرات وخدشات میں کمی آئی۔ اب قریش کے لیے یہ ممکن نہیں رہ گیا تھا کہ مسلمان ہوجانے والے قبیلوں یا افراد کے خلاف کوئی تادیبی کاروائی کریں۔ اور لوگوں کو اسلام میں داخلہ سے روکنے والا ایک بڑا مانع ختم ہوگیا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہوا کہ کسی قلعہ میں داخل ہونے کے لیے لوگ جوق در جوق جمع ہوگئے ہوں مگر قلعے کے دروازے بند ہوں اور پھر یکدم قلعہ کے دروازے کھلے تو ساری بھیڑ قلعہ میں فوج در فوج داخل ہونے کے لیے دوڑ پڑی۔ صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو دوسری کسی بھی مہم سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ صلح ہونے کے محض دو سال بعد ہی ہزاروں لوگ اسلام میں داخل ہوگئے۔ اب تک جو لوگ ساحل کے تماشائی بنے ہوئے تھے وہ بھی اسلام کے قافلہ میں شامل ہوگئے۔ کیوں کہ اسلام معاشرہ کو متحد کرنے میں سب سے بڑا عامل ثابت ہوا۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ صلح حدیبیہ میں 1400 مسلمان شریک تھے مگر دو سال بعد ہی مکہ کو فتح کرنے کے لئے جو اسلامی لشکر روانہ ہوا اس میں 10 ہزار جانثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔

عظیم سبق۔

صلح حدیبیہ کا سب سے بڑا سبق یہ تھا کہ مسلمانوں کو ظاہری چیزوں سے حقائق کا فیصلہ نہ کرنا چاہیے۔ بظاہر دب کر کی جانے والی اس صلح میں اسلام کے لیے زبردست مواقع پوشیدہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صلح کو لوگوں کے اندر صبر وتحمل کی تعلیم دینے کے لیے استعمال کیا۔ ابن عساکر نے اس صلح کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چند جملے نقل کیے ہیں۔ انہوں نے فرمایا:

> گرچہ جب صلح ہوئی تو لوگ بے بصیرتی کے باعث خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین کے راز کو نہ سمجھ سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کو جلدی تھی مگر خدا تعالٰی نے چیزوں کو ہونے دیا یہاں تک کہ وہ اپنے منطقی نتیجہ تک پہنچ گئیں۔

یہ صاف ظاہر ہے کہ لوگ اس دنیا کی فوری کامیابی چاہتے ہیں جب کہ کامیابی دینے والی چیز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقیقت پسندی ہے۔ اور اس کے ذریعہ کامیابی کے حصول میں وقت لگتا ہے جب کہ لوگ جلد از جلد کامیابی چاہتے ہیں۔

بین الاقوامی پیمانے پر دعوتِ اسلامی

معاہدے کے سالوں کے دوران مسلمانوں کی تعداد دوگنا ہوگئی۔ معاہدے کے ان مہینوں کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے لئے پڑوسی سلطنتوں، مملکتوں یا قوموں کے تمام حکمرانوں کے پاس خطوط بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ نبوی قاصدوں کی تصدیق کے لئے چاندی کی ایک مہر بنوائی گئی تھی جس میں ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ نقش کیے گئے۔

چنانچہ، قبول اسلام سے پہلے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک خط موصول ہوا۔ نیز شاہ نجاشی نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عقد کرایا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فارس کے بادشاہ قیصر، شہنشاہ روم ہرقل، شاہ مصر مقوقس، بحرین کے بادشاہ منذر بن ساویٰ اور حارث بن ابی شمر الغسانی کے پاس بھی خط لکھے، جس کی حکومت عرب کے حصوں سے لے کر مصر کے دور افتادہ علاقے تک تھی۔

خطوط کا مضامین ہمیشہ کم و بیش یکساں ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو بھیجے گئے۔ خطوط میں خود کو ''اللہ'' کے رسول کے طور پر متعارف کرایا، انہیں توحید الٰہی کی یاد دہانی کرائی اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اور انکار کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے عوام کو غلطی میں رکھنے کے لیے اللہ کے سامنے ذمہ دار ٹھہرایا۔

بادشاہوں اور حکمرانوں کی جانب سے ان خطوط پر مختلف ردعمل سامنے آئے۔ بعض نے پیغام کو قبول کیا جن میں نجاشی، منذر بن ساویٰ جیسے حکمراں تھے جب کہ بعض نے قبولِ اسلام یا جنگ کی خواہش نہ ظاہر کرتے ہوئے احترام کا معاملہ کیا جیسے مقوقس اور ہرقل نے۔ البتہ بعض ایسے شقی بھی تھے جنھوں نے پیغام کو مسترد کردیا اور حملے کی دھمکی دی اس قبیل کے لوگوں میں حیرہ کا حکمراں حارث بن ابی شمر الغسانی تھا۔ تاہم دین کا پیغام سبھی لوگوں تک پہنچ گیا اسی مقصد کے لئے مدینہ میں اسلامی معاشرہ قائم ہوا تھا۔ اب مدینہ کی دینی شناخت قائم ہوگئی اور ایک علاقائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طاقت کے طور پر اس کا احترام کیا جانے لگا۔ اس کے سربراہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کو ایک ایسا نبی تسلیم کر لیا گیا جن کی حکومت اللہ کے ذریعہ متعین کردہ تھی۔

صلح حدیبیہ درحقیقت ایک فتح اور دنیا کا دروازہ کھولنے میں معاون ثابت ہوئی۔ جنگ نے مکہ و مدینہ کی تمام طاقت کو چوس لیا تھا۔ اب صلح ہو جانے سے چیزیں اب بدل چکی تھیں اور اس پرسکون ماحول میں بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے پیغام اور وحدت خداوندی کے اصول کی تبلیغ و اشاعت کے قابل ہو چکے تھے۔ جو کہ نسل انسانی کو دنیوی مفادات اور قوتوں کے اثر سے آزاد کرتی ہے، اور جو روحانی تعلیمات، اخلاقیات اور ان اقدار کی جانب رہنمائی کرتی ہے جن کا انسان کو پابند ہونا چاہیے۔ امن جو تمام جزیرہ عرب پر سایہ فگن ہو گیا تھا، نے حالات بدل دیئے تھے، کثیر تعداد میں قبائل اسلامی پیغام کی روح کو سمجھ سکتے تھے۔ بعض دائرہ سلام میں داخل ہو چکے تھے اور بعض اسلام قبول کئے بغیر اس کا احترام کر رہے تھے، کچھ اب بھی سرکشی کر رہے تھے مگر یہ وہ لوگ تھے جو جلد ہی اسلام کے قافلہ میں شامل ہونے والے تھے۔

دور نبوت میں ہندوستان میں اسلام کی دعوت

ساحل بلوچستان کے قریب ہندوستانی نسل کے ایک حکمران نے، جس کی حکومت بحر عرب کے جزیروں تک پھیلی ہوئی تھی اور جو شاہ فارس کے احکام کی تعمیل کرتا تھا، ۶۲۸ م میں شاہ فارس کے قتل کی خبر پاتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پوری فوج نے جس میں بیشتر ہندوستانی تھے، اسلام قبول کر لیا تھا۔ زیادہ امکان ہے کہ باذان پلکیسن کے شہزادوں میں سے ہو۔

سربتک، قنوج کا بادشاہ

ابوسعید مظفر کے مطابق، حافظ ابن حزم لکھتے ہیں

''سربتک جو کہ قنوج کا بادشاہ تھا، نے کہا کہ اس نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار ملاقات کی، دو بار مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں۔ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔'' اس نے کہا تھا کہ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوبصورت تھے۔"

بابا رتن

بھٹنڈا پنجاب کے ایک زاہد تھے۔ انہوں نے بھی حضرت محمد ﷺ کو دیکھنے کا دعویٰ کیا اور انہوں نے بھی عہد نبوی میں اسلام قبول کیا۔

سامری، مالا بار کا بادشاہ

مالا بار کے سامری بادشاہ نے مبینہ طور پر حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ شق قمر کے عظیم واقعہ کو دیکھا۔ اس واقعہ نے اس کے اندر رسول ﷺ کے بارے میں جاننے کا شوق پیدا کیا۔ اس نے عرب کا سفر کیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا اور ہندوستان واپس آتے وقت اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے اپنے جانشینوں کو مسلمانوں کی ہر ممکن مدد کرنے کی وصیت کی جو مغربی ساحل میں سیکڑوں اور ہزاروں لوگوں کے اسلام قبول کرنے میں معاون ثابت ہوئی۔

الور کا بادشاہ

اس نے بھی نبی پاک ﷺ کے دور میں ہی اسلام قبول کرنے کا دعویٰ کیا تھا۔

انسان ایک اخلاقی وجود

اسلام کی نظر میں انسان ایک اخلاقی وجود ہے جس کو سوچنے، غور وفکر کرنے اور نیک عملی اختیار کرنے کی صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں۔ ایک اخلاقی وجود ہونے کی حیثیت سے یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا ماحول بنائے اور اسے برقرار رکھے جس میں نیکی، اخوت، تعاون اور ہم آہنگی پروان چڑھیں اور بدی و برائی اور ظلم و جارحیت کا خاتمہ ہو۔ اپنے ماحول سے بے زاری اور تغافل کیشی سے نہ صرف ان عناصر کو بڑھاوا ملتا ہے جو اخلاقی طور پر کمزور ہیں بلکہ معاشرہ کی صالح اقدار کی بنیادیں بھی کمزور ہوتی ہیں۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

"تم سے کوئی کسی برائی کو ہوتا دیکھے تو اسے ہاتھوں کی قوت سے روک دے، اگر وہ اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اسے روکے اگر اس کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی طاقت نہ ہو تو کم از کم دل میں تو برا ضرور سمجھے۔ یہ ایمان کا سب سے آخری اور کمزور درجہ ہے“۔

مفلس کون؟

نبی اکرم ﷺ نے اس پر بڑا زور دیا ہے کہ عبادت اور نماز سے آدمی کو حقوق العباد سے معافی نہیں ملے گی۔ اگر وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کو ان کی تلافی کرنی ہو گی۔ ایک بار آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا:

”کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟“ انہوں نے جواب دیا: ”یا رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ روپیہ ہو نہ جائیداد ہو“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے پاس نماز ہو گی، روزہ ہو گا اور زکوۃ ہو گی۔ (یعنی وہ یہ سب فرائض دنیا میں ادا کرتا رہا ہو گا) مگر ساتھ ہی اس نے کسی کا دل دکھایا ہو گا، کسی کو گالی دی ہو گی، کسی کا مال غصب کیا ہو گا، کسی کا خون ناحق بہایا ہو گا، اور کسی کو مارا ہو گا۔ اس کے ستائے ہوئے یہ سب لوگ بلائے جائیں گے، اس کے نیک اعمال ان کو دے دیے جائیں گے اور ان کی برائیاں اس کے اوپر لاد دی جائیں گی۔ اور پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا“۔

ایثار و قربانی

اسلام انسانوں میں ایک ایسے اخلاقی شعور کی آبیاری کرنا چاہتا ہے جس میں وہ اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔ اور ان کے ضمیر میں ان کا احساس رچ بس جائے۔ حقوق انسانی کا وعظ کہنا تو بہت آسان ہے مگر اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینا اور ان کی پسند ناپسند کا بھی ویسے ہی خیال کرنا جیسے آدمی اپنی پسند ناپسند کا خیال کرتا ہے، اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ دراصل اس کے لیے بے غرضی، بے لوثی اور ایثار اور خلوص و محبت کی اعلیٰ صفات کی ضرورت ہوتی ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ایک مسلمان حقیقی معنی میں مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔

مسکراہٹ بھی صدقہ ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر ابن آدم کو روز جب سورج نکلے تو صدقہ کرنا چاہیے۔ لوگوں نے پوچھا: ہم روزانہ کیسے صدقہ کر سکتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: ''خیر کے راستے بہت ہیں، معروف کا حکم دینا، منکر سے روکنا، راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا، گونگے بہرے کی بات سننا، اندھے کو راستہ دکھانا، آدمی کی جو ضرورت ہو اُسے پوری کر دینا، کوئی آدمی مدد مانگ رہا ہو تو تیزی سے دوڑ کر اُس کے پاس جانا، کمزور آدمی کا ہاتھ پکڑ کر سہارا دینا۔ یہ سارے کام صدقہ کے ہیں جو تمہیں بتائے گئے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید اضافہ کیا: اور تمہارا اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا بھی صدقہ ہے''۔

اجتماعی انصاف

اسلامی نقطۂ نظر سے اللہ تعالیٰ نے تمام مادی وسائل و ذرائع انسانوں کے لیے پیدا کیے ہیں۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو خدا نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہدایت اور نہ کتاب روشن [1]

---

[1] لقمان:20

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

تو خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس (مال) میں اس نے تم کو بااختیار بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور (مال) خرچ کرتے رہے ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔[1]

یہ تمام وسائل تمام انسانوں کے لیے ہیں محض چند افراد، خاندانوں اور چند جماعتوں کے لیے نہیں۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝

اور جو لوگ اُن سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے اُن کو بھی آزمایا تھا (اور ان کو بھی آزمائیں گے) سو خدا اُن کو ضرور معلوم کریں گے جو (اپنے ایمان میں) سچے ہیں اور اُن کو بھی جو جھوٹے ہیں۔[2]

اس لیے اللہ کے دیے ہوئے ان وسائل میں سبھی انسانوں کو حصہ لینا چاہیے

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔[3]

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝

جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا (یعنی) اس کو پیدا کیا۔ اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا[4]

---

[1] الحدید:7
[2] العنکبوت:2
[3] المرسلات:28
[4] السجدہ:7

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روزی کو قرآن اللہ کی نعمت قرار دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی بیوی بچوں کے لیے حلال روزی کماؤ، کیونکہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کا ایک حصہ ہے''۔ آپ ﷺ نے غفلت، بے کاری اور محتاجگی اور دست سوال دراز کرنے کو ناپسند فرمایا اور اس پر زور دیا کہ آدمی کو اپنی روزی اپنی محنت سے کمانی چاہیے۔

خیر کے کام اور فلاحی سرگرمیاں

اسلام میں خدمت خلق، انسانوں سے محبت، بے لوثی، ایثار و قربانی اور خیر و فلاح کے کاموں کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن مسلمانوں کو اس پر ابھارتا ہے کہ وہ غریبوں و ناداروں پر خرچ کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> سب انسان اللہ کا کنبہ ہیں اور اللہ کو سب سے محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے لیے زیادہ فائدہ مند اور زیادہ رحم دل ہو۔

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

> وہ شخص جو غریبوں اور بیواؤں کی خبر گیری کرتا ہے اس شخص کی طرح ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو پورا دن روزہ رکھتا ہے اور ساری رات نماز پڑھتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سترہواں باب

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیر مسلموں سے تعلقات

انسانی معاشرہ میں اسلام تعاون باہمی، گفتگو، تعامل باہمی اور برداشت کے رویوں کی تلقین کرتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں کے ساتھ سماجی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی تعامل اور تعاون باہمی کا رویہ اختیار فرمایا اور تمام قومی، قبائلی اور ثقافتی امور میں ان کے ساتھ تعاون کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت مسلم و غیر مسلم سب کے لیے عام تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت عالم تھے۔ ذیل میں ہم چند نکات سے بحث کریں گے تاکہ انسانی معاشرہ میں اسلام کے عملی موقف کی وضاحت ہو سکے۔

مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاجروں کے ساتھ شراکت کرتے ہیں

نوجوانی سے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شراکت پر مبنی تجارت کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے تاجروں کا مال شام اور یمن لے جاتے اور منافع کا ایک حصہ پاتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی ثروت مند خاتون سے شادی کے بعد دونوں میاں بیوی نے ایک ساتھ کاروبار کیا۔ رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو پوری طرح اسلامی دعوت کے لیے وقف کر دیا اور اب تجارت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وقت نہ تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سامان قریشی تاجروں اور غیر قریشی ایجنٹوں کے ذریعہ مارکیٹ میں بھیجا کرتے تھے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشی پوزیشن بھی بڑھی اور مشن کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یکسوئی بھی۔ تجارتی سرگرمی کے بطور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے غیر مسلم سردار ابوسفیان کو اپنا مال دے کر شام بھیجا اور منافع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حاصل کیا۔ تاجر کی حیثیت میں ابوسفیان کی ایمانداری و مہارت پر آپ ﷺ کو بھروسہ تھا۔ جب آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت شروع کی تو اس کے بعد بھی ابوسفیان سے تجارتی اور معاشرتی تعلقات ختم نہیں ہوئے۔

ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ ایک بار ابوسفیان شام اور یمن کے تجارتی سفر پر گئے ان کے ساتھ امیہ بھی تھا۔ پانچ مہینوں کے بعد جب ابوسفیان واپس آئے تو دوسروں کی طرح آپ ﷺ بھی ابوسفیان سے ملاقات کے لیے گئے۔ ہند اس وقت کسی بچہ سے کھیل رہی تھی۔ آپ ﷺ نے ابوسفیان سے ملاقات کی، حال احوال پوچھے اور کامیاب سفر پر مبارک باد دی مگر اپنے منافع کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا۔

جب آپ ﷺ واپس ہو گئے تو ابوسفیان نے ہند سے کہا: یہ کیا عجیب آدمی ہیں! حقیقت میں یہ مجھے پسند ہیں۔ قریش کے جس آدمی نے بھی اپنا مال دیا اپنے ہی مال کے بارے میں پوچھا مگر انہوں نے اس بارے میں کچھ بھی نہیں پوچھا! کچھ دیر بعد ابوسفیان کعبہ گئے اور وہاں حضور ﷺ سے مل کر آپ ﷺ کے منافع کے بارے میں بتایا اور کہا کہ اپنا حصہ لے لیجیے۔ یہاں تک کہ ابو سفیان نے آپ ﷺ سے اپنا کمیشن لینے سے بھی منع کر دیا جو وہ سب سے لیتے تھے۔ مگر آپ ﷺ نے باصرار ان کو ان کا واجبی کمیشن دیا۔ ایک دن جب حضور اکرم ﷺ خفیہ طور پر لوگوں کو دین کی دعوت دے رہے تھے۔ ابوسفیان شام کے ایک اور سفر سے واپس آئے وہ دوسرے قریشیوں کے ساتھ آپ ﷺ کا مال بھی لے کر گئے تھے۔ جب آپ ﷺ کو ان کی واپسی کے بارے میں پتہ چلا تو فرمایا تجارتی معاملات میں ابوسفیان ایک ایماندار اور کھرے آدمی ہیں۔

تجارتی تعلقات

معیشت ہی کسی بھی سماج کی اجتماعی زندگی کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ دولت کی مثال رگوں میں دوڑنے والے خون کی طرح ہے جس سے پوری سوسائٹی کو بقا ملتی ہے۔ اگر لوگ معاشی طور پر مضبوط نہ ہوں یا دوسروں پر منحصر ہوں تو ان کی زندگی بہت مشکل ہو جائے گی۔ محمد ﷺ اور کچھ اور مکی مسلمان بنیادی طور پر تاجر تھے اور معاشی اور سماجی زندگی میں دولت کی اہمیت سے واقف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے ساتھی تاجروں نے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے اور اپنی معاشی زندگی کو بہتر بنانے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے انہوں نے ایک پلان بنایا اور اس معاشی و کاروباری پلان پر منظم انداز میں عمل کیا۔

ابوسفیان جو آپ ﷺ کے کاروباری شریک تھے، کے علاوہ بھی اور کئی قریشیوں سے اور عرب قبیلوں کے سرداروں سے آپ ﷺ کے کاروباری تعلقات تھے، جن میں مشہور نام یہ ہیں۔ حکیم، عبداللہ بن ابی حمصہ التیمی، الصائب اور قیس۔ البغدادی اور دوسرے سیرت نگاروں نے تفصیل سے آپ ﷺ کے قریشی شریکوں پر لکھا ہے یہاں تک کہ انہوں نے تقریباً 58 مسلم اور غیر مسلم کاروباری شریکوں کے نام لکھے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کاروباری حصہ دار غیر مسلم تھے چنانچہ مکہ کا مشہور تاجر اور اسلام دشمن امیہ بن خلف بھی ان کا قریبی دوست اور کاروباری حصہ دار تھا۔ قریشی سردار ولید بن عتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا کاروباری شریک تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ربیع بن حارث قریبی دوست اور شریک کاروبار تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ابوسفیان بھی اچھے کاروباری حصہ دار اور قریبی دوست تھے اور زندگی کے آخری لمحہ تک دونوں میں یہ دوستی برقرار رہی۔ نہ تو جنگوں کی وجہ سے ان تعلقات میں کمی آئی اور نہ مذہبی اختلافات نے ان کو ختم کیا۔

ازدواجی رشتے

مکی دور میں مسلم غیر مسلم ازدواجی تعلقات کی سب سے نمایاں مثال رسول اللہ کی بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابو العاص سے ہونا ہے۔ ابو العاص حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پیارے بھتیجے تھے۔ مشہور روایات کے مطابق جاہلی عہد ہی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ رشتہ طے کر دیا تھا اور آپ ﷺ نے اسے پسند فرمایا تھا۔ ایک دلچسپ روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی ایک مکی سردار جبیر بن مطعم سے ہونا تھا۔ ابوطالب کی وفات اور طائف کے سفر کے بعد مطعم بن عدی ہی نے رسول اللہ ﷺ کو پناہ دی تھی۔ مگر بعد میں جبیر کے خاندان نے ایک مسلمان لڑکی کو اپنی بہو بنانے سے انکار کر دیا کہ کہیں وہ ان کے گھر آ کر بھی اسلام نہ پھیلانے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لگے۔ بہر حال اس واقعہ سے بھی مسلم وغیر مسلم ازدواجی رشتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

غیر مسلم اکثریت اور مسلم اقلیت کی مشترکہ گورنمنٹ

رسول اللہ ﷺ کے اعلان نبوت کے وقت قبیلہ قریش کو مکہ میں 12 اہم سیاسی واجتماعی عہدے حاصل تھے جو قریش کے بارہ معزز خاندانوں کے موروثی عہدے تھے۔ ان میں بعض نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مثال کے طور پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سابقون الاولون میں تھے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر اسلام قبول کرنے کے باوجود انہوں نے اپنے عہدے نہیں چھوڑے۔ یا دوسرے لفظوں میں انتہا پسند اور اسلام دشمن قریشیوں نے ان کو ان کے عہدوں سے برخواست نہیں کیا۔ مدینہ ہجرت تک وہ اپنے عہدوں پر باقی رہے اور مجوزہ ذمہ داریاں انجام دیتے رہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ مکہ کی سیاست بھی ایک مشترکہ سیاست تھی جس میں مسلمان اور غیر مسلم سب شریک تھے۔ اکثریت میں قریش تھے اور مسلمان اقلیت میں تھے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہمیشہ یہ رہا کہ سیاسی، معاشرتی، معاشی اور سماجی و ثقافتی معاملات میں غیر مسلموں سے تعاون باہمی، دوستانہ تعلقات اور بہتر معاملہ کیا جائے۔ قریش نے خود اپنے مفاد میں یہی طریقہ اپنایا ہوا تھا اور قریشی تاجر اپنے تحمل و برداشت کے لیے معروف تھے۔

سماجی تعلقات

رسول اکرم ﷺ غیر مسلموں کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں

جب رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم آیا کہ اپنے رشتہ داروں، اقربا اور عزیزوں کو کھلے عام دین کی دعوت دیں تو آپ ﷺ نے غیر مسلم قریشیوں کی دعوت کی تاکہ ان سے دوستانہ روابط قائم ہوں اور اسلام کی دعوت بھی ان کو پہنچائی جائے۔ اس سے عربوں کی سماجی روایات کا پتہ چلتا ہے اور اس کا بھی کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دعوت دین کے لیے کیا کیا طریقے اپنائے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کی ان کے قبول اسلام سے پہلے دعوتیں کیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا

رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کو ان کے ظالم و جابر آقاؤں سے خرید کر آزاد کیا اور ان کو معاشرہ میں یکساں سماجی مرتبہ دیا۔ آپ ﷺ کے اس رحم و کرم نے ان کے زخم بھر دیئے۔ عام روایت یہ بھی ہے کہ مالدار مسلمانوں نے بہت سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا یہ ان کی طرف سے بہت ہی شریفانہ اور انسانی عمل تھا۔ مگر غور سے تجزیہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی تھی کہ جو مسلمان استطاعت رکھتے ہوں وہ مسلمان غلاموں کو ان پر ظلم کرنے والے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کے ارشاد پر دوسرے مسلمانوں نے بھی اس کار خیر میں حصہ لیا۔

آپ ﷺ نے اس کو ایک اصول بنا دیا کہ غلاموں کو اور خاص کر مسلمان غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جائے۔ تمام مستطیع مسلمان اس پر عمل کرتے تھے۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی دولت اس راہ میں خوب فراوانی سے خرچ کی۔ ان کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے غلاموں کی ایک بڑی تعداد خرید کر آزاد کرادی۔ جس سے طاقتوروں کے مقابلہ میں کمزوروں کی مدد ہوئی۔ مکی زندگی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جائیداد اور سامان کے علاوہ 40 ہزار سے زیادہ درہم غلاموں کو آزاد کرنے کی مہم میں خرچ کئے۔ مدینہ ہجرت کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس صرف پانچ ہزار درہم بچے اور وہ بھی ملت اسلامیہ کے لیے وقف تھے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ دولت مند مسلمانوں نے بڑی سخاوت سے غلام مسلمانوں پر اپنی دولت خرچ کی اوران کو خرید کر آزاد کر دیا۔ عبداللہ بن النحام رضی اللہ عنہ نے بھی کئی غریب مکی غلام مسلمانوں کو مال لے دیکر آزاد کرایا۔ ان کی سخاوت اور خیر کے کاموں سے خود کفار مکہ اتنے متاثر تھے کہ ان کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت نہ دی کیوں کہ انہیں ڈر تھا کہ مکہ کے یتیموں اور ناداروں کی خبر گیری ان کے بعد کون کرے گا۔ عبداللہ خیر کے کام اور غریبوں کی امداد کے اسلامی احکامات کی پیروی بڑے جوش و جذبہ سے کرتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زبردست احترام

رسول اللہ ﷺ نے مختلف قبیلوں کے غیر مسلموں کے ساتھ اور اپنے رشتہ داروں سے ہمیشہ ہی بہت ہی مضبوط تعلقات رکھنے کی کوششیں کیں جن میں سب سے مضبوط رشتہ چچا ابوطالب سے تھا جن کا وجود آپ ﷺ کے لیے شجر سایہ دار تھا۔ ابوطالب جب حالت نزع میں تھے تو آپ ﷺ تشریف لائے اور جب ان کا انتقال ہوا تب بھی آپ ﷺ ان کے پاس تھے۔ تاہم یہ شخص جس نے بھتیجے سے محبت کی اور شفقت کا برتاؤ کیا اور جرات کے ساتھ دشمنوں کے سامنے ڈٹا رہا اور آپ ﷺ کے لیے ڈھال بنا رہا اسلام قبول نہ کر سکا۔ جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ جو چچا سے محبت فرماتے اور ان کا بڑا احترام کرتے تھے، کو بہت زیادہ دکھ ہوا۔

غیر مسلم پر پورا اعتماد

آپ ﷺ کے دوسرے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت تک اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود، آپ ﷺ کا پورا ساتھ دیتے تھے۔ آپ ﷺ کو ان پر بہت زیادہ اعتماد تھا حتی کہ آپ انتہائی رازدارانہ مجلسوں اور گفتگوؤں میں ان کو شریک کرتے تھے۔ چنانچہ بیعت عقبہ ثانیہ میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھے۔ ہجرت مدینہ کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے ان کو بتایا تھا۔ اگرچہ انہوں نے اس وقت تک اسلام قبول نہ کیا تھا مگر رسول اللہ ﷺ ہمیشہ ان پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ ان حالات میں بھی جہاں آپ ﷺ کی زندگی داؤ پر لگ گئی ہو۔

عدل وامانت

آپ ﷺ خود غیر مسلموں کے ساتھ نہایت عادلانہ سلوک کرتے تھے اور مکی زندگی میں غیر مسلم مکیوں کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رہا کرتی تھیں۔ جب آپ ﷺ نے ہجرت کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ میں رہنے اور ان کی امانتیں واپس کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے بڑی دانشمندی، ایمانداری واحتیاط کے ساتھ ان کی امانتیں لوٹا دیں۔ کیوں کہ اسلام امانت و دیانت اور عدل وانصاف کے بارے میں دوست دشمن اور مسلم وغیر مسلم سب کے ساتھ یکساں سلوک کا حکم دیتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غیر مسلم پر بھروسہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مدینہ کو ہجرت کا پروگرام بناتے ہیں اور اپنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتے ہیں مگر ہجرت کے اس فیصلہ کن موڑ پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر کوئی تذبذب نہیں ہوتا کہ ایک غیر مسلم گائیڈ کی خدمات حاصل کریں۔ جو مشرک تھا مگر اپنی قابلیت اور امانت داری میں معروف تھا۔ چنانچہ اس پر بھروسہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا اور قریش جو تعاقب میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پتہ نہیں پا سکے۔ وہ غیر مسلم گائیڈ پوری طرح جانتا تھا کہ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑنے کے لیے کیا انعام رکھا ہوا ہے۔ مگر وہ سچا آدمی تھا چنانچہ اس کی مدد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحفاظت مدینہ پہنچ گئے۔

عظمت کردار

ہر روز جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے کعبہ جانے کے لیے نکلتے ایک بوڑھی عورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ میں کانٹے ڈال دیتی کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور دین اسلام کی دشمن تھی۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے راستہ میں کوڑا نظر نہیں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکی خیریت معلوم کرنے کے لئے اس کے گھر گئے۔ جب اس بوڑھی عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر دیکھا تو اسے بڑی حیرت ہوئی اور اس نے پوچھا کہ کیوں آئے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے راستہ میں کوڑا نہیں ملا اس لیے سوچا کہ تم بیمار ہو سکتی ہو اس لیے آیا ہوں، تمہاری تیمارداری کے لئے آیا ہوں۔ تب اسکو اپنی غلطی پر پشیمانی اور ندامت ہوئی اس کا دل نرم پڑ گیا اور وہ مسلمان ہوگئی۔

میں ہی محمد ہوں

فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کا گشت لگا رہے تھے اور لوگوں کی خبر گیری کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ایک ضعیفہ اپنا سامان اٹھائے مکہ سے کہیں جا رہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا سامان اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور مکہ کی سرحد سے اسے پار کرا دیا۔ سامان لے جاتے اور ضعیفہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ وہ رات میں مکہ چھوڑ کر کیوں جا رہی ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ مکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا ہے اور میں مسلمان نہیں ہوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس لیے مجھے ڈر ہے کہ کہیں محمد کی فوج مجھے پکڑ نہ لے اور نقصان نہ پہنچائے۔ وہ فاتح ہیں مکہ کو تباہ کر سکتے ہیں میں اس منظر کو نہیں دیکھ سکتی۔ ضعیفہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہا اور ساتھ ہی (اس کی مدد کرنے اور سامان اٹھانے پر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ بیٹا! تمہارا کیا نام ہے؟ ہوشیار رہنا کہیں مسلمان تمہیں پکڑ نہ لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا ''اماں! میں ہی محمد ہوں۔'' ضعیفہ کو حیرت ہوئی۔ اسے یقین نہ آتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمد ہیں اور اتنے رحم دل اور مہربان اور لوگوں کا خیال کرنے والے ہیں۔ ضعیفہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن اخلاق اور رحمۃ للعالمینی کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معذرت کی اور فوراً مشرف بہ اسلام ہوگئی۔

مدینہ کے غیر مسلموں سے تعلقات

برداشت اور پرامن بقائے باہم

مدینہ ہجرت کرنے کے فوراً بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ اور مضافات کے قبیلوں اور اطراف کے غیر مسلم قبیلوں سے امن و امان برقرار رکھنے کے معاہدے کیے۔ مدینہ میں سیاسی، سماجی اور انتظامی امور کو استوار کیا اور ایک نئی اسلامی ملت کی بنا ڈالی۔ غیر مسلموں سے جو تعلقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم کئے ان کا مقصد امن و امان کا قیام، سب کے لیے خوش حالی اور شادمانی کی فراہمی اور بقائے باہم اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا کرنا تھا۔

جغرافیائی لحاظ سے مسلمانوں سے سب سے قریب تر یہود تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ کا فیصلہ کیا جس کی رو سے ان کو مذہب اور مال کی پوری آزادی دی گئی۔ بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے خلاف سخت اقدامات کرنے پڑے۔ یعنی ان کا مدینہ سے اخراج اور جائیداد کی ضبطی وغیرہ۔ لیکن ایسا کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلے سے کوئی ارادہ نہ تھا بلکہ یہودیوں نے ہی ان اقدامات پر مجبور کر دیا تھا۔ ان اقدامات کی بنیادی وجہ ان کی اسلام کے خلاف سازشیں تھیں۔

مدینہ میں استقرار پانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو بھی مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری طرح واضح کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے ساتھ یکساں تعلقات رکھیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گئے۔ بعد میں جب تنازعات پیدا ہوئے، معاہدوں کی خلاف ورزی کی گئی اور آپ ﷺ کے ساتھ دھوکہ کیا گیا تو معاملات میں تلخی آئی اور یہودی قبیلے منحرف ہو گئے۔ پھر بھی ان حالات سے اصولوں پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ اور مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان باہمی قربت، اعتراف، احترام اور سب کے قانون کے سامنے برابر ہونے کے اصولوں سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ مختلف حالات اور ان میں گرفتار افراد کی صورت حال میں ہمیشہ فرق ملحوظ رکھتے تھے آپ ﷺ نے افراد اور ان کے مذہبی عقائد کا ہمیشہ بہت احترام کیا۔ کئی سال تک ایک یہودی لڑکا آپ ﷺ کے ساتھ رہا، وہ آپ ﷺ کی خدمت کرتا تھا اور ہر جگہ آپ ﷺ کے ساتھ جاتا تھا اور آپ ﷺ سے محبت رکھتا تھا لیکن آپ ﷺ نے کبھی اس سے اپنا مذہب چھوڑنے کے لیے نہیں کہا۔ یہ لڑکا بیمار پڑا اور بستر مرگ پر اس نے اپنے باپ سے اسلام قبول کرنے کی اجازت چاہی اور باپ کی اجازت سے وہ مسلمان ہوا۔ مگر اس پوری مدت میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا اور آپ ﷺ کی محبت واحترام سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

اعتماد باہمی

رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ غیر مسلموں پر اعتماد کیا۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ہجرت کر کے حبشہ بھیجا جو ایک غیر مسلم (عیسائی) حکمران کے ماتحت تھا۔ یہی رویہ آپ ﷺ کی پوری زندگی میں ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے اصولوں کے پاس ولحاظ اور اعلیٰ اقدار پر مبنی تعلقات قائم کیے صرف مذہبی وابستگی کو مدنظر نہیں رکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس کو خوب سمجھتے تھے چنانچہ انہیں بھی غیر مسلموں سے اصولوں اور اخلاقیات پر مبنی مضبوط تعلقات رکھنے میں کوئی تذبذب نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ بدترین حالات میں بھی اس قسم کی مثالیں سیرہ کے مضامین میں بہت ہیں۔ مثلاً حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب ہجرت کے ارادہ سے نکلیں تو ان کو اور ان کے چھوٹے بچے ان کے گھر والوں نے زبردستی روک لیا۔ ان کے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو اکیلے ہی مدینہ کے لیے نکلنا پڑا۔ اتنا ہی نہیں ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ان کا بچہ بھی لے لیا۔ تقریباً ایک سال تک حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا معمول تھا کہ وہ روز گھر سے نکلتیں اور مدینہ جانے والے راستہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر کھڑے ہوکر رویا کرتیں، شام ہو جاتی تو وہ واپس جاتیں۔ ان کی مصیبت پر ان کے ایک چچازاد بھائی کو رحم آیا اور اس نے ان کا بچہ ان کو دلوایا۔ انہیں ہجرت کی بھی اجازت مل گئی۔ چنانچہ وہ ایک اونٹ پر سوار ہوکر نکلیں اور اکیلے ہی مدینہ کے لیے روانہ ہوگئیں۔ تنعیم پر پہنچی تھیں کہ مکہ کے ایک سردار اور کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ نے ان کو دیکھا اور پھر بحفاظت مدینہ پہنچایا۔

بعد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب بھی اس واقعہ کو بیان کرتیں وہ عثمان کی بڑی تعریف کرتیں۔

مکہ کے دوسرے سردار ابوسفیان نے بھی شرافت کا ثبوت دیا۔ اس نے پیغمبر اسلام ﷺ کی بڑی صاحب زادی زینب رضی اللہ عنہا کو مکہ سے آزادی دلانے اور مدینہ ہجرت کرنے میں مدد دی۔ اصل میں بدر کی جنگ میں ان کے شوہر ابوالعاص گرفتار ہوئے تھے اور ان کو اس شرط پر چھوڑا گیا تھا کہ وہ مکہ جاکر زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ کو پتہ چلا تو اس نے بھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی مدد کی پیشکش کی۔ تاہم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس پر یقین نہیں آیا۔ بہرحال جب اپنے دیور کنانہ کے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ عنہا روانہ ہوئیں تو قریش کے کئی سرداروں نے ان کو زبردستی روکنا چاہا۔ کنانہ نے قسم کھالی کہ اگر وہ ان کو جانے نہ دیں گے تو وہ آخری دم تک لڑیں گے۔ معاملہ گرم دیکھ کر ابوسفیان آیا اور اس نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور کنانہ کو فی الحال مکہ واپس ہونے پر رضامند کرلیا۔ جب حالات ذرا نرم ہوئے تو خود ابوسفیان نے ان دونوں کو مدینہ کی طرف نکلنے میں مدد دی۔

اس قسم کی مثالیں اور بھی بہت ہیں کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی بھی اپنے انسانی و سماجی تعلقات صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رکھے۔ اور خود قرآن پاک نے بھی اس طرح کے تعلقات کے جواز کو ثابت کیا اور بتایا کہ اس نوعیت کے تعلقات اعتماد باہمی کی بنیاد پر ہوں۔ فرمایا:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ⑨

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا۔ بس اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں کیں اور تمہیں دیس نکالے دیئے اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہ (قطعاً) ظالم ہیں۔ [1]

یہ تعلیم مشکلات، غدر اور جنگوں کے باوجود نہیں بدلے گی یہ ایک دائمی شرعی ضابطہ ہے۔ کسی کو بھی مذہب کی تبدیلی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اختلافات کو برداشت کیا جائے گا اور سبھی سے منصفانہ اور یکساں سلوک کیا جائے گا۔ وحی قرآن کا یہی بنیادی پیغام ہے۔ اور عمل نبوی کا مرکزی نکتہ یہی ہے۔ قرآن پاک کی وہ تمام آیات جن میں نزاع اور قتل وقتال کا تذکرہ ہے ان کا مطالعہ اسی تناظر میں کیا جانا چاہیے۔ واقعہ یہ ہے کہ جنگ کی ابتدا مسلمانوں نے کبھی نہیں کی بلکہ ہمیشہ وہ اپنے دفاع کے لیے مجبور ہوئے اور جنگ کی اس استثنائی حالت سے اسلامی دعوت کے مجموعی و اساسی مضمون میں کوئی تبدیلی نہیں آجاتی۔

وفاداری پر بھروسہ

مسلمانوں کا عام رویہ غیر مسلم برادران وطن کے ساتھ مہربانی، حسن سلوک اور انتہائی درجہ تک برداشت کا رہا ہے۔ غیر مسلموں نے بھی اس سخاوت اور کریمانہ سلوک کا بدلہ وفاداری اور احسان مندی سے دیا۔ سن 2 ہجری میں بدر کی فتح کے بعد مکی لیڈروں نے نجاشی شاہ حبش کے پاس ایک بار پھر اپنا وفد بھیجا کہ مسلمان مہاجرین کو مکہ لے کر آئیں اور ان پر تشدد کریں۔ مکیوں کے

[1] الممتحنۃ: 9-8

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس اقدام کا مقابلہ کرنے کے لیے رسول اللہ نے ایک غیر مسلم عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس روانہ کیا جو قریشیوں کی اس کوشش کو ناکام بنانے میں کامیاب رہے۔

سب کو ساتھ لے کر چلنا

اسلام ایک شمولیت والا مذہب ہے چنانچہ آپ ﷺ نے دوسری تہذیبوں سے لین دین میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ کبھی کبھی آپ ﷺ رومی یا فارسی حلہ زیب تن فرماتے۔ ایک بار سعد بن ابی وقاص کو سینہ میں درد ہوا۔ آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے مشورہ دیا کہ ان کو حارث بن کلدہ کے پاس لے جایا جائے جو مدینہ میں ایک عیسائی طبیب تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے جہاں بھی ملے وہ اسکو حاصل کرنے کا زیادہ حق دار ہے۔

مہربانی

مذہبی بنیاد پر غیر مسلموں سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا گیا اسی طرح پاس پڑوس کے یہودی ہمسایوں سے آپ ﷺ نے ہمیشہ دوستانہ اور خوش اخلاقی کے تعلقات رکھے۔ اگر کوئی بیمار پڑتا تو آپ ﷺ ہمیشہ اس کے گھر جا کر عیادت کرتے، اتنا ہی نہیں مدینہ کے ایک یہودی قبیلہ بنو عارض سے خوش ہو کر آپ ﷺ نے ان کے لیے سالانہ روزینہ متعین فرمایا تھا۔

غیر مسلموں سے تعاون لینا

رسول اللہ ﷺ بہت حقیقت پسند اور عملیت پسند انسان تھے لہٰذا آپ ﷺ نے جنگی تیاریوں اور دشمن کے مقابل اقدامات کو نظر انداز نہیں کیا۔ آپ ﷺ مادی اور روحانی دنیاؤں میں ایک معجزانہ توازن رکھتے تھے۔ چنانچہ روحانی سطح پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں وہ عظمت کردار پیدا کر دی جس کی انسانی تاریخ میں اور کوئی مثال نہیں ملتی۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے مسلمانوں کو عسکری طور پر تیار اور بیدار رکھنے کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کیے اور کوئی بھی چیز تقدیر پر نہیں چھوڑی بلکہ ہر طرح کے حالات کے لیے تیار رہنے کے لئے ضروری وسائل اختیار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیے۔ حنین کی جنگ میں گرچہ آپ ﷺ کے پاس 12 ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج تھی پھر بھی آپ ﷺ نے مکہ کے غیر مسلم صفوان بن امیہ سے سو زرہ بکتر ادھار لیں جس سے آپ ﷺ کی جنگی اور دفاعی قوت مضبوط ہو جائے۔

احد کی جنگ کے لیے مسلمانوں کو غیر متعارف راستہ اختیار کرنا پڑا تا کہ دشمن کے سامنے اچانک نمودار ہو جائیں جہاں سے دشمن کو ان کے آنے کی کوئی سن گن نہ ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے ایک وفادار و قابل اعتماد مشرک گائیڈ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس طرح ایک غیر مسلم گائیڈ نے مسلمان فوج کی میدان احد کی طرف راہ نمائی کی۔

حنین کی جنگ میں دو غیر مسلم صفوان اور سہیل بہادری سے مسلمانوں کی طرف سے لڑے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو پہچان کر ان کی عزت افزائی کی اور مال غنیمت کی تقسیم میں انکو دوسروں سے بڑھ چڑھ کر حصہ دیا اور ان سے مسلمان ہونے کے لیے نہیں کہا۔ تاہم فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی رحمت عامہ اور دریا دلی اور دوران جنگ آپ ﷺ کی شجاعت و استقامت اور اب آپ ﷺ کی فیاضی نے ان کے دل اسلام کے لیے کھول دیئے۔

نرمی و شرافت کا سلوک

اسلام انسانی معاشرہ میں تعاون باہمی، گفتگو و مذاکرہ، تعامل باہمی اور برداشت کے رویوں کی تلقین کرتا ہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ یہ فرمایا کرتے کہ اللہ تعالی عظمت والا ہے اور عظمت کردار کو پسند کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک صحابی کی تعریف میں فرمایا: تم میں دو صفتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ محبوب رکھتا ہے: رحم دلی اور برداشت۔

مختلف حالات میں آپ ﷺ خود بھی برداشت، رواداری اور حسن عمل کی اعلیٰ مثال پیش فرماتے تھے۔ ایک بار ایک بدو نے مسجد میں پیشاب کر دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خشمگین نگاہوں سے دیکھنے لگے اور قریب تھا کہ اس کو پیٹ ڈالیں کہ آپ ﷺ نے درمیان میں آ کر اسے بچا لیا اور اس جگہ جہاں اس نے پیشاب کیا تھا وہاں ایک بالٹی پانی ڈلوایا اور نرمی سے سمجھایا کہ

"یہ عبادت کی جگہ ہے یہاں خدا کی عبادت کی جاتی اور قرآن کی تلاوت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے۔“

جب بدو چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا:

تم لوگ آسانیاں پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، لوگوں کے لیے چیزوں کو مشکل بنانے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

دین میں کوئی جبر نہیں

نجران (یمن) کے عیسائیوں کا 14 نفری وفد مدینہ آیا۔ ان کا مقصد نئے دین کے بارے میں معلومات حاصل کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے بارے میں اور خاص کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کرنا تھا کہ اسلام میں ان کا کیا مقام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوالوں کا جواب دیا اور بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دراصل اسی دین اسلام کو لے کر آئے تھے۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیت کے عقیدہ تثلیث کو قطعی طور پر مسترد کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو توحید، خدائے واحد کی عبادت اور قرآن بحیثیت آخری کتاب الٰہی کی طرف دعوت دی۔ انہیں بتایا کہ قرآن اپنے سے پہلے نازل شدہ تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء پر نازل ہوئیں اور یہ کہ قرآن بھی دراصل اسی توحیدی مذہب کا ایک حصہ ہے جو عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء لے کر آئے۔

عیسائیوں کے اس وفد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنی، اپنے اعتراضات اور دلائل پیش کیے ان کو جواب دیا گیا تاہم انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ البتہ رخصت ہونے سے پہلے انہوں نے مسجد نبوی میں اپنی عبادت انجام دینے کی اجازت مانگی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر اعتراض کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی۔ انہوں نے مسجد کے اندر ہی اپنی عبادت کی۔ مدینہ سے رخصت ہونے سے پہلے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ ایک آدمی ان کے ساتھ کر دیا جائے جو ان کے ساتھ رہے ان کے سوالوں کے جواب دے اور ضرورت پڑنے پر۔ ان کے بعض معاملات میں فیصلے بھی کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس مقصد سے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔

عیسائی وفد مدینہ آیا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اپنے سوال اور اعتراض پیش کیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جواب دیا انہوں نے مسجد نبوی میں اپنی عبادت کی پھر واپس ہو گئے۔ ان کو کسی نے بھی نہیں چھیڑا نہ کوئی نقصان پہنچایا وہ عیسائی رہے اور کامل طور پر آزاد۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس عملی تعلیم کو کیسے بھول سکتے تھے انہوں نے اس سے یہ معنی اخذ کیا کہ ''مدعو'' کے بارے میں اسلام ''برداشت'' سے بھی آگے بڑھ کر ان سے ملنے جلنے، ان کے بارے میں جاننے ان کی عزت واحترام اور اعتراف کا مطالبہ کرتا ہے۔ قرآن کا حکم ''مذہب کے معاملے میں کوئی جبر نہیں''، تکثیریت اور احترام باہمی کی اسی روح کے مطابق ہے۔

عیسائی

عیسائیوں اور ساتھ ہی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے، ان کے ساتھ ثقافتی تبادلہ اور ہم آہنگی کے رہنے کے لیے تین ہی شرطیں فیصلہ کن ہیں۔ سب ایک دوسرے کو جاننے کی کوشش کریں، بحث ومباحثہ میں خلوص ہو اور تیسری و آخری شرط یہ کہ احترام باہمی کی فضا ہو۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کے عقائد مثلاً عقیدۂ تثلیث یا رہبانیت پر اعتراض اور تنقید سے گریز نہیں کیا مگر بحث کے آخر تک ان کے ساتھ اپنا رویہ معرفت اور علم پر مبنی ہی رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پوری آزادی دی کہ بقائے باہم کی ان تینوں شرطوں کے احترام کے ساتھ وہ جا سکتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں سے ان کے مذاکرات جاری رہے۔

دوسرے مذاہب کے لیے رواداری

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیوں کہ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ [1]

دوسرے مذاہب کے سلسلہ میں مہذب زبان استعمال کرنے کے بارے میں رسالت محمدی نے بڑی صراحت سے کام لیا ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ یہ حکم فرمایا کہ دوسرے مذاہب کے خداؤں کی اور ان کی کتابوں کی توہین ہرگز نہیں کی جانی چاہیے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی کہا کہ دوسرے مذاہب کے جھوٹے معبودوں کو برے نام سے نہ پکارا جائے کہ جواب میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں۔

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا عملی رویہ ایک واقعہ سے ثابت ہوتا ہے ہوا یہ کہ خیبر کی جنگ کے بعد آپ ﷺ مدینہ جا رہے تھے ایک یہودی ربائی نے دیکھا کہ مال غنیمت میں مسلمان تورات کے کچھ نسخے بھی لے جا رہے ہیں اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ مضطرب ہوا تھے اور آپ ﷺ نے تورات کے تمام نسخے واپس کر دینے کا حکم دیا بلکہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس فعل پر خود معذرت فرمائی۔ ایک معروف یہودی اسکالر ڈاکٹر اسرائیل ویلفنسن اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام دوسرے مذاہب کو کتنے احترام سے دیکھتے تھے۔''

رسول اللہ ﷺ کے اس رواداری رویہ سے یہودی بہت متاثر ہوئے۔ جنہیں اپنی تاریخ میں مختلف قوموں اور خاص طور پر عیسائیوں کے ہاتھوں تلخ تجربے ہوئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جب رومیوں نے سن 70 ق م میں یروشلم پر قبضہ کیا تھا تو انہوں نے یہودی صحائف اور کتابوں کو جلا دیا تھا۔ اسی طرح متشدد عیسائیوں نے (اسپین) کے مسلمانوں اور یہودیوں پر تشدد کیا اور ان کی مقدس کتابوں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ دنیا کے دوسرے فاتحین اور پیغمبر اسلام ﷺ کے درمیان یہی عظیم فرق ہے انہوں نے قلعے فتح کیے اور رسول اللہ ﷺ نے دل جیتے۔ اور جو دلوں کو فتح لے وہی فاتح زمانہ۔

[1] الانعام:108

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منارۂ نور:

آپ ﷺ کی زندگی ایک منارۂ کی حیثیت رکھتی ہے۔ دشمن کو معاف کرنے اور خطا کار کو اپنے دامن عفو میں جگہ دینے میں آپ ﷺ کی کوئی مثال نہیں ہے۔ اس قسم کی ایک مثال یہ ہے کہ جب غزوۂ احد ہوا اور مسلمانوں کی مختصر جماعت قریش مکہ سے مقابلہ کے لیے نکلی، تو راستہ میں جب کھیتوں سے ان کا گزر ہوا تو ایک اندھا منافق غضب ناک ہو کر سامنے آیا اور مٹھی میں ریت بھر کر نہایت بدتمیزی سے آپ ﷺ سے گویا ہوا کہ اے محمد (ﷺ) اگر میں یہ نہ جانتا کہ اس سے تمہارے علاوہ دوسروں کو بھی تکلیف پہنچے گی تو بخدا میں ضرور تمہارے چہرہ پر پھینکتا! (نعوذ باللہ) مسلمانوں نے اس کی بکواس سنی تو طیش میں آ گئے اور قریب تھا کہ اس کو قتل کر ڈالیں کہ آپ ﷺ نے مداخلت کی اور فرمایا: اس کو چھوڑ دو یہ دل اور آنکھ دونوں سے اندھا ہے"۔ اس اندھے کی اتنی شدید بدتمیزی بھی آپ ﷺ نے معاف کر دی۔ اتنے نازک وقت میں اس قسم کی بدمعاشی کو کیا کوئی اور جنرل معاف کر سکتا تھا؟ اس لیے سچ ہے کہ آپ ﷺ ہر طرح کے لوگوں کے لیے اور ہر قسم کے حالات کے لیے ایک مینارہ نور ہیں۔

گناہ عظیم

مثال کے طور پر کچھ سالوں کے بعد جب مسلمان ایک یہودی قبیلہ سے برسر جنگ تھے اور اس قبیلہ کی غداری و منافقت کھل چکی تھی ایک مسلمان نے خیال ظاہر کیا کہ چوری کر کے اور اس کا الزام ایک یہودی پر ڈال کر وہ بچ جائے گا، تو قرآن پاک کی آٹھ آیتیں اتریں اور اس مسلمان کی غلطی کو عالم آشکارا اور اس جرم سے یہودی کو بری کر دیا، فرمایا:

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿١١٢﴾

اور جو شخص کوئی گناہ یا خطا کر کے کسی بے گناہ کے ذمہ تھوپ دے اس نے بہت بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ کیا۔[1]

[1] النساء: 112

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس سے معلوم ہوا انسانی وجود کا مطلق احترام اور عدل وانصاف کا اصول یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس بارے میں مسلم اخلاقیات کسی بھی ماحول کے دباؤ اور نفرت کے جذبہ کا شکار نہ ہونی چاہیے۔ قرآن بتاتا ہے کہ جنگ کے وقت پیدا ہو جانے والی نفرت وعداوت ان اصولوں کے راستہ میں رکاوٹ نہیں بنی چاہیے جن کا مسلمانوں کو ہر حال میں پابند رہنا ہوگا۔ فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ⑧

اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ۔ راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرو جو پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اعمال سے باخبر ہے۔ [1]

❀❀❀❀❀❀

[1] المائدہ:8

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اٹھارواں باب

خیبر

مدینہ سے 150 کلومیٹر کی دوری پر خیبر شہر آباد تھا جو کہ یہودیوں کی علاقائی طاقت تھی۔ جس سے سبھی خوف زدہ رہتے تھے اور اس کی قلعہ بندی، اسلحہ سازی اور مالداری کے باعث اس پر حملہ کرنا ناقابل تصور سمجھا جاتا تھا۔ اس کے دشمن اس پر حملہ کرنے اور اس پر غلبہ حاصل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہودی قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے ممبران کے اکسانے پر خیبر کے لیڈران خطہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بن گئے۔ جس کے اظہار اور مسلم معاشرے کے مفاد کو نقصان پہنچانے میں وہ کبھی پیچھے نہیں رہے نیز اگر موقع ملتا تو انفرادی طور پر نقصان پہنچانے میں بھی دریغ نہ کرتے۔

خیبر کے لیڈران نے قریش مکہ اور دیگر اسلام مخالف قبائل کو خصوصی سفیر بھیجے، مثلاً غطفان اور ہوازن کو، اور یہی نہیں بلکہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کے لیے ان کو مالی مدد بھی فراہم کی۔ جنگ خندق میں مدینہ کے مسلمانوں کے خلاف انہوں نے دشمنوں کی میزبانی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) جان سے مارنے کی بھی کوشش کی۔ لہٰذا، حدیبیہ سے واپسی کے چند روز بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اہل خیبر سے نپٹنے کا ارادہ کیا۔ صلح حدیبیہ کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل مکہ سے امن معاہدہ ہو چکا تھا اور اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ کے مدینہ پر حملہ کے خطرہ سے بے نیاز ہو کر خیبر کے معاملہ کو نپٹا سکتے تھے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اپنے سفیروں کو پرامن تصفیہ کے لیے خیبر بھیجا مگر تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ بالآخر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے خلاف ایک منظم مہم کا فیصلہ لیا مگر آخری وقت تک اس کو خفیہ رکھا تاکہ دشمن خبردار نہ ہو سکے۔ خیبر اور اس کے اتحادی تقریباً ۱۴ ر ہزار افراد میدان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں لا سکتے تھے۔ محمد ﷺ نے صرف چودہ سو افراد ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا، گرچہ آپ ﷺ اس سے زیادہ قوت کو جنگ کے لیے لا سکتے تھے۔ رات کے وقت شہر کے کنارے آپ ﷺ نے ایک راہبر کو بلایا جو علاقہ کو بخوبی جانتا تھا۔ آپ ﷺ نے خیبر کے دو قلعوں کے درمیان اپنا کیمپ لگایا، اس طرح سے آپ ﷺ نے اہلِ خیبر اور ان کے اتحادی غطفان کے درمیان مواصلات کو بند کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو دونوں قلعوں کے باشندے یہ دیکھ کر تعجب میں رہ گئے اور ان پر خوف چھا گیا۔ یہ محاصرہ کئی دنوں تک چلا، جس کے دوران محمد ﷺ اور ان کے جانثار ساتھی ایسی اعلیٰ حکمت عملی کی تعیین کے لیے معلومات یکجا کرتے رہے جس سے دشمنوں کو خودسپردگی کے لیے مجبور کیا جا سکے۔ انہوں نے ایک کے بعد ایک قلعہ کو فتح کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس ترکیب نے خوب کام کیا اور جلد ہی پہلا قلعہ فتح ہو گیا۔ ہر قلعہ پر حملہ کے وقت خودسپردگی کی بات چیت ہوئی مگر زیادہ تر حالات میں مفتوحوں کو اپنے مال و اسباب سے دست بردار ہونا اور عورتوں و بچوں کے ساتھ جلاوطن ہونا پڑا۔

خیبر کے سب سے بڑے قلعہ قموص نے چودہ دنوں تک مزاحمت کی مگر آخر میں اسے جھکنا ہی پڑا کیونکہ مسلم محاصرے نے ان کی کمر توڑ دی تھی اور فتح کی کوئی امید باقی نہیں چھوڑی تھی۔ آخری دونوں قلعوں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور جب ان کی باری آئی، تو وہ بھی پرامن طور پر قلعوں سے دستبرداری پر مجبور ہوئے۔ نبی ﷺ نے مفتوحین کو خیبر میں رہنے اور اپنے کھلیانوں اور باغات کی دیکھ بھال کی اجازت دے دی بشرطیکہ وہ مسلمانوں کو اپنی پیداوار اور مصنوعات کا ایک باقاعدہ ٹیکس ادا کریں، یہودی ان شرائط پر راضی ہو گئے۔

یہودی عورت آپ ﷺ کو زہر دیتی ہے

اس معاہدہ کی خوشی میں یہودیوں نے محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوت پر مدعو کیا۔ جب بھیڑ کا دستہ لایا گیا اور محمد ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ ﷺ نے ایک لقمہ لیا مگر گوشت کا عجیب سا ذائقہ محسوس کیا اور فوراً ہی تھوک دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھی حضرت بشر رضی اللہ عنہ کو منع کرنے کی کوشش کی جنہوں نے کھانا شروع کر دیا تھا مگر تب تک کافی دیر ہو چکی تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحابی کی فوراً موت ہوگئی۔ کھانا پکانے والی عورت کو حاضر ہونے کا حکم دیا گیا اور اس نے یہ قبول کیا کہ گوشت میں زہر ملایا گیا تھا اور یہ بہانہ کیا کہ اگر کھانے والا بادشاہ ہوگا تو اس طرح عورت اس سے اپنے آپ ﷺ کو بچالے گی اور نبی ہوگا تو اسے زہر کے بارے میں معلوم ہو ہی جائے گا۔ لیکن پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے اس کی اس دغابازی کو نظر انداز کر دیا۔ مسلمان غصے میں تھے، وہ چاہتے تھے کہ معاہدہ کو رد کر کے جنگ دوبارہ شروع کی جائے۔ مگر نبی ﷺ نے یہودیوں کو معاف کر دیا اور معاہدہ کی شرائط کی پاسداری کی۔

صفیہ (رضی اللہ عنہا) کا قبول اسلام

جنگی قیدیوں میں حیی (حیی قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا) کی بیٹی صفیہ بھی شامل تھیں۔ صفیہ اپنے والد سے بہت مختلف تھیں اور وہ بہت دنوں سے محمد ﷺ کے پیغام کو سیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ نہایت خدا ترس تھیں اور اپنے لوگوں کی طرف سے محمد ﷺ کے خلاف ہونے والی جارحانہ سرگرمیوں میں کبھی شریک نہیں ہوئیں۔ نبی ﷺ نے اس خاتون اور اس کی روحانیت کے بارے میں سنا تھا اور اس خاتون نے بھی اپنے خواب کو بتانے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کی اور اپنی قسمت کو مسلمانانِ مدینہ سے وابستہ کر دیا۔ محمد ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کی باتیں سنیں اور ان کو اختیار دیا کہ یا وہ دین یہود پر قائم رہیں اور اپنے لوگوں کے پاس لوٹ جائیں یا اسلام قبول کریں۔ وہ فوراً کہہ اٹھیں "میں اللہ اور اس کے رسول کو منتخب کرتی ہوں" آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور پھر چند دن بعد ان سے نکاح کر لیا۔ اصل میں دستور یہ تھا کہ فاتح بادشاہ اور سردار مفتوح بادشاہ اور سردار کی بیٹی اور بیوی کو اپنے حرم میں لے آتے تھے۔ آپ ﷺ نے بھی جزوی طور پر اس دستور پر عمل کیا مگر بڑی وجہ اس نکاح کے ذریعہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی نیکی اور ان کا اعزاز و اکرام کرنا اور ان کی تکلیف کو کم کرنا تھا۔

۷ ہجری (628ء) میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ تمام قلعے فتح کیے جا چکے تھے اور محمد ﷺ نے اس خطے کے آخری بڑے دشمن کو بے اثر بنا دیا تھا اور پورے جزیرۂ عرب میں امن و امان کا دور دورہ ہو چکا تھا اور شمال کی جانب سے ہونے والے حملوں سے اب مسلمان بے خوف ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گئے تھے۔ قبائلی یا خاندانی معاملات کو کنٹرول کرنے والے معاہدوں یا عمومی تجارت نے مسلم معاشرے کو محفوظ طریقے پر اور سکون کے ساتھ رہنے کے لائق بنا دیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں نے بھی حالات کو کافی بہتر بنایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویاں مختلف خاندانوں سے تھیں لہٰذا وہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے جڑ گئے اور انہیں فطری اتحادی کے طور پر دیکھا جانے لگا۔ تاہم، مسلم معاشرہ بذات خود محفوظ اور مستحکم ہو چکا تھا اور آٹھ سالہ مدت میں یہ نہ صرف نئے شہر مدینہ میں آباد ہو چکا تھا بلکہ بے نظیر رتبہ اور علاقائی عزت واحترام کا حامل ہو چکا تھا۔

خیر سگالی کا اقدام

جنگ احزاب کے بعد قریش مکہ کی کرکری تو عرب میں ہوئی ہی تھی کہ اچانک مکہ میں قحط بھی پڑ گیا۔ مکہ والے تجارت پیشہ تھے۔ اس لیے کھیتی باڑی ہوتی نہیں تھی۔ انہیں کھانے کا سامان باہر سے منگوانا پڑتا تھا۔ لیکن جہاں سے وہ خریداری کرتے تھے وہ علاقے بھی خشک سالی سے متاثر تھے۔ اب صرف نجد کا علاقہ بچا تھا جہاں سے ان کو خوراک مل سکتی تھی۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں 30 مسلمانوں کا ایک دستہ نجد کے علاقہ میں مہم پر گیا ہوا تھا اپنے گشت کے دوران انہوں نے علاقہ کے ایک نہایت بااثر سردار کو پکڑ لیا اور مدینہ لے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شخصی طور پر اس کو جانتے تھے وہ نجد کے بنو حنیفہ کا سردار ثمامہ بن اثال تھا جس سے ایک بار ہجرت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ملاقات کی تھی جب وہ مکہ آیا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی مگر اس نے نہ صرف یہ کہ دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو درشتی سے جھڑکا بھی اور قتل کرنے کی دھمکی بھی دے دی۔ اب وہی شخص مسلمانوں کی قید میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: "ثمامہ کیا اب بھی کفر سے تائب ہونے اور اسلام قبول کرنے کا وقت نہیں آیا۔" وہ بولا: محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے قتل کر دیتے ہیں تو میں قتل کا مستحق ہوں کیوں کہ میں قاتل ہوں اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر رحم کریں گے تو مجھے اس کا احسان مند پائیں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زر فدیہ چاہیے تو میں ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔" یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس نے جو یہ کہا تھا کہ آپ ایک قاتل کو قتل کریں گے۔'' یہ ذو معنی کلمہ ہے بہت ممکن ہے کہ اس نے بعض مسلمانوں کو قتل کر دیا ہو۔ یہ گفتگو یہیں پر ختم ہوئی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے ساتھ ''قیدی مہمان'' کی طرح سلوک کیا جائے تا کہ مسجد میں رہتے ہوئے اسے مسلمانوں کی روز مرہ کی زندگی کا مشاہدہ کرنے کی فرصت ملے۔ دوسرے دن پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس آئے اور دونوں کے مابین پھر یہی گفتگو ہوئی اور تیسرے دن بھی اسی طرح سوال و جواب ہوا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے رہا کر دینے کا حکم دیتے ہوئے اس سے کہا: ''ثمامہ تم آزاد ہو جہاں چاہو جاؤ۔'' اس نے اب تک مسلمانوں کا اپنے ساتھ بہتر سلوک دیکھا اور اب خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بڑائی اور دریا دلی کا مظاہرہ کیا تو اس کا دل پگھل گیا۔ وہ فوراً مسجد سے باہر نکلا قریب کے کنویں پر گیا اور نہا دھو کر واپس آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر خود اس نے کہا

اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

ایمان قبول کرنے کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی اضافہ کیا: ''یا رسول اللہ چند منٹ پہلے تک دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھے اور اب سب سے زیادہ پسندیدہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین سب سے زیادہ مبغوض تھا اور اب سب سے زیادہ محبوب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر سے زیادہ کوئی شہر میری نظروں میں خراب نہیں تھا اور اب اس سے زیادہ اچھا کوئی شہر نہیں ہے۔

ثمامہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے اب اسلامی دعوت کے لیے نجد میں بھی ایک راستہ کھل گیا جو کہ سیاسی طور پر نہایت اہم علاقہ تھا۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے واپس جاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہیں تو مکہ کی سپلائی روک دوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر ایک دانہ بھی مکہ نہ پہنچے گا۔ اپنے علاقہ میں پہنچ کر انہوں نے ویسا ہی کیا۔ اس سے مکہ کی صورت حال اور زیادہ خراب ہو گئی جو کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلے ہی خشک سالی کی مار جھیل رہا تھا۔ آخر قریش کو مجبور ہو کر آپ ﷺ سے درخواست کرنی پڑی کہ ثمامہ رضی اللہ عنہ کو کہیں کہ وہ اس معاشی مقاطعہ کو ختم کر دیں۔

آپ ﷺ نے فوراً ہی ثمامہ رضی اللہ عنہ کو خبر بھجوائی کہ روزی کا مالک اللہ ہے جو دوست دشمن سبھی کو روزی دیتا ہے اہل مکہ کے ساتھ جو معاملہ تم پہلے کر رہے تھے وہی کرو بلکہ تھوڑا اور زیادہ دو۔

آپ ﷺ نے نہ صرف اتنے ہی پر اکتفا کیا بلکہ اپنی طرف سے بھی ابوسفیان کے پاس 500 اشرفیاں بھیج دیں تاکہ مکہ کے ناداروں اور غریبوں میں تقسیم کر دے۔ ابوسفیان جو اس وقت تک اسلام کے شدید دشمن تھے، اس پر کافی اچھلے کودے کہ محمد ﷺ ہمارے نوجوانوں کو بہکانا چاہتے ہیں۔ تاہم وہ اس پوزیشن میں نہ تھے کہ آپ کی بھیجی ہوئی رقم کو واپس کر دیں۔

قریش نے آپ ﷺ کی ذات، آپ ﷺ کی فیملی اور متبعین کو مکی زندگی میں اتنے زخم دیئے کہ ان کو بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں۔ انہوں نے تین سال تک آپ ﷺ کا سماجی مقاطعہ کیا۔ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یمامہ سے مکہ کو آنے والے غلہ کی اجازت اس وقت دی جب اہل مکہ ضرورت مند تھے اور اس طرح ان کو بھوکوں مرنے سے بچالیا۔ پھر آپ ﷺ نے خود ان کی مدد بھی فرمائی۔ اس طرح کے اور بھی واقعات ہوئے، اس سب سے اہل مکہ پر مثبت اثر پڑا ان میں ایک بڑی تعداد نے آپ ﷺ کو اپنا دشمن نہیں بلکہ دوست سمجھنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ کی ترقی سے ان کو فخر محسوس ہونے لگا وہ اپنے ان جذبات کو علی الاعلان بیان نہیں کر سکتے تھے مگر فطری طور پر وہ آپ ﷺ اور دین اسلام کی طرف مائل ہونے لگے تھے۔

تفریح اور آرام

تفریح اور آرام جاں زندگی کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ اس سے انسان اکتاہٹ و یکسانیت سے بچتا اور سستی و تکان دور کر کے تازہ دم ہو جاتا ہے۔ اور اس کی خاطر لوگ کچھ دل لگی اور تفریحی چیزوں کی طرف جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو اس بات کی اجازت دی کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے وہ نفس و روح کی تازگی حاصل کریں اور ایسی تفریحی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چیزیں اختیار کریں جو غیر مضر، صاف ستھری اور گناہوں سے آلودہ نہ ہوں۔ آپ ﷺ خود باغوں میں جایا کرتے کبھی اکیلے اور کبھی دوسرے ساتھیوں کے ساتھ اور درختوں کے پیچھے بیٹھ کر مختلف موضوعات پر ان سے گفتگو فرماتے۔ کبھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین تیراکی کے مقابلے ہوتے اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اچانک کافی دنوں کے بعد بارش ہوئی آپ ﷺ بارش میں نہائے دراں حالانکہ آپ ﷺ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کبھی کبھی تیراندازی، کشتی اور پہلوانی کے مقابلوں میں بھی شرکت کر لیتے اور کبھی ساتھیوں کے ساتھ دل کھول کر ہنس لیتے۔ خوشی وشادمانی کے موقع پر آپ ﷺ کو ایک طرف سے کھلا ہوا دف بجانا پسند تھا۔ ایک بار عید کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کئی لڑکیاں تھیں جو گا بجا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا تو جھڑک دیا مگر آپ ﷺ نے مداخلت کی اور کہا: ''ان کو گانے بجانے دو''۔ اسی طرح شادی بیاہ کے موقع پر دف اور موسیقی کی آپ نے اجازت دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں رہنے والی ایک انصاری لڑکی کی شادی ہوئی۔ اس کے چاروں طرف لڑکیاں بیٹھی ہوئی گا رہی تھیں آپ ﷺ نے ان کو گانے اور دف بجانے کی اجازت دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چونکہ انصار موسیقی پسند کرتے ہیں اس لیے اس دلہن کے ساتھ ایک لڑکی بھیجی جائے جو ان کو گانا سنائے۔

اسی طرح ایک موقع پر کچھ لڑکیاں گا رہی تھیں کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ آ گئے اور انہوں نے ان کو منع کرنا چاہا وہاں پر ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے وہ بولے: ''اگر تم سننا چاہو تو تم بھی بیٹھ جاؤ اور نہیں پسند کرتے ہو تو چلے جاؤ کہ ہم نے اس کے لیے رسول اللہ سے اجازت لی ہے۔''

ایک بار عید کے دن حبشہ سے ایک وفد آیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے مکان کے صحن میں جو مسجد سے بالکل متصل تھا اپنے کھیلوں اور روایتی کرتب کا مظاہرہ کیا۔ آپ ﷺ دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اجازت دی کہ وہ آپ ﷺ کے کاندھوں پر منہ رکھ کر ان کے کرتبوں کو احتیاط سے دیکھ لیں۔''

ایک اور موقع پر آپ ﷺ میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں دوڑ کا مقابلہ ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگے نکل گئیں۔ اس کے کچھ دنوں بعد جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھوڑی فربہ ہو گئیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھیں دونوں میں دوبارہ مقابلہ ہوا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے نکل گئے اور ان کو ہرا دیا تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہنستے ہوئے فرمایا: ''هذه بتلك'' یہ اس ہار کا بدلہ ہے۔

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انیسواں باب

عمرہ (حج اصغر)

صلح حدیبیہ کو ایک سال گزر چکا تھا اور اب معاہدے کے مطابق مکہ کی زیارت کی تیاری کا وقت آ چکا تھا۔ چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو ہزار مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کی نیت سے روانہ ہوئے۔ ان کے درمیان مکہ سے ہجرت کر کے آنے والا ایک غریب شخص بھی تھا جو اہل صفہ کے ساتھ گزر بسر کرتا تھا۔ وہ بہت غریب اور منکسر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ابو القط اور ابو ہریرۃ (بلی کے بچوں کا باپ) کہہ کر بلاتے تھے، کیونکہ وہ بلی کے بچوں سے بہت پیار کرتا تھا۔ یہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ تھے جو یوں تو کافی بعد میں اسلام میں داخل ہوئے مگر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ ثقہ اور لائق احترام راویوں میں سے ہیں۔

حجاج کرام مکہ کے لیے روانہ ہوئے اور حدود حرم کے پاس رک کر انتظار کرنے لگے تاکہ قریش علاقہ سے ہٹ جائیں اور مسلمانوں کو آزادانہ طور سے اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی اجازت دے دیں۔ مسلمان حج کے احرام (مقدس لباس) میں ملبوس تھے، وہ مکہ میں داخل ہوئے اور اہل قریش پاس کی پہاڑیوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کے ساتوں طواف مکمل کیے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ اس کے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ قربان کیے اور اپنے سر کے بال منڈوائے۔ اس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کے مناسک مکمل کیے۔ حجاج کرام نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہتے تھے مگر قریش نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ یہ معاہدہ کا حصہ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکرار نہیں کی اور اپنے قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کے قریب ہی رہے جہاں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ روزانہ اپنی پرسوز اور بلند آواز میں پانچ وقت حاجیوں کو عبادت کے لیے بلایا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے تھے۔ پہاڑیوں کے پیچھے سے قریش یہ سب دیکھ رہے تھے اور مسلمانوں کے مذہبی اعمال واخلاق کے وقار اور سادگی سے متاثر ہوئے۔

اس موقع پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اعلانیہ طور سے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا۔

مکہ کے جگر گوشے ایمان کے نور سے منور ہوتے ہیں

جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس آ گئے اور معمولات زندگی دوبارہ سے اپنے نہج پر چلنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں کی غیر متوقع آمد کے بارے میں سنا جو کہ راستے میں ایک دوسرے سے ملے اور اس کے بعد تینوں ایک ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آ رہے تھے۔ یہ تھے عثمان بن طلحہ، خالد بن ولید اور عمرو بن العاص جو اسلام میں داخل ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بیعت کے لیے آ رہے تھے۔ انہوں نے ایک عرصہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت معاندانہ اور جارحانہ طریقے سے جنگ کی تھی۔ مگر اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبول اسلام سے نہایت خوش تھے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی، جن کو ان تینوں کی خصوصیات کا علم تھا۔ وہ اخلاص اور سنجیدگی سے آئے تھے۔ کچھ دن پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے اب یہ تین ممتاز افراد مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ قبول اسلام کے بعد نہ صرف اسلام کے بدترین دشمنوں کے ماضی کو پورے طور پر بھلا دیا گیا تھا بلکہ ان لوگوں کو ایمانی تربیت کے جتنے وقت کی ضرورت تھی وہ بھی خلوص کے ساتھ ان کو دیا گیا۔ اور ان کے اخلاص اور سنجیدگی اور مستقبل پر کوئی سوال نہیں اٹھایا گیا۔

تقریباً بیس سالوں تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیغام کی مخالفت کرنے کے بعد، یہ ایک گہری تبدیلی و تغیر سے گزرے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دو سالوں میں ایمان و یقین، قربانی و جاں نثاری اور عہد و وفا کی مثال بن گئے۔ ایمان جو دلوں کی دنیا بدل دیتا ہے اور زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیتا ہے اور جس کو زمان و مکان کی بنیاد پر تولا نہیں جا سکتا۔ وہ تو اپنی روح میں نہایت مخلصانہ اور شدید کوشش کا نام ہے۔ اور اسی لیے نومسلم ایک گہرے اور مکمل داخلی نور کو حاصل کر سکتا ہے بمقابل موروثی مسلمان کے جو برسوں کی عبادت و ریاضت کے بعد اسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حاصل کرتا ہے۔ ویسے اس کا الٹا بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لیے لوگوں کو دوسروں کے دلوں کے بارے میں فیصلے دینے سے احتراز کرنا چاہیے۔

موتہ کی جنگ

پرانے معاہدوں کی تجدید اور نئے حلیف بنانے کے لیے نیز تجارت کے لیے شام کا سفر کرنے میں مسلمانوں کو سہولت بہم پہنچانے کے لیے چند ماہ بعد رسول اللہ ﷺ نے شمال میں سفیروں کو بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۵ آدمیوں کو مختلف قبائل کے پاس روانہ کیا گیا مگر ان میں سے چودہ کو قتل کر دیا گیا۔ اسی وقت ایک دوسرے سفیر کو جسے بصریٰ بھیجا گیا تھا قبیلہ غسان کے سردار نے قتل کر دیا۔ شام کا خطرہ واضح طور پر بڑھ رہا تھا جس میں سفیروں کے قتل نے اور شدت پیدا کر دی۔ چنانچہ ان سفیروں کے قتل کی تلافی ضروری ہو گئی تھی۔ دراصل سفیروں اور پیغامبروں کا قتل عہد جدید کی طرح اس وقت بھی بہت بڑا جرم مانا جاتا تھا اور اسے اعلان جنگ شمار کیا جاتا تھا۔ یہ خبر سن کر رسول اللہ ﷺ نہایت برافروختہ ہوئے اور تین ہزار پر مشتمل ایک فوج بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار متعین کیا۔ آپ ﷺ نے یہ کہا کہ اگر زید شہید ہو جاتے ہیں تو جعفر رضی اللہ عنہ، جو حال ہی میں حبشہ سے لوٹے تھے، فوج کی کمان سنبھالیں گے اور اگر جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو جاتے ہیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان کی جگہ لیں گے۔

غزوۂ موتہ محمد ﷺ کی زندگی کی سب سے زیادہ نازک اور شدید جنگ تھی۔ جو کہ عیسائی سرزمین کی عظیم الشان فتح کا آغاز اور شروعات تھی۔ یہ جنگ ۸ ہجری/ 629 عیسوی میں ہوئی۔ موتہ فلسطین کے نزدیک شام کی حدود پر واقع ایک گاؤں کا نام ہے۔

مسلمان فوج روانہ ہوئی اور جب وہ شام کے قریب پہنچے تو انہوں نے سنا کہ اکثر اسلام مخالف عرب قبائل فوج در فوج یکجا ہو رہے ہیں اور وہ رومیوں کی شاہی فوج کی مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جس سے ان کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہو گئی ہے۔ فقط تین ہزار جوانوں کے ساتھ مسلمانوں کے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ ایک مجلس منعقد کی گئی جس میں یہ فیصلہ کیا جانا تھا کہ اب انہیں واپس مدینہ لوٹ جانا چاہیے یا کمک کے لیے کسی قاصد کو بھیجنا چاہیے یا دو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فوجوں کے درمیان زبردست فرق کے باوجود آگے بڑھ کر جنگ کرنی چاہیے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے جوش ویقین کی بنا پر انہوں نے ابتدائی منصوبہ بندی کے مطابق جنگ لڑنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ خصوصا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے بڑے جوش کا مظاہرہ کیا اور یہ جتا دیا کہ وہ شہید کی موت مرنے جارہے ہیں۔ مسلمان دشمن کے قریب پہنچے، چند ساعت ان کا مشاہدہ کیا اور پھر موتہ کی جانب رخ کیا، عرب اور رومی فوج نے ان کا تعاقب کیا یہ سوچتے ہوئے کہ یہ پسپا ہو گئے ہیں۔ جب مسلمان موتہ پہنچے، جس کا محل وقوع ان کے لیے مفید تھا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دشمن کو حیرت میں ڈالنے کے لیے اپنی فوج کو اچانک حملے کا حکم دیا۔ لمحہ بھر کے لیے اس حکمت عملی نے دشمنوں کے پاؤں اکھیڑ دیئے مگر حالات کو مسلمانوں کے حق میں رخ پھیرنے کے لیے یہ کافی نہیں تھا کیونکہ مسلمانوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ جنگ میں پہلے حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے پھر جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو گئے۔ مسلمان فوج میں ابتری پیدا ہوگئی کہ اچانک خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کمان سنبھال لی اور مسلم فوج کو یکجا کیا اور دشمن کے نئے حملہ سے محفوظ رہنے کے قابل بنایا۔ مسلمانوں نے صرف آٹھ آدمی کھوئے تھے مگر وہ پسپائی سے دوچار تھے جو واضح طور پر شکست تھی، تاہم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس تصادم سے بچنے کی کوشش کی جو کہ قتل عام کی صورت میں بدل سکتی تھی اور اس میں وہ کامیاب ہوئے۔ اور مسلمان فوج کو بحفاظت دشمن کے نرغہ سے نکال لائے۔

اپنوں کے لیے آنسو بہاؤ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں رکنے والے صحابہ عجیب تجربہ سے گزرے۔ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب سچے ہوتے ہیں، وہ یہ بھی بخوبی جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی آتی ہے جو تھوڑا تھوڑا کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہو رہی تھی۔ لہٰذا وہ اپنے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے اس عجیب اور حیرت انگیز پہلو کے خوگر ہو گئے تھے۔ ایک دن، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آئے۔ اس وقت تک میدانِ جنگ سے کوئی قاصد نہیں آیا تھا اور مہم کے تعلق سے کوئی خبر بھی نہیں ملی تھی، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالت جنگ بیان کرنی شروع کردی گویا کہ آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ جنگ میں شریک رہے ہوں۔ آنکھوں میں آنسو اور الم ناک جذبات کے ساتھ آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ آپ ﷺ خالد رضی اللہ عنہ کے کارنامہ کی تعریف کی اور انہیں سیف الاسلام (اسلام کی تلوار) سے خطاب کیا۔ اپنے قریبی لوگوں کی شہادت کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ اپنے جذبات کو چھپا نہ سکے۔ آپ ﷺ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسما رضی اللہ عنہا اور ان کے بچوں کے پاس اس اندوہناک خبر کو سنانے اور دلاسہ دینے گئے اور بولنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کے اشک جاری ہو گئے اور اپنے شوہر کے انتقال کی خبر سن کر اسما رضی اللہ عنہا بھی زار زار رونے لگیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ ام ایمن رضی اللہ عنہا اور اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والوں کے پاس گئے جن سے آپ ﷺ کو خصوصی محبت تھی۔ ان کے گھر سے نکلنے سے پہلے زید رضی اللہ عنہ کی چھوٹی بیٹی دوڑتی ہوئی گھر سے باہر نکلی اور رسول اللہ ﷺ کی گود سے جا لگی، آپ ﷺ اس کو سمجھا رہے تھے حالانکہ خود آپ ﷺ کے چشم مبارک سے آنسو زار و قطار رواں تھے اور آپ ﷺ سسکیاں لے رہے تھے۔ وہاں سے گزرنے والے صحابی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ یہ ماجرا دیکھ کر متعجب ہوئے وہ بھی خاص کر رسول اللہ ﷺ کے اشک مبارک سے۔ چنانچہ وہ پوچھ بیٹھے۔

یا رسول اللہ ﷺ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے جو جواب دیا وہ یہ تھا

> یہ وہ آدمی تھا جو بہت رقیق القلب تھا اور جسے اپنے پیاروں پر بے اختیار رونا آجاتا تھا اور وہ خود اپنے پیاروں کو چھوڑ کر چلا گیا۔

محمد ﷺ نے اپنے صحابہ کو محبت و شفقت کی تعلیم دی تھی اور اب جب موت نے بہت سے پیاروں کو جدا کر دیا تھا آپ ﷺ کے آنسوؤں نے ان کو بتایا کہ انسان کا شیشۂ دل کتنا نازک ہے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں لشکر موتہ سے واپس ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی بصیرت کی تصدیق کی کہ جیسا آپ ﷺ نے بیان فرمایا تھا چیزیں ویسے ہی وقوع پذیر ہوئی تھیں اور تین صحابیوں نے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔ تمام معاشرے کے لیے، یہ بصیرت اور یہ معلومات محمد کی نبوت کی مزید نشانیاں ثابت ہوئیں۔ آپ ﷺ یکتائے روزگار تھے۔ آپ ﷺ کی صفات اور آپ ﷺ کی فراست بے نظیر تھی اور اسکے ساتھ ہی آپ ﷺ نرم دل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نرم مزاج بھی انتہا درجہ کے تھے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اشک جاری ہوئے۔

شمال میں حالات اب بھی پر خطر اور کشیدہ تھے اور عرب قبائل یہ سوچ رہے تھے وہ موتہ میں مسلمانوں کی شکست سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ چند قبائل مدینہ کے خلاف حتمی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو افراد کو ارسال کرنے کا فیصلہ کیا، عمرو رضی اللہ عنہ بعض شمالی قبائل سے خاندانی عہد و پیمان رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حالات کا جائزہ لینے کو کہا اور ان سے کہا کہ حالات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کرتے رہیں۔ نیز یہ کہ جس قدر ممکن ہو تمام خاندانوں اور قبائل کے ساتھ اتحاد قائم کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید دو سو افراد پر مشتمل لشکر بھیجا کیونکہ حریف توقع سے زیادہ مضبوط معلوم پڑ رہا تھا، تاہم مسلم فوج شامی علاقوں میں کارروائی کرنے میں کامیاب رہی، اور اس قابل ہوگئی کہ موجودہ کے علاوہ نئے اتحادی حلیف بنائے۔ اور اس طرح یہ ممکن ہوگیا کہ اس محاذ کو محفوظ بنالیا جائے جواب تک ایک کمزور محاذ تھا۔

معاہدہ توڑ دیا گیا

جیسا کہ ذکر کیا گیا، کہ صلح حدیبیہ صرف مدینہ اور قریش کے ہی درمیان نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کے تمام حلیفوں اور اتحادیوں کو بھی شامل تھی۔ بنوخزاعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے جن کے ایک خاندان بنوکعب پر قریش کے حلیف بنوبکر نے رات میں دھوکہ سے حملہ کر دیا جس میں قریش کی بھی ملی بھگت تھی۔ بنوخزاعہ نے حرم مکہ میں اور کعبہ کے اندر پناہ لی تو وہاں بھی قریش کے تعاون سے بنوبکر نے ان کو قتل کیا اور مقام حرم کی بھی پروانہ کی۔ بنوکعب نے فوراً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے ایک سفیر کو اس غداری کی اطلاع دینے کے لیے بھیجا۔ یہ معاہدے کی خلاف ورزی تھی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس جرم کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حلیف بنوخزاعہ کی مدد کرنی ہی ہوگی۔

قریش نے حالات کی سنگینی کو بھانپ لیا تھا اور اپنے سب سے بااثر شخص کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تادیبی کارروائی پر عمل درآمد کرنے سے باز رکھے۔ حالانکہ، جب سے معاہدہ پر دستخط ہوئے تھے قریش لگاتار معاہدے کی شرائط اور حدود کی خلاف ورزی کرتے آرہے تھے۔ اور دوسرے قبائل کو مدینہ کے کمزور کرنے اور اس پر حملہ کرنے پر ابھارنے سے بھی گریز نہیں کر رہے تھے۔ مگر اب پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا اور کرنے کو تو قریش یہ جرم کر گزرے مگر مدینہ کی قوت سے خائف بھی تھے، اسی لیے خود قریش کے سربراہ ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفت وشنید کرنے مدینہ آئے۔ سب سے پہلے ابوسفیان نے اپنی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مدد حاصل کرنی چاہی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، مگر دونوں نے صاف انکار کر دیا اور مصالحت کی کوئی امید نظر نہیں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی۔ قریشی سردار ابوسفیان نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ اس صورت حال سے کیسے نپٹا جائے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی سمجھوتے سے انکار کر دیا اور ابوسفیان خالی ہاتھ مکہ لوٹ گیا۔ ان کوششوں نے خود بخود مکہ کی فتح کو یقینی بنا دیا۔

فتح مکہ

آنے والے ہفتوں میں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک مہم کے لیے تیار رہنے کو کہا مگر ہدف کو راز میں رکھا۔ صرف چند قریبی صحابہ اسکے بارے میں جانتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متعدد مختلف افواہیں پھیلانے کے لیے کہا۔ مثلاً یہ کہ مسلم فوج شام کی جانب پیش قدمی کرے گی، یا طائف کی جانب یا ہوازن کی طرف جائے گی، تا کہ تمام عرب میں ایک سنسنی سی پھیل جائے۔

پھر ایک دن مسجد میں نماز کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ وحی آئی کہ یہ راز افشا ہونے جا رہا ہے اور ایک عورت قریش کو مستقبل کے حملہ سے آگاہ کرنے کے لیے ایک خط لے کر روانہ ہو رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو رکوایا جو کہ مکہ کی جانب جا رہی تھی اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آدمیوں کو وہ خط دے دیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خط لکھنے والے صحابی کو معاف کر دیا جو کہ حاطب بن بلتعہ تھے حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں قتل کرنے کے در پے تھے۔ حاطب رضی اللہ عنہ مخلص

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحابی تھے مگر انہوں نے خاندانی محرکات سے مغلوب ہو کر یہ کام انجام دے دیا تھا، مگر ان کو کچھ نہیں کہا گیا اور آپ ﷺ نے جنگی تیاری پر ساری توجہ مرکوز رکھی۔ آپ ﷺ تمام اتحادی قبائل اور خاندانوں کے پاس سفیر بھیج رہے تھے تاکہ مسلمانوں کے ساتھ اس مہم میں شامل ہونے کے لیے تیاری کر سکیں جس کی سمت کے بارے میں ابھی کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔

ماہ رمضان میں مہم روانہ ہوئی اور سب سے پہلے محمد ﷺ نے مسلمانوں پر چھوڑ دیا کہ وہ روزے رکھیں یا نہ رکھے۔ مرالزہران تک آپ ﷺ نے خود روزے رکھے، جب وہاں خیمہ زن ہوئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے روزے بند کر دینے کو کہا کیونکہ ان کو طاقت کی ضرورت تھی۔

مرالزہران ایک چوطرفہ شاہراہ پر واقع تھا لہٰذا ان کی منزل مقصود مشرق کی جانب نجد بھی ہو سکتی تھی اور طائف یا مکہ بھی۔ حضرت عباس جنہوں نے مکہ چھوڑ کر مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، نے مسلمانوں کی اس مہم کے بارے میں سنا تو اس میں شامل ہو گئے۔ جب لشکر نے اپنے خیمے لگا لیے، تو آپ ﷺ نے ہر سپاہی کو آگ جلانے کا حکم دیا تاکہ دشمن کو متاثر کیا جا سکے۔ دس ہزار مشعلیں جل اٹھیں، یوں لگ رہا تھا کہ ایک بڑی فوج پیش قدمی کر رہی ہے۔ ہر پانچ سے دس سپاہیوں پر ایک مشعل متعین کی گئی تھی۔ قریش اور اسی طرح دیگر قبیلے جو مسلمانوں کے متوقع حملے سے خوف زدہ تھے انہوں نے محمد ﷺ کا ارادہ جاننے کے لیے اپنے ایک قاصد کو بھیجا۔

ابوسفیان عزت اور احترام کا خواہاں

ایک مرتبہ پھر قریش کی طرف سے ابوسفیان دو دوسرے قاصدوں حکیم اور بدیل کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر راضی کرنے آیا کہ آپ ﷺ مکہ پر حملہ نہ کریں۔ انہوں نے کافی دیر تک بحث و مباحثہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ محمد ﷺ کی منزل ابھی غیر متعین ہے۔ انہوں نے اسلامی لشکر کو غور سے دیکھا اور اسکے پرسکون ماحول کا جائزہ لیا۔ حکیم اور بدیل نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا جب کہ ابوسفیان نے صرف کلمہ کے پہلے جز ''لا الٰہ الا اللہ'' (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے) کی قبولیت کا اقرار کیا البتہ محمد ﷺ کی رسالت کے بارے میں ابھی بھی کچھ شک رکھتا تھا۔ کلمہ کے دوسرے جز ''محمد رسول اللہ'' (محمد اللہ کے رسول ہیں) کو کہنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے پہلے کچھ وقت چاہتا تھا۔ اس نے رات مسلمانوں کے کیمپ میں گزاری۔ اور نماز فجر کے بعد مسلمانوں کی جانثاری اور محمد ﷺ کے ساتھ ان کے فداکاری کو دیکھنے کے بعد اس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا کہ وہ مکمل کلمہ ادا کرلے گا۔

ابوسفیان کے ایمان لانے کی کہانی بلال رضی اللہ عنہ کی زبانی

حضرت بلال بیان فرماتے ہیں: ''میں نے جس وقت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں اور قریب ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بڑے ہاتھوں کو بند مٹھی کی شکل دے رہے ہیں اور دانت پیس رہے ہیں تو میں سمجھ گیا تھا کہ کوئی غیر معمولی بات ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو بیس برس پرانے دشمن پر نظر پڑی۔ مکہ میں ہمیں اذیت دینے والا اور ہماری جانوں کا دشمن ابوسفیان سامنے تھا جو ہمارے خیموں میں جلنے والی آگ کے پاس سے گزر رہا تھا اور ثابت قدمی وقار سے چل رہا تھا۔ وہی وقار اور خموشی جس سے ہم کبھی ڈرا کرتے تھے۔ وہ ہمارے قریب آکر رک گیا مگر ہم میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ پھر اس نے ہزاروں خیموں میں جلتی آگ پر نگاہ ڈالی جو آسمان سے گرے ہوئے ستاروں کا منظر پیش کر رہی تھی۔ اس نے حیرت واستعجاب سے کہا: ''محمد ﷺ کی بادشاہت بہت وسیع ہوگئی ہے''۔ میں اسے برداشت نہ کرسکا اور ابوسفیان کی اصلاح کے لیے کہا: ''محمد ﷺ پیغمبر ہیں بادشاہ نہیں''۔ ابوسفیان نے آہستہ سے سر کو جنبش دی، لگتا تھا وہ اپنے تصورات میں کھویا ہوا ہے۔ پھر اس نے میرا نام لیا: ''بلال'' (رضی اللہ عنہ)۔ اس کی آواز میں نرمی تھی۔ میں نے یادوں کی راکھ کو کریدا اور پھر ابوسفیان کے چہرے پر نظر ڈالی۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ میں نے اس پر اپنی نظروں سے وار کیا اور مڑ کر چلا گیا تھا۔ میں تیزی سے اس کے پاس سے گزر کر اس خیمہ میں پہنچا جہاں محمد

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ اس وقت نماز ادا کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ، ابوسفیان آیا ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ ہر ایک کے وقت کا انتخاب کرتا ہے''۔ پھر مجھے اشارہ فرمایا کہ ابوسفیان کو اندر لے آؤ۔ آنحضور ﷺ کے رخِ اقدس پر کسی فتح کا غرور نہ تھا، آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں چھپائی ہوئی تھیں، پھر فرمایا: ''یہ اللہ ہی جو اپنی طرف بلاتا ہے''۔ اس کے بعد لوگ خیمہ کے اندر آئے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے پھر ابوسفیان اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے تلوار میان سے لگا رکھی تھی۔ ابوسفیان نے کچھ شرائط طے کرنے کی ابتدا کی.......تاکہ صلح نامہ قائم رہے، اہل مکہ مسلمان فوج کو حج کرنے دیں وغیرہ.......مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے فرمایا: ''اب یہ ممکن نہیں رہا، مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں، وقت گزر چکا اب بہت تاخیر ہوگئی ہے''۔ کچھ دیر خموشی کے بعد گفتگو دوبارہ شروع ہوئی۔ آغاز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا: ''اے ابوسفیان کیا وہ دن نہیں آن پہنچا جب تم محمد ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرلو؟'' ابوسفیان نے اس چٹائی پر نگاہ ڈالی جس پر ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ نیم بند آنکھوں سے اس نے کہا: ''محمد ﷺ! میرے دل میں اب بھی شک موجود ہے''۔

پاس میں بیٹھے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے مزاج کے مطابق فیصلہ کن الفاظ میں بولے: ''اگر ہمیں تمہارا سر قلم کرنے کی اجازت ہوتی تو تمہارے سارے شبہات نکل گئے ہوتے''۔ میں نے کبھی بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بحث نہیں کی تھی مگر آج میں خاموش نہ رہ سکا۔ میں اٹھ کر قریب پہنچا اور اپنا ہاتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر رکھ کر کہا: ''دین میں کوئی جبر نہیں''۔ رسول اللہ مسکرا دیئے اور میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ بے حد خوش ہیں۔ ابوسفیان نے مجھے یوں گھورا جیسے اس نے پہلے کوئی سیاہ فام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انسان نہ دیکھا ہو۔ پھر ابوسفیان بولا: ''تم سیاہ فام غلام تو بڑی اچھی بات کہتے ہو''۔ اس کے بعد وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ یوں مخاطب ہوا: ''اگر میرے بت پرستش کے لائق ہوتے تو انہوں نے مجھے بہت پہلے بچا لیا ہوتا''! آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور انتظار میں رہے کہ اب ابوسفیان کیا کہتا ہے۔ تب ابوسفیان بلا جھجک اور واضح انداز میں بولا:

''میں بغیر کسی دباؤ کے، اپنی مرضی سے اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اے محمد اللہ کے رسول ہیں''۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ دل کی تبدیلی میں اب بھی کچھ کسر باقی رہ گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ وہ ابوسفیان کے ساتھ وادی کے کنارے تک جائیں جہاں سے ابوسفیان مسلم فوج کو مارچ کرتے ہوئے دیکھ سکے۔ جواب واضح طور پر مکہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ چیز بہت زیادہ اثر انداز ثابت ہوئی اور ابوسفیان بہت زیادہ متاثر ہوا۔ اس سے قبل حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سرگوشی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ ابوسفیان اعزاز کو پسند کرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا تھا کہ اس چیز کو نظر انداز نہ کریں۔ ایک بہترین ماہر نفسیات کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مشورہ کو نہیں بھولے اور یہ کہلا بھیجا کہ مکہ کا کوئی بھی شخص اگر ابوسفیان کی پناہ چاہے گا یا حرم کعبہ میں یا اپنے گھر میں رہے گا اس کو ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور وہ مامون رہے گا۔ مسلم فوج کے پہنچنے سے قبل ہی ابوسفیان جلدی سے مکہ کی طرف بھاگے۔ ابوسفیان مکہ پہنچے تو ان کے قبول اسلام کی بات سن کر ان کی بیوی ہندہ نے ان کو بزدل اور دیوانہ کہہ کر مضحکہ اڑایا، اور دیگر سرداران مکہ جیسے عکرمہ بن ابوجہل نے ان کی توہین کی۔ لیکن حقیقت پسند ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے سب کو یہ مشورہ دیا کہ وہ خود سپردگی کر دیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان فوج سے مزاحمت نہ کریں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو ایک حلیف میں تبدیل کر دیا تھا صرف اس لیے نہیں کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا بلکہ اس لیے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شخصیت اور کردار کا مشاہدہ کیا تھا۔ ابوسفیان اللہ پر پہلے ہی ایمان لے آیا تھا مگر رسول اللہ پر ایمان لانے میں ذرا ہچک ہو رہی تھی کہ اب تک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا سمجھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتا آیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سمجھ رہے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے جلدی نہیں کی اور اسے خود سے ہی مشاہدہ کرنے اور سمجھنے کی مہلت دی۔ آپ ﷺ اس چیز سے آگاہ تھے کہ وہ طاقت اور قوت سے مرعوب ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس چیز کا خیال رکھا اور اس کو اپنی فوج کا مشاہدہ بھی کروایا اور پھر ایک مخصوص رول بھی ابوسفیان کو دے دیا تاکہ قریش اور اسلام کے مابین نزاع کو باحسن وجہ ختم کیا جاسکے۔ اور بالآخر ابوسفیان نے خلوص دل سے اسلام قبول کرلیا۔

یہاں نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ اگرچہ محمد ﷺ نے عمومی طور پر اصولوں پر زور دیا تاہم آپ ﷺ نے بوقت ضرورت مخصوص افراد اور مخصوص اوصاف کو بھی اہمیت دی۔ آپ ﷺ کا مقصد اشاعت اسلام اور لوگوں کے دلوں کو بدلنا تھا۔ جس کے لیے آپ ﷺ نے فرد کی شخصیت کو بنانے والے کردار، انسانی جذبات اور خصوصی نفسیاتی عناصر کو نظر انداز نہیں کیا۔ قانون میں آپ ﷺ کا پیغام ہر ایک کے لیے اصول مساوات پر زور دیتا ہے مگر ایمان ویقین کے سلسلہ میں ہر فرد کی انفرادیت اور ہر شخص کی مخصوص نفسیات کا خیال آپ ﷺ ضرور رکھتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ مختلف افراد کی انفرادی خوبیوں اور امتیازی صفات پر نگاہ رکھتے تھے اور انہی کو سامنے رکھ کر لوگوں سے معاملہ کرتے تھے۔ چنانچہ سیرت وحدیث کے ذخیرہ میں آپ ﷺ کے بہت سے اقوال موجود ہیں کہ مختلف صحابیوں رضی اللہ عنہم کی نمایاں صفات اور مخصوص صلاحیتوں کو آپ ﷺ جانتے بھی تھے اور ان سے کام بھی لیتے تھے اور حکیمانہ تربیت کے ساتھ ان صفات اور مخصوص خصائل حمیدہ کی آپ ﷺ حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیسواں باب

فتح مبین

10 رمضان المبارک ۸ ہجری بمطابق جنوری 630ء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا۔ اس کو فتح مبین سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار کا عظیم الشان لشکر لیکر مکہ کی جانب کوچ کیا۔ جس میں تین ہزار مدنی مسلمان تھے اور راستے میں شامل ہونے والے دیگر عرب قبیلوں کے مسلمان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا تاکہ شہر کی گھیرا بندی کی جائے اور شہر کے بیچ میں ایک ساتھ جمع ہو سکیں۔ سہیل، عکرمہ اور صفوان کی قیادت میں مکیوں کے کچھ جتھے پہاڑیوں پر چلے گئے تھے مگر پہلی جھڑپ کے بعد انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ مزاحمت بے فائدہ ہے۔ سہیل نے اپنے گھر میں پناہ لی جب کہ عکرمہ اور صفوان بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ آج کے دن کوئی بھی جنگ یا لڑائی نہیں ہوگی، اور اس دن کو "رحمت کا دن" قرار دیا۔

۸ سال قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ طور پر مکہ کو الوداع کہا تھا۔ اور اب آپ فتح مندی و کامرانی کے ساتھ دن کی روشنی میں مکہ میں داخل ہو رہے تھے۔ مگر اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدائے واحد کی شکر گزاری میں خود کو انکساری کے ساتھ پیش کر رہے تھے اور سورہ فتح کی آیات تلاوت فرما رہے تھے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ① لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن
ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا
مُّسْتَقِيمًا ② وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ③ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ
السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۴

بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے تا کہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور تجھ پر اپنا احسان پورا کرے اور تجھے سیدھی راہ چلائے اور آپ کو ایک زبردست مدد دے۔ وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون ڈال دیا تا کہ اپنے ایمان کے ساتھ ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں۔ اور آسمان و زمین کے لشکر اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ دانا و باحکمت ہے۔ [1]

رحمت کا دن

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت عاجزانہ اور خشوع وخضوع کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے سابقہ دشمنوں کے ساتھ ہمدردی اور رحم دلی کا اظہار کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آرام کرنے سے پہلے طویل وضو کیا اور آٹھ رکعت نفلی نمازیں ادا کیں۔ بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کے خانہ کعبہ کی جانب روانہ ہوئے اور کعبہ کے سات بار چکر لگائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عصائے مبارک سے تمام مورتیوں کو ہٹاتے جاتے اور قرآن کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرما رہے تھے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱

اور اعلان کر دو کہ حق آچکا اور باطل نابود ہو گیا۔ یقیناً باطل نابود ہونے والا تھا۔ [2]

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس خانہ کعبہ کی کنجیاں لائی گئیں اور تمام بتوں اور مجسموں کو ہٹا دیا گیا تا کہ بیت اللہ کو اس کی روح واپس لوٹا دی جائے، جو کہ الٰہ واحد کی عبادت کے لیے بنایا گیا تھا۔

[1] الفتح: 1-4

[2] الاسراء: 81

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور بعد میں اس کے اندر بت اور اصنام رکھ دیے گئے تھے۔

حالانکہ آپ ﷺ نے پوری زندگی مذہبی رواداری کا مظاہرہ کیا مگر آپ ﷺ نے کعبہ سے بتوں کو باہر نکالا اور ان کو توڑا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ کعبہ تو دراصل مسجد تھی اور اللہ واحد کی عبادت کے لیے اس کو بنایا گیا تھا مگر صدیوں سے اس کو بت خانہ کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ اس عمل کے ذریعہ محمد ﷺ نے کعبہ کو پھر سے ایک حقیقی مسجد میں تبدیل کر دیا کہ اب سے صرف الٰہ واحد کی عبادت ہی ہوگی۔ جیسا کہ خدائے واحد کی عبادت کے لیے آپ ﷺ نے اور مسجدیں بھی تعمیر کیں۔

اہل قریش آہستہ آہستہ اپنے گھروں سے نکل رہے تھے اور حرم شریف کے گرد اکٹھا ہو رہے تھے۔ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کے بعد آپ ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اللہ نے اپنے وعدے کو سچ کر دکھایا اپنے بندے کی حمایت کی اور اپنے دشمنوں کی جڑ اکھاڑ دی۔ اور اس نے یہ (کام اکیلے انجام) دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ قریش کی جانب متوجہ ہوئے اور اسلام کے احکام بتائے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿١٣﴾

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو کنبوں اور قبیلیوں میں بنا دیا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔[1]

جاؤ تم سب آزاد ہو

رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے گذشتہ بیس سالوں میں ان کے ناروا

[1] الحجرات:13

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نازیبا سلوک کو یاد دلایا اور یہ دریافت کیا کہ وہ کیا امید رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "کیا خیال ہے، میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کروں گا؟"۔ لوگوں نے جواب دیا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیک بھائی ہیں اور نیک بھائی کے بیٹے ہیں" یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحم وکرم کا معاملہ کریں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اعلان کیا:

لاتثریب علیکم الیوم، اذھبوا وانتم الطلقاء

"جاؤ، تم سب آزاد ہو آج تم سے کوئی مؤاخذہ نہیں"

یہ کہہ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مردوں اور عورتوں کی معافی کا اعلان کر دیا۔ اس موقع سے آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی جو حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو بیان کرتی ہے جس میں یوسف علیہ السلام نے اپنے ان بھائیوں کو یکجا کیا تھا جو کبھی ان کو ہی قتل کرنا چاہتے تھے۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

(یوسف نے) کہا کہ آج کے دن سے تم پر کچھ عتاب (وملامت) نہیں ہے۔ خدا تم کو معاف کرے۔ اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ [1]

عتاب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اہل ایمان کو نماز کے لیے اذان دینے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت دشمن عتاب بن اسید نے جب اذان سنی تو پاس میں بیٹھے اپنے دوست حارث کے کان میں دھیرے سے کہا کہ "اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو اس کو اس "کالے خچر" کے اللہ کے گھر کے اوپر رینگنے سے بڑی تکلیف ہوتی۔"

وہی شخص جو کچھ لمحہ پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گالی دے رہا تھا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان کو سننے کے بعد اچانک کھڑا ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آیا۔ یہ کہتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوا کہ "میں اسید کا بیٹا عتاب ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور دشمن۔ میں اعلان کرتا ہوں

[1] یوسف:92

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں۔"

عام معافی کے اعلان نے فوری اثر کیا۔ صرف عتاب ہی نہیں بلکہ مکہ کی تمام آبادی راتوں رات سایہ اسلام میں داخل ہوگئی۔ رسول اللہ کے دشمن عتاب نے جب قبول اسلام کا اعلان کیا، محمد ﷺ نے اسے مکہ کا والی بنادیا اور یومیہ ایک درہم اس کی تنخواہ مقرر کردی۔

وحشی

جس نے محمد ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، اس کو بھی معاف کردیا مگر اس سے فرمایا کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے آنے سے احتراز کرے "تم میرے سامنے مت آنا کیونکہ تم میرے چچا کی یاد تازہ کردیتے ہو۔"

صفوان

سردار مکہ اور اسلام کا جانی دشمن، جس نے عمیر کو انعام کا لالچ دلا کر محمد ﷺ کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا اس دن جدہ بھاگ نکلا اور بحری راستے سے یمن جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ عمیر محمد ﷺ کے پاس آئے اور یہ گزارش کی کہ "یارسول اللہ! صفوان اپنے قبیلے کا سردار ہے اور آپ ﷺ کے خوف سے بھاگ گیا ہے اور سمندر میں خود کو پھینک سکتا ہے۔" یہ جاننے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا "اس کو امان دی جاتی ہے۔" عمیر نے کہا "یارسول اللہ! آپ ﷺ مجھے امان کی کچھ علامت دے دیں جس سے وہ میرا یقین کرلے۔" آپ ﷺ نے اپنی دستار مبارک ان کو دے دی جسے اس نے صفوان کو دکھایا۔ صفوان نے کہا کہ واپس جاتے ہوئے خوف محسوس ہورہا ہے۔ تو عمیر نے جواب دیا "صفوان، اب تک تم محمد ﷺ کی درگزر، عظمت اور انکساری سے ناواقف ہو۔" یہ سننے کے بعد، صفوان محمد ﷺ کے پاس آیا اور کہا "عمیر کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے امان دی ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "یہ حقیقت ہے" صفوان نے کہا مجھے سوچنے کے لیے دو مہینے کی مہلت دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "صرف دو نہیں جاؤ تمہیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہبار بن اسود

اسلام کا سخت دشمن جس نے آپ ﷺ کی دختر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو سخت چوٹ پہنچائی تھی۔ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا حمل کی حالت میں مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھیں، تو اس نے دیدہ دانستہ ان کو اونٹ سے گرا دیا۔ ان کو بہت زیادہ تکلیف ہوئی اور حمل ساقط ہو گیا۔ یہ آپ ﷺ کی حد درجہ عفو و مہربانی سے بہت متاثر ہوا اور آ کر کہنے لگا "یا رسول اللہ! میں پہلے فارس بھاگنے کا خیال کر رہا تھا۔ مگر آپ ﷺ کی رحمدلی اور عام معافی کے احسان کے نیچے دبا جا رہا ہوں۔ میں اپنی جہالت اور جرم کا اعتراف کرتا ہوں، میں اسلام میں داخل ہونے کے لیے آیا ہوں۔ رحم کے جذبات اچانک ہر چیز پر غالب آ گئے۔"

ابوسفیان

جنگ بدر سے اب تک ابوسفیان کا کردار ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ تمام خونریزیوں اور جنگوں کی قیادت، ان کی تنظیم اور محمد ﷺ کے خلاف لڑائیاں، مگر فتح مکہ کے دن، جب اسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس لے کر آئے تو آپ ﷺ نے اس سے محبت اور نرمی سے گفتگو کی۔ گذشتہ جرائم کی پاداش میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے قتل کے درپے تھے مگر آپ ﷺ نے معاف کر دیا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف ابوسفیان کو معاف کر دیا بلکہ اس کے گھر کو یہ کہتے ہوئے امان کا گھر بتایا "جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو وہ محفوظ ہے اور اس کے جرم کو درگزر کیا گیا۔"

ہند

ہند ابوسفیان کی بیوی تھیں، ان کی اسلام سے نفرت اور دشمنی اتنی شدید تھی کہ غزوہ احد میں اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ وہ آپ ﷺ کے سامنے آئی اور آپ ﷺ سے معافی کی خواستگار ہوئی اور اسلام قبول کر لیا۔ ہند نے اسلام قبول کر کے اپنے گھر کی راہ لی اور گھر میں رکھے سارے بتوں کو ایک ایک کر کے اور یہ کہتے ہوئے توڑ دیا کہ "حقیقت میں تمہیں نے ہم کو گمراہ کر رکھا تھا"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عکرمہ

اسلام کا سخت خطرناک دشمن عکرمہ فتح مکہ کے دن یمن بھاگ گیا۔ اس کی بیوی مشرف بہ اسلام ہوئی اور یمن جا کر اپنے شوہر کو واپس لائی اور حضور ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئی۔ جب محمد ﷺ نے عکرمہ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''ابوجہل کا بیٹا عکرمہ تمہارے پاس اسلام قبول کرنے آ رہا ہے۔ اس کے والد کی توہین مت کرنا، کیونکہ مردے کی توہین سے زندہ کو تکلیف پہنچتی ہے مردہ کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔''

جب عکرمہ آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں تو ان کو آتا دیکھ کر آپ ﷺ جوش و مسرت سے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس تیزی سے ان کی جانب بڑھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی چادر مبارک آپ ﷺ کے شانوں سے گر جاتی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اے تارک وطن شہسوار! تمہاری واپسی مبارک ہو''۔ عکرمہ اب تک اسلام کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ ان کا باپ ابوجہل اسلام اور محسن انسانیت کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ مگر ایسے دشمن کا اتنی گرم جوشی کے ساتھ استقبال اور اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا سلوک اتنی دریا دلی، اتنی فیاضی اور اتنی رحمت کا تھا کہ صرف آپ ﷺ ہی یہ کر سکتے تھے۔ اللہ! اللہ! یہ اعلی ظرفی یہ کشادہ دلی کیا اب بھی عکرمہ محمد ﷺ کی رحمت للعالمینی کے قائل نہ ہوتے اور اپنے آپ کو محمد ﷺ کی غلامی میں نہ دیتے!

محمد ﷺ نے اپنے صحابہ کو نہ صرف معافی کی تعلیم دی بلکہ یہ بھی یاد دہانی کرائی کہ کسی کو دوسرے کی غلطیوں کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا خواہ وہ اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو، آیت قرآنی کے مطابق:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ط

کوئی کسی دوسرے کا بوجھ اپنے سر نہیں لادے گا۔ [1]

قرآن نے پہلے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر ان ستائے گئے لوگوں کو فتح مل جائے تو وہ انسانی

[1] اسرا:15

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عزت واحترام کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝41

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ اعلیٰ ظرفی کی ایک زندہ و جاوید مثال تھے۔ آپ ﷺ نے انتقام، دولت یا قوت میں کبھی دلچسپی اور رغبت ظاہر نہیں کی۔ آپ ﷺ انتہائی انکساری کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، نماز ادا کی اور حرم کعبہ میں خود کو منکسر المزاج رکھا، اور الہ واحد کے شکرانہ اور اس پر ایمان کامل کو ظاہر کرتے ہوئے مختلف دعائیں مانگیں اور شہر مکہ میں امن وامان قائم کیا۔

مستقبل کی اسلامی قیادت کے لیے دلوں کی تبدیلی

دنیا کا دستور ہے کہ فاتح مفتوحین کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا کرتے ہیں۔ محمد ﷺ مکہ میں ایک فاتح کی صورت سے واپس آئے تھے آپ ﷺ بھی ایسا کر سکتے تھے۔ اور اگر ایسا کرتے تو کچھ غلط نہ ہوتا مگر آپ ﷺ نے دلوں کو فتح کیا اور آپ ﷺ کی اس سخاوت و درگزر نے آپ ﷺ کے متشدد مخالفین تک کو حیرانی میں ڈال دیا تھا۔ حالانکہ ان میں سے بہت سوں نے آپ ﷺ کی بے عزتی کی تھی۔ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ سے نکال دیا تھا آپ ﷺ کی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جائیدادیں تک ہڑپ کر لی تھیں۔ اور دو دہائیوں تک آپ ﷺ کے خلاف جنگ کی تھی، حتیٰ کہ آپ ﷺ کے خاندان والوں اور آپ ﷺ کے عزیزوں کو قتل کیا تھا، لیکن ماضی کو نظر انداز کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ان سب کی جان بخشی کر دی۔ یہاں تک کہ جو زمینیں انہوں نے آپ ﷺ کی اور مہاجرین کی غصب کر لی

[1] الحج:41

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھیں وہ بھی واپس نہیں لیں۔ مزید یہ کہ آپ ﷺ نے قریش کے عہدے داروں سے ان کے عہدے اور مناصب بھی نہیں چھینے بلکہ ان پران کو برقرار رکھا۔ اگر آپ ﷺ چاہتے تو تمام اہل مکہ کو قتل کرا سکتے تھے اور اہل مکہ اسکے سزاوار بھی تھے۔ آپ ﷺ کے پاس فوج تھی اور آپ ﷺ نے مکہ فتح کیا تھا۔ آپ ﷺ اہل مکہ کی جائیدادوں کو ضبط کرنے کا حکم دے سکتے تھے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کی جائیدادیں لوٹی تھیں۔ آپ ﷺ یہ حکم دے سکتے تھے کہ ان سب کو غلام بنالیا جائے۔ اس طرح کے احکام صادر کرنا ممکن تھا اور جائز تھا اور اہل مکہ اسکے مستحق بھی تھے۔ مگر اللہ کے آخری رسول اللہ ﷺ نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا:

> آج کے دن تم پر کوئی لعنت و ملامت نہیں ہے، آج کوئی بدلہ نہیں ہے، تم سب آزاد ہو۔

آپ ﷺ جانتے تھے کہ امن وامان قائم کرنے سے اور مفتوح قریش سے اچھا سلوک کرنے سے آگے چل کر اسلام کو زبردست فائدے حاصل ہوں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ نہایت دانشمندانہ اور فیاضانہ برتاؤ کیا اور ان کے دل جیت لیے۔

اصل میں قریش ایک لمبے عرصے سے مکہ اور کعبۃ اللہ کے نگہبان ہونے کے باعث پورے عرب کے لیڈر تھے۔ وہ قیادت کرنا، حکم دینا اور حکم منوانا جانتے تھے۔ ان کے اندر اعلیٰ انسانی صفات موجود تھیں۔ ان میں اعلیٰ دماغی اور عقلی صلاحیتیں تھیں جو ان کو عرب کا قائد بنائے ہوئے تھیں۔ آپ ﷺ ان کی ان اعلیٰ صفات اور قابلیتوں اور صلاحیتوں کو اسلام کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا:

> الناس معادن خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام

(لوگ کان کی مانند ہیں، جو جاہلیت کے زمانہ میں صفات، صلاحیتوں اور اخلاق میں اچھے ہوں گے وہ اسلام میں بھی بڑے اور اعلیٰ معیار کے ہوں گے)

قریش مکہ ایک لمبے عرصہ تک بہادری کے ساتھ اسلام سے لڑتے رہے اور اب جب زیر ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گئے تو توقع تھی کہ یہی اخلاص وہ اسلام کے لیے بھی دکھائیں گے اور اس کی بہترین خدمت کر سکیں گے۔ کیونکہ تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ ہی اسلام کو بھی اعلیٰ عقلی صلاحیتوں اور ذہنی قابلیتوں کی ضرورت ہے۔ زمانہ نے آپ ﷺ کے اس قول کو حرف بحرف صحیح ثابت کیا اور قریش کی صفوں سے اسلام کو مستقبل کی اسلامی قیادت حاصل ہوئی۔

خدایا! میں بری ہوں

مکہ کی عظیم الشان فتح کے بعد آپ ﷺ نے ۱۹ دنوں تک مکہ میں قیام کیا، حالات میں ٹھہراؤ آنا شروع ہو گیا تھا۔ مدینہ واپسی سے قبل آپ ﷺ نے اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کچھ فوجی دستے روانہ کیے کہ ان نزدیکی قبائل سے آپ ﷺ کا اتحاد مضبوط رہے اور جنہوں نے قبولِ اسلام کا دعویٰ کیا تھا ان کے بارے میں پتہ چل جائے کہ انہوں نے بتوں کی عبادت چھوڑ دی یا نہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ایسی ہی ایک مہم میں بنو جذیمہ بھیجا گیا، جنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے مگر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رائے کے برخلاف خالد رضی اللہ عنہ نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا جن کے تعلق سے انہوں نے خاص ناراضگی پیدا کر لی تھی۔ جب حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ ان کا یہ رویہ اور حرکت اللہ تعالیٰ اور عدل میں یقین کی بجائے کسی دوسرے ارادے کے باعث ہے، تو وہ باقیوں کو قتل کرنے سے رک گئے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اس برتاؤ کو سن کر رسول اللہ ﷺ بہت غضبناک ہوئے اور تمام مقتولین کے خون بہا کی ادائیگی کا فیصلہ کیا۔ آپ ﷺ بآوازِ بلند یہ کہتے جا رہے تھے:

''خدایا! خالد کی حرکت سے میں بری ہوں۔''

آپ ﷺ نے یہ واضح کر دیا کہ اگر کوئی فرد، یا جماعت یا حکومت مذہب کے نام پر انسانی زندگی کو کوئی تکلیف پہنچاتی ہے بشمول بے گناہوں کے قتلِ عام کے، یا دہشت گردی کو پھیلانے کے اور پھر رسول اللہ ﷺ سے انہیں جوڑتی ہے تو یہ سرگرمیاں اسلام کو نقصان پہنچاتی ہیں اور انہیں اسلامی نہیں سمجھا جائے گا۔

اصل میں رسول اللہ ﷺ اس لیے ناراض ہوئے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک غلط نظیر قائم ہوتی تھی اور آپ ﷺ کی صاف صاف نکیر نے واضح کر دیا کہ عہدہ کا غلط استعمال جائز نہیں۔ اسی طرح اسلام کے نام پر ذاتی دشمنی نکالنا بھی ایک غلط عمل ہے۔ اس میں مسلم قیادت، مسلمان علما اور معاشرہ کے ذمہ داروں سب کے لیے سبق ہے کہ وہ جلد بازی میں کوئی قدم نہ اٹھائیں، کسی کے دین و ایمان کا فیصلہ جلد بازی میں نہ کریں اور اسلام و کفر کے فتوے روا روی میں نہ بانٹیں بلکہ یہ معاملہ نہایت نازک اور حساس ہے اور اسوۂ نبوی سے استفادہ کرتے ہوئے اس میں نہایت تحمل، غور وفکر اور برداشت اور تامل کی ضرورت ہے۔ اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ معاشرہ کے یہ اعلیٰ اور ذمہ دار لوگ خودرائی کو اختیار نہ کریں اور صرف اپنی رائے اور اپنے فیصلہ کو کافی سمجھ کر کوئی قدم نہ اٹھادیں بلکہ زیادہ سے زیادہ غور وفکر کریں اور اجتماعی فیصلہ کریں۔

مدنی اور مکی مسلمانوں کی قلبی اور روحانی تعلیم کا راستہ ابھی بھی کافی وقت چاہتا تھا۔ جڑ پکڑ چکی عادات اور قدیم احساسات کبھی کبھار ایسے برتاؤ اور اعمال کی صورت میں ظاہر ہو جایا کرتے تھے جو اسلامی اصول کے مخالف تھے۔ مزید برآں، اسلام میں داخل ہونے والی اہل مکہ کی کثیر تعداد مذہبی تعلیم میں اضافی کاوشوں کی ضرورت مند تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے اس کام کو فوقیت دینے کے لیے کہا کہ نومسلموں کو تعلیم دی جائے اور ان کو نئے دین کے اصول سکھائے جائیں۔ عقیدہ کی پختگی ان کے دلوں میں بٹھادی جائے اور عزت و احترام کے ساتھ ان کو مسلم معاشرہ میں جذب کر لیا جائے۔ آپ ﷺ اس مقام پر واپس آ چکے تھے جہاں سے آپ ﷺ کے مشن کا آغاز ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ظلم اور ایذا رسانی برداشت کی، جلاوطن کیے گئے پھر جنگ وجدال سے گزرے اور ایک عظیم الشان فتح کے ساتھ دارامن کو دوبارہ لوٹ آئے تھے۔

جسمانی زندگی سے کہیں زیادہ، یہ دلوں اور احساسات کا سفر تھا جو اس عظیم جہاد کے مرحلہ سے گزرا جو لوگوں کو جذبات کی فطری کشمکش سے نکال کر روحانی تعلیمات کے سایۂ عافیت میں لے آیا۔ مکہ چھوڑے آپ ﷺ کو کافی مدت بیت چکی تھی، آپ ﷺ کے اور خود مکہ کے حالات بہت حد تک بدل چکے تھے مگر جن اصولوں کے لیے آپ ﷺ نے مکہ کو خیر باد کہا تھا، آج بھی وہ اصول باقی تھے اور اب عرب میں ان اصولوں کی جیت ہو چکی تھی۔

جب آپ ﷺ نے مکہ چھوڑا تو معبود حقیقی سے پراعتمادی کے ساتھ یہ دعا کی تھی کہ آپ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضرور بہ ضرور بیت اللہ میں نماز ادا کرنے کے لیے دوبارہ واپس آئیں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور انسان اپنی زندگی کے سفر کا آغاز کرتے ہوئے مکہ کو الوداع کہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بخوبی واقف تھے کہ الٰہی مدد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقیناً اپنے اصل وطن اور اپنے مرکز واپس آئیں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کے قریب تھا اور جس کے در و دیوار اور گلیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے حد پیار تھا۔

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اکیسواں باب

حنین کا معرکہ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ محسوس کیا کہ مسلم معاشرے کو ابھی بھی بہت سے خطرات کا سامنا ہے۔ بہت سے قبائل نے اب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو تسلیم نہیں کیا ہے، اور بعض اب بھی سرکشی پر تلے ہوئے تھے۔ برابر خبریں مل رہی تھیں کہ قبیلہ ہوازن اور اس کے دیگر اتحادیوں کے بیس ہزار سے زائد فوجی مکہ کے مشرقی علاقہ میں اکٹھا ہو کر مسلمانوں پر حملہ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخبروں نے ان خبروں کی تصدیق کر دی۔ مسلمانوں کو جلد از جلد خود کو تیار کر لینا ضروری ہو چکا تھا۔ مدینہ سے آنے والے تمام مسلمان یکجا ہونا شروع ہو گئے اور جس میں قریش کے دو ہزار افراد بھی شامل تھے۔ اہل مکہ کی اکثریت نے جلد ہی اسلام قبول کیا تھا، مگر سہیل یا صفوان جیسے دوسرے چند لوگ جو ابھی تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے، انہوں نے بھی مسلم فوج کے ساتھ جنگ میں حصہ لیا۔

جنگ حنین، جس میں قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف شامل تھے، 9 ہجری بمطابق 630 عیسوی کو مکہ سے 61 کلومیٹر پر مقام حنین میں لڑی گئی۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 12 ہزار کا عظیم الشان لشکر لے کر روانہ ہوئے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں اب تک کا سب سے بڑا لشکر تھا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تعداد اور ممکنہ فتح پر خود اعتمادی اور فخر کا اظہار کیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔

ہوازن کی فوج نوجوان سپہ سالار مالک بن عوف کی زیر قیادت تھی جس کو جزیرۂ عرب میں بڑی شہرت حاصل تھی۔ اس نے اپنے فوجیوں کو اپنے بچے اور بیویوں کو بھی ساتھ رکھنے کا حکم دیا تا کہ اپنی تعداد سے دشمنوں پر رعب ڈالا جائے اور فوج کو جوش دلانے میں معاون ثابت ہو۔ وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مکہ سے 81 کلومیٹر پر وادی حنین پر پہنچا جس کا ایک راستہ طائف کی جانب جاتا تھا جس سے مکہ سے آنے والے مسلمان ضرور گزرتے۔ اس نے وادی کی دوسری جانب واقع کھائیوں میں بڑی تعداد میں اپنے فوجیوں کو تعینات کر دیا۔ یہ لشکر وادی میں چھپ گیا۔ پھر اس نے بقیہ لشکر کو تنگ کھائیوں کے مقابل تعینات کر دیا تا کہ وہ نیچے سے آنے والی اسلامی فوج کا مقابلہ کر سکیں۔ علی الصبح مسلم لشکر پیش قدمی کر رہا تھا کہ اچانک مالک نے کھائیوں میں چھپے ہوئے فوجیوں کو دونوں جانب سے محمد ﷺ کے لشکر پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جو کہ مقدمہ میں تھے، اس اچانک ہوئے حملہ سے حیرت زدہ رہ گئے اور لشکر کی باگ ڈور نہ سنبھال سکے نتیجتاً بھگدڑ کا ہونا لازمی تھا۔ مسلم جانباز خود کی حفاظت کی کوشش کر رہے تھے اور پس و پیش میں پیچھے ہٹ رہے تھے۔ وادی کے تنگ حصے میں پھنسی مسلم فوج تیزی سے خوف زدہ و سراسیمہ ہو رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ جو کہ کچھ دور ایک کھلے حصے میں تھے ان سب حالات کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فوراً اپنے قریبی صحابہ کو آواز دی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ لوگوں کو آواز لگوائی، کیونکہ ان کی آواز آپ ﷺ کی آواز سے زیادہ اونچی تھی۔ دونوں نے آواز لگائی ''اے درخت کے اصحاب، اور ببول کے ساتھیو!'' اس آواز نے فوجیوں کو صلح حدیبیہ کے وقت ہوئی بیعت اطاعت کو یاد دلا دیا۔ کچھ دیر کے بعد آہستہ آہستہ یہ واضح ہونے لگا کہ کیا ہو رہا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی آواز کا جواب ''لبیک! لبیک'' کے ساتھ دیا۔ جوق در جوق مسلم جانثار آپ ﷺ سے جڑتے گئے اور آپ ﷺ نے جوابی حملہ کے لیے انہیں منظم کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ پتھر منگوائے، جیسا کہ آپ ﷺ نے جنگ بدر میں کیا تھا، اور یہ دعا پڑھتے ہوئے ہوازن کی جانب پھینکے ''اے اللہ! میں تجھے اپنا وعدہ رکھنے کا سوال کرتا ہوں۔'' اب مسلم فوج ایسے جوش و جذبہ کے ساتھ دوبارہ حملہ آور ہوئی کہ مالک کی فوج کے اوسان خطا ہو گئے۔ انہیں ایسے منظم جوابی حملہ کی توقع نہیں تھی۔ مسلمانوں کے درمیان ایک صحابیہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو اپنے شوہر کے ساتھ شریک جنگ تھیں اور سب کا جوش و خروش بڑھا رہی تھیں۔ اب پیچھے ہٹنے اور بھاگ کھڑے ہونے کی باری دشمنوں کی تھی۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ مالک نے بنو ثقیف کے ساتھ شہر طائف میں پناہ لی جب کہ دوسرے فوجی پہاڑوں میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روپوش ہو گئے۔ان کے کافی فوجی میدان میں کام آئے۔مسلمانوں کو شروع میں زک پہنچانے کے بعد بالکل غیر متوقع طور پر ان کو زبردست شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔بعد میں وحی نے اہل ایمان کو اس جنگ کے واقعاتی، جذباتی اور روحانی پہلو سے روشناس کرایا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾

یقیناً اللہ نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا،لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیا بلکہ زمین باوجود کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی تو تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔پھر اللہ نے اپنی طرف سے سکون واطمینان اپنے نبی پر اور مومنین پر اتارا اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی۔ان کفار کا یہی بدلہ تھا۔ [1]

مال غنیمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی تک ہوازن کی گرفتار شدہ خواتین اور بچوں کو ایک کشادہ اور سایہ دار جگہ میں رکھا گیا اور مناسب طریقے سے انہیں کھانا بھی دیا گیا۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے اور اکثر گرفتار شدگان کو نیم برہنہ اور کم کپڑوں میں دیکھا تو مال غنیمت سے حاصل دولت سے ہر ایک قیدی کے لیے بازار سے لباس اور کپڑے خریدنے کا حکم دیا۔تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے طور پر حاصل چالیس ہزار اونس چاندی، ۲۴ ہزار اونٹ اور ۴۰ ہزار بکریوں کو تقسیم

[1] التوبہ:25-26

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے کا فیصلہ لیا۔ مگر آپ ﷺ نے یہ سوچ کر ان ۶ ہزار قیدیوں کو ہاتھ نہیں لگایا جو بطور جنگی قیدی ہاتھ آئے تھے، کہ اہل ہوازن یقیناً اپنے لوگوں کی رہائی کے لیے وفد بھیجیں گے۔

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

ہتھیار ڈالنے کے بعد سات دن گزر چکے تھے، مگر ہوازن اپنی عورتوں اور بچوں کی خیر خیریت لینے ابھی تک نہیں آئے تھے۔ یہ سوچتے ہوئے کہ اب وہ نہیں آئیں گے، آپ ﷺ نے جنگی قیدیوں کو قریش اور انصار میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ ﷺ نے ابھی تقسیم ختم ہی کی تھی کہ ہوازن کے قبیلے کا ایک وفد آ پہنچا۔ آپ ﷺ نے انہیں بتایا کہ ان کا کافی انتظار کیا گیا مگر ان کے نہ آنے کی صورت میں جنگی قیدیوں کی تقسیم وقوع پذیر ہو چکی ہے۔ آپ ﷺ نے یہ کہا کہ وہ لوگوں سے درخواست کر سکتے ہیں اور مسلمانوں سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو قیدیوں کو واپس کر دیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تمام قیدی واپس کر دیئے۔ وفد کی روانگی سے قبل، آپ ﷺ نے ان کے سربراہ مالک کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس نے طائف میں بنوثقیف کے یہاں پناہ لے رکھی ہے۔ محمد ﷺ نے ان کے ذریعہ مالک کو یہ پیغام پہنچایا کہ اگر مالک آپ ﷺ کے پاس مشرف بہ اسلام ہو کر آئے تو وہ اسے اس کے اہل وعیال اور اس کے اسباب اور ساتھ ہی ساتھ اس کے 100 اونٹ بھی واپس کر دیں گے۔ یہ یوں ہوا کہ جنگ حنین میں اس کے مقابل آنے پر آپ ﷺ مالک کے دلی حالات کا اندازہ لگا چکے تھے۔ اور جب مالک نے رسول اللہ ﷺ کی اس پیشکش کو سنا تو رات کو ہی طائف کے قلعے سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور فوراً ہی ایمان کا اعلان کیا۔ اس نے صرف اسی لیے اسلام قبول کیا کیونکہ آپ ﷺ نے اس پر اعتماد فرمایا۔ آپ ﷺ نے اسے اہل ہوازن جو کہ مسلمان ہو چکے تھے، کا قائد بنا کر طائف بھیجا اور یہ حکم دیا کہ وہ ان کی مزاحمت کی مکمل بیخ کنی کر دے۔ ہوازن نے فوراً ہی پیش قدمی کی۔ مالک، جو کہ چند دنوں پہلے جیش محمدی کو تہہ و بالا کرنے کے ارادہ بنا رہا تھا اب مسلمان ہو گیا تھا اور اپنے سابقہ اتحادیوں کی بیخ کنی کے مقصد سے ایک مسلم مہم کی قیادت کر رہا تھا۔ اس پر محمد ﷺ کا یہ اعتماد ناقابل یقین تھا، مگر آئندہ چند دنوں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سالوں میں اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دانشمندی کو صحیح ثابت کر دیا: مالک نے نہ صرف اس مہم کو بحسن خوبی انجام دیا بلکہ دعویٰ اسلام میں دیانتدار اور ایمان اور گہری عقیدت کے حامل رہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالِ غنیمت کی تقسیم شروع کی تو انصار (مسلمانانِ مدینہ) کو بڑی حیرت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مالِ غنیمت کا ایک خصوصی حصہ قریش خصوصاً ابوسفیان اور حکیم (ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے، جنہوں نے جلد ہی اسلام قبول کیا تھا) کو دے رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل اور صفوان کو بھی مال عنایت فرمایا جنہوں نے جنگ حنین میں مسلمانوں کی طرف سے شرکت کی مگر قبول اسلام میں اب تک ہچکچا رہے تھے۔ وحی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مالِ غنیمت کا ایک حصہ اپنے لیے علیحدہ کرنے کا حکم دیا:

یہ داد و دہش تبدیلیٔ مذہب کا کوئی وسیلہ نہیں ہے بلکہ مادی تحائف کے ذریعہ، اس عقیدے کو مضبوط کرنا مقصود ہوتا ہے جو پہلے ہی سے دل میں جگہ تو پکڑ چکا تھا مگر ابھی کچھ کمزور تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ صفوان اور سہیل ایمان کے تئیں حساس ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ نہایت جواں مردی سے جنگ کی ہے، لہٰذا انہیں بڑی مقدار میں مالِ غنیمت عنایت کیا اور فوراً تبدیلیٔ مذہب کو ضروری نہیں سمجھا۔ فتح مکہ کے وقت ان کے رویوں کو نظر انداز کیا، پھر دورانِ جنگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حوصلہ افزائی اور ثابت قدمی اور اخیر میں جنگ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جود و سخا نے انہیں راضی کر دیا کہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی اور رسول ہیں۔ یہی رویہ ابوسفیان کے بارے میں بھی اپنایا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ ابوسفیان کا سماج میں اہم مرتبہ اور وقار ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس مقام کو برقرار رکھا تھا۔

البتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ چیز لائق توجہ تھی کہ مالِ غنیمت میں اپنا حصہ لیتے وقت حکیم نے تفاخر کا اظہار کیا اور دوسروں کے مقابل زیادہ مال حاصل کرنے پر خوشی دکھائی۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحائف کے ساتھ ایک اہم روحانی تعلیم بھی عنایت فرمائی، اور حکیم کو اس فخر کے بجائے دوسروں کو دینے کی یاد دہانی یہ کہتے ہوئے کرائی: ''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے''۔ اس کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکیم کو یاد دلایا کہ وہ لوگ جو اپنے مال کے تعلق سے فیاض ہیں اور غریبوں کی نگہداشت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو تحفہ دیتے ہیں روحانیت سے متصف اور اس اعلیٰ مقام پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائز ہیں جو دینے والوں کا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکیم کو یہ بھی نصیحت فرمائی کہ وہ اپنے مال واسباب کا کچھ حصہ اپنے خاندان اور ان پر منحصر لوگوں میں تقسیم کریں۔ مزید برآں، آپ ﷺ نے حکیم کو یہ ہدایت دی کہ وہ جو لیں اسے باوقار انداز سے قبول کریں اور اسی طرح نہایت انکساری کے ساتھ دوسروں کو دیں۔

وفاداری کی نشانیاں

انصار (مسلمانانِ مدینہ) نہایت حیرت و استعجاب سے رسول اللہ ﷺ کے اس رویے کا مشاہدہ کر رہے تھے، آخر میں تمام مالِ غنیمت اہل مکہ کے درمیان تقسیم ہو گیا۔ بعض انصاریوں نے عوامی سطح پر اپنی ناامیدی یا ناپسندیدگی کا اظہار کرنا شروع کر دیا، کیونکہ بظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام اہل مدینہ کو نظر انداز کرتے ہوئے جو بوقت ضرورت آپ ﷺ کے کام آئے، اپنے عزیز و اقارب کو فوقیت دیدی۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدینہ والوں کے قاصد بن کر آپ ﷺ کے پاس آئے اور ان کی شکایات آپ ﷺ کے سامنے پیش کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی باتیں سنیں اور مدینہ کے مسلمانوں کو جمع ہونے کے لیے کہا تا کہ آپ ﷺ سب سے گفتگو کر سکیں۔ آپ ﷺ نے ان سے ان کے مبینہ شکوک کے بارے میں بات کی۔ آپ ﷺ کے خطاب لب لباب یہ تھا کہ گو آپ ﷺ کے ذریعہ انصار کو ہدایت ملی مگر یہ ان کا احسان ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ کو اس وقت پناہ دی جب سارا عرب آپ ﷺ کا دشمن تھا۔ آپ ﷺ نے واضح کیا کہ آپ ﷺ ان کے احسانات کو نہیں بھولے ہیں اور ان کو مالِ غنیمت کی تقسیم کو لے کر پریشان نہ ہو جانا چاہیے، کیونکہ اس کے ذریعہ کچھ لوگوں کے ایمان کو مضبوطی عطا کرنا مقصود ہے، اس سے زیادہ اور کوئی بات نہیں۔ آپ ﷺ انصار سے سچی محبت رکھتے ہیں لہٰذا ان کو مالِ غنیمت کی بنیاد پر آپ ﷺ کی محبت کا اندازہ نہیں لگانا چاہیے۔ کیا دنیا کی چاہ وطلب ان کی اللہ سے سچی محبت کو بھلا دے گی؟ یہ محبت تو اس دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس کے خزانوں سے ماوریٰ ہے؟ اہل قریش بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کے ساتھ رہیں گے جب کہ انصار محمد ﷺ کو اپنے گھر لے جائیں گے۔ آپ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے ان کے ساتھ اپنے اختیاری شہر مدینہ میں تاحیات سکونت پذیر ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا:

اگر تمام اہل جہاں ایک راہ اختیار کریں اور انصار دوسرا راستہ اختیار کریں تو میں انصار کا راستہ اختیار کروں گا۔ اللہ انصار پر ان کی اولادوں اور آنے والی نسلوں پر فضل وکرم فرمائے۔

انصار کی پوری جماعت پر ایک رقت طاری ہوگئی اور بہت سے انصار صحابہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ جب انہوں نے سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رویئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلوص کو جانچنے میں وہ کس قدر غلطی کر بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی ان کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی نشانی تھی، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ تقسیم شدہ مال و دولت اس بات کی نشانی تھی کہ ابھی کچھ قلوب ایسے ہیں جو اس دنیا کی ظاہری چمک دمک سے خیرہ ہیں۔

قیامت کی نشانیاں:

قیامت کب آئے گی اس کا قیاس صحیح طور پر کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کا علم صرف اللہ کو ہے پھر بھی غور وفکر کرنے والا ذہن قیامت کے بارے میں اندازہ کرسکتا ہے۔ سائنس دان اپنے مشاہدات کے ذریعہ، ریاضی دان حساب اور تحقیق کے ذریعہ، صوفی روحانیت کے ذریعہ کچھ اندازہ کرسکتا ہے۔ لیکن جہاں تک عام آدمی کی بات ہے تو وہ بھی کسی نہ کسی طور پر کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف طور پر ''قیامت'' یا ''یوم آخرت'' کے نزدیک ہونے والے بہت سے واقعات کے بارے میں پیشین گوئی کی ہے جن کو سمجھنے کے لیے کسی سائنس دان کے مانند معلومات یا روحانی آدمی کی بصیرت کی ضرورت نہیں۔ ان واقعات وآثار کو ہم سب بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اہم چیز یہ ہے کہ کیا ہم ان سے کوئی سبق سیکھتے ہیں یا خاتمہ کے انتظار میں اپنے دماغ بند کر کے بیٹھ رہتے ہیں۔

ذیل میں ہم بعض احادیث نقل کرتے ہیں جو اپنے معنی میں بالکل واضح ہیں۔ جو قیامت کے وقت کو بتاتی ہیں۔ اگر ہم آج کی دنیا کے واقعات کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ قیامت بہت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادہ دور نہیں ہے۔

صحابی رسول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں قیامت کے آنے کی درج ذیل نشانیاں بتائیں:

﴿۱﴾ انسانی خون کا احترام جاتا رہے گا۔
﴿۲﴾ قانون توڑنے والے اور حد سے تجاوز کرنے والے لیڈر ہوں گے۔
﴿۳﴾ قوم کے اشرار ہی قیادت کے مقام پر ہوں گے۔
﴿۴﴾ قوم میں سب سے بے صلاحیت ہی لیڈر بنیں گے۔
﴿۵﴾ گناہ کو بہت ہی ہلکے میں لیا جائے گا۔
﴿۶﴾ زناکاری اور شہوت رانی بالکل عام ہوگی۔
﴿۷﴾ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے زنا کریں گی۔
﴿۸﴾ ڈانس کرنے والی لڑکیاں اور رقص کرنے کے آلات (ستارہ اور پاپ میوزک وغیرہ) ہر طرف عام ہوں گے۔
﴿۹﴾ گانے والی عورتیں ترقی کریں گی۔
﴿۱۰﴾ شراب بہت زیادہ پی جائے گی۔
﴿۱۱﴾ سود اور ربا بالکل عام ہو جائیں گے۔
﴿۱۲﴾ جھوٹ بولنا پسندیدہ مانا جائے گا۔
﴿۱۳﴾ سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرنا مشکل ہو جائے گا۔
﴿۱۴﴾ عورتیں مردوں پر غالب ہوں گی۔
﴿۱۵﴾ آدمی بیوی کا غلام بن جائے گا۔
﴿۱۶﴾ بچے والدین کی نافرمانی کریں گے۔
﴿۱۷﴾ آدمی اپنے دوست کو قریب اور باپ کو دور کر دے گا۔
﴿۱۸﴾ دوست دوست سے برا سلوک کرے گا۔
﴿۱۹﴾ نمازوں سے غفلت برتی جائے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿۲۰﴾ طلب علم کا مقصد دینی نہیں دنیاوی ہوگا۔

﴿۲۱﴾ بارشیں رحمت نہ ہوں گی کیوں کہ غیر موسم میں پڑیں گی یعنی بارشیں اس موسم اور وقت میں ہوں گی جب ان کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ ان کی آمد نقصان دہ ہوگی۔

﴿۲۲﴾ زلزلے بہت زیادہ ہوں گے۔

﴿۲۳﴾ اونچی عمارتیں بنانے میں لوگ ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے۔

﴿۲۴﴾ آدمی کی عزت اس کے شر کے باعث کی جائے گی۔

﴿۲۵﴾ مغرب کی جانب سے وہ لوگ آئیں گے جو میری امت کے کمزور لوگوں پر غالب پائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زمانہ میں آگاہ کیا تھا کہ:

> شدید زلزلے، طوفان، طبیعاتی تبدیلیاں، بارش میں شدید اولے اور دوسری علامتیں اس طرح پے بہ پے آئیں گی جیسے کسی ہار کو توڑ دینے سے اس کے موتی یکے بعد دیگرے تیزی سے گرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> قیامت سے پہلے وقت ایسے گزرے گا کہ ایک سال ایک مہینہ، مہینہ ایک ہفتہ اور ہفتہ ایک دن اور دن ایک گھنٹہ میں گزر جائے گا اور گھنٹہ ایسے گزرے گا جیسے آگ جل اٹھی۔

کیا اس میں اشارہ نہیں ہے آج کی تیز رفتار زندگی اور موجودہ طرز زندگی کی طرف جس کے ساتھ ہی ٹرانسپورٹ کے میدان میں جو انقلاب آیا ہے جس سے بتدریج زمانہ کے فاصلے کم کرکے مہینوں کی رفتار دنوں میں طے ہوتی ہے۔ دنوں کی گھنٹوں میں اور گھنٹوں کی منٹوں میں۔ اسی طرح سے چیزوں کے نتائج بھی تیز تر ہو گئے ہیں۔ لوگ جو کام کرتے ہیں فوراً ہی اس کا رزلٹ معلوم ہو جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کے بارے میں مزید فرمایا:

> قرب قیامت میں علم غائب ہو جائے گا، جہالت پھیلے گی، زناکاری عام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوگی، شراب بڑی تعداد میں پی جائے گی۔

موجودہ زمانہ میں مذکورہ بالا نشانیوں میں سے کچھ تو واقع ہو چکی ہیں کچھ ہو رہی ہیں خاص کر مغربی معاشروں میں جہاں کثرت سے شراب پی جاتی ہے اور جنسی اباحیت عام ہے۔ لوگ بغیر کسی تفریق کے کتنی ہی عورتوں سے ناجائز جسمانی تعلق قائم کرتے رہتے ہیں۔

جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کی پہلی نشانی کیا ہو گی؟ تو فرمایا:

> آخری وقت (قیامت) کی پہلی نشانی ہوگی وہ آگ جو لوگوں کو شرق سے مغرب کی طرف کھینچے گی۔

محمد اسد (سابق لیوپولڈ ویس 1900-1992، جو آسٹرلین یہودی تھے اور بیسوی صدی کے مشہور صحافی، مصلح، سفارت کار، سیاسی رہنما اور اسکالر اور بہت بڑے مغربی مسلمان تھے) وہ اس کی وضاحت کرتے ہیں:

> یہ دراصل ایک علامتی بیان ہے اس سماجی تباہی کا جو مغربی کلچر مشرقی ثقافت میں لادے گا جب مشرقی لوگ مغرب کی اندھی تقلید شروع کر دیں گے۔ یہاں اس تباہی کو آگ سے تشبیہ دی گئی ہے کیوں کہ آگ کی طرح ہی مغرب مشرقی کلچر کے بچے کھچے کلچرل اثر کو کھا جائے گا اور ان کے ماضی کو ایک مردہ تاریخ سے بدل دے گا جس کے حال سے تمام رشتے کٹ چکے ہوں گے۔

دوسری خاص علامت جو حدیث میں آتی ہے وہ ہے انسانوں کا قتل عام، آپ ﷺ نے فرمایا:

> قیامت کے نزدیک بے شمار قتل عام ہوں گے جن میں نہ تو قاتل مقتولوں کو جانیں گے نہ مقتول قاتل کو اور نہ یہ جانیں گے کہ ہمیں کس نے مارا اور کیوں مارا۔

14 سو سال پہلے آپ ﷺ نے جس مظہر کی پیشین گوئی کی تھی ہم آج اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ دہشت گردانہ حملے، دشمن ممالک کے فوجی حملے، محاصرے، تحدیدات اور پابندیوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے مختلف ممالک میں بے قصور لوگ لاکھوں کی تعداد میں مر رہے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ کس قصور میں مارے جا رہے ہیں اور نہ یہ جانتے کہ کون مار رہا ہے اور کیوں؟ اور ان حالات میں شخصی طور پر بہت ممکن ہے کہ قاتل و مقتول دونوں میں کوئی دشمنی نہ ہو۔

14 سو سال قرآن و حدیث میں قیامت کی یہ جو علامتیں بتائی گئیں تھیں، ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ ان میں بہت سی علامتیں آج وقوع پذیر ہو رہی ہیں۔ آج کی ہائی ٹیک تہذیب حقیقتاً ٹینشن، دہشت گردی، فرقہ ورایت، ظلم و بربریت، قتل عام، زنا کاری اور شراب نوشی جیسی چیزوں سے بھری ہوئی ہے جو کسی بھی وقت اس کو تباہ کر سکتی ہے اس سب کا کیا مطلب ہے؟ یہ محض انسانیت کے لیے آگاہی ہے کہ آخری وقت بہت نزدیک ہے۔ خاتمہ ہوا چاہتا ہے۔ اس ناگزیر ہونی سے کون سبق سیکھے گا اور اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے بچائے گا؟ پھر ہم واقعات کو نہیں بدل سکتے مگر اپنے آپ کو بدلنے کی یقیناً آزادی رکھتے ہیں۔ حدیث کے مطابق ''اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔'' تو کم از کم ہم ارادوں کی تصحیح تو کر ہی سکتے ہیں۔

مصلح کامل

حضرت محمد ﷺ نے اپنے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو، مرد ہوں یا عورت، یکساں طور پر خود مختار اور آزاد رہنے کے طریقے اور اعتماد عطا کیا۔ انہیں آپ ﷺ کو مخاطب کرنے اور اختلاف کرنے کی ہمت دی۔ ساتھ ہی ان کے اختلاف رائے کو آپ ﷺ نے کبھی اپنے رتبے کے احترام میں کمی نہیں سمجھا۔ اس رویے کے ذریعہ، محمد ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ وہ ان کے فہم و فراست اور سوجھ بوجھ کا نہایت احترام کرتے ہیں۔ اظہار رائے کی آزادی دے کر اپنی صلاحیتوں کا مکمل استعمال کرنے کا جو آپ ان سے مطالبہ کرتے تھے اور ان کے سوالوں کا جواب دینے اور تعلیم تربیت کے لیے آپ ہمہ وقت جو تیار رہتے تھے تو اس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنے رہنما اور اپنے رسول ﷺ سے شدید محبت کرتے تھے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ محمد ﷺ ہر اس شخص کے لیے ہمہ تن اور مسلسل تیار رہتے جو اسلام کو سمجھنا چاہتا ہو یا حق کا متلاشی ہو۔ آپ ﷺ اس طرح کے لوگوں پر نظر رکھتے، ان کے سوالوں کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب دیتے اور ان کی ایمانی تربیت میں ساتھ ساتھ رہتے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد مکمل طور پر انسانیت کی اصلاح کرنا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس کام کو بخوبی انجام دیا اور اپنی زندگی میں ہی ایک مثالی اور دائمی اسوہ پیش کر دیا۔ زندگی کے ہر میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اصلاح میں مکمل طور سے کامیاب رہے اور ان کو درخشاں ستاروں میں تبدیل کر دیا۔ لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ بے مثال، قابل تقلید اور انسانی نفسیات سے مکمل ہم آہنگ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصلاحی اقدامات میں بعض نہایت اہم ہیں جو لوگوں کی اصلاح میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دانشمندی کو ظاہر کرتے ہیں۔ چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں:

عوام اور بادشاہ سے یکساں سلوک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحم و کرم کا دریا تمام انسانوں کے لیے یکساں طور پر رواں تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں اس سے یکساں طور پر سیراب ہوتے تھے۔ یہاں، قطع نظر اس کے کہ کوئی ایرانی ہے یا رومی، یونانی ہے یا مصری، سوڈانی ہے یا حبشی، سب سے برابری کا معاملہ کیا جاتا تھا۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، صہیب رومی رضی اللہ عنہ، عثمان نجدی رضی اللہ عنہ تمام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود سے مساوی طور پر مستفید ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں جندل کے بادشاہ، حمیر کے سردار ذوالکلاع اور یمن کے پادری ضماد اور دوسرے حکمران عام لوگوں کے ساتھ ہی بیٹھتے تھے۔ کسی بھی شخص کے ساتھ سماجی، سیاسی یا معاشی یا معاشرتی رتبہ کے لحاظ بھید بھاؤ اور اختلاف نہیں کیا جاتا تھا۔ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا، اس کے ساتھ رحم و کرم کا مساوی معاملہ ہوتا تھا۔

کاملیت اور واقعیت پسندی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی اس طریقہ پر زندگی گزاری جس کی لوگ آسانی سے پیروی کر سکیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک بار کچھ صحابیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کا حال سن کر باہم گفتگو کی اور اپنا لائحہ عمل طے کیا۔ ایک نے کہا: میں شادی نہ کروں گا، دوسرے نے کہا: میں گوشت نہ کھاؤں گا، تیسرے نے کہا: میں ننگی زمین پر سوؤں گا، چوتھا بولا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی بات معلوم ہوئی، فرمایا: الحمدللہ میں تم میں سب سے زیادہ تقویٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والا ہوں مگر میں عورتوں سے زوجیت کا تعلق بھی رکھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور بغیر روزہ کے بھی رہتا ہوں، گوشت بھی کھاتا ہوں میں جاگتا بھی ہوں اور سوتا بھی''۔ اس طرح آپ ﷺ نے ایک معتدل راستہ کی رہنمائی فرمائی۔ آپ ﷺ نے ترک دنیا کا درس دیا اور نہ اس میں کھو جانے کا۔ آپ ﷺ نے مادی چیزوں کی اہمیت کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی روحانیت کو ترک کیا۔ ہاں، آپ ﷺ نے دنیا کی چمک دمک کو پسند نہیں فرمایا، دولت جمع کرنا اچھا نہیں سمجھا، مگر آپ ﷺ نے خواہ مخواہ کی سختیاں جھیلنا اور دنیا کو چھوڑ دینا بھی پسند نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے انسانی زندگی کو قیصر اور خدا کے بیچ میں تقسیم نہیں کیا۔ اسلام انسانی رویہ میں انتہاپسندی کی حمایت نہیں کرتا۔ نہ وہ یہ چاہتا کہ آپ اپنے نفس کو مار دیں اور نہ یہ کہتا کہ خواہشات کے پیچھے سرپٹ دوڑیں۔ وہ مخصوص شرائط کے ساتھ جنگ کی اجازت دیتا ہے مگر اس کا مرکزی نکتہ خدا کے لیے توانگی اور قیام امن ہے۔ مختصراً یہ کہ اسلام انسانی زندگی کو اس کی فطری ضرورتوں اور صلاحیتوں کے مطابق منضبط کرتا ہے۔ وہ اس کی فطرت کو بالکل ہی بدلنا نہیں چاہتا کیونکہ ایسا کرنا نہ تو جسمانی طور پر ممکن ہے اور نہ روحانی طور پر مطلوب۔

حکمران

محمد ﷺ کی مجلس کا ادب اور ضابطہ عموماً یہ ہوتا تھا کہ جب کوئی آپ ﷺ سے سوال کرتا تو آپ ﷺ جواب دیتے۔ اس کے سوال کا تشفی بخش جواب ملنے اور اسکے مسئلہ کے مکمل حل ہونے تک کوئی دوسرا سوال نہیں پوچھا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس آداب مجلس سے ناواقف ایک بدو آپ ﷺ کے حضور آتا ہے اور سوال کرتا ہے: ''قیامت کب آئے گی؟'' آپ ﷺ نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد پوچھا کہ سائل کہاں ہے؟ بدو نے کہا: ''میں یہاں ہوں'' رسول اکرم ﷺ نے جواب دیا: ''قیامت اس دن آئے گی جب لوگوں کا یقین اور ایمان ختم ہو جائے گا۔'' اس نے پوچھا: ''یہ کیسے ختم ہو جائے گا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب حکومت نا اہل حکمرانوں کے ہاتھ چلی جائے گی۔'' محمد ﷺ نے زور دے کر کہا:

''تم ایسے حکمرانوں کو دیکھو گے جو عوام کے کردار پر منحصر ہوں گے'' یعنی جیسی رعایا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ویسے ہی حکمران، جیسا معاشرہ ہوگا ویسے ہی اسکے حکمران ہوں گے۔

مالدار اور غریب

مجلس کو خطاب کرتے وقت آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً غریب صحابہ کو مرغی فارم کھولنے پر حوصلہ افزائی کرتے تھے، کیونکہ جن کے پاس محدود وسائل ہوتے ہیں وہ اس طرح کے کاروبار کو باآسانی شروع کر کے اپنی گزراوقات کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مالدار صحابہ کو بھیڑ، بکری اور اونٹ وغیرہ کی تجارت کا حکم دیا اور غریبوں کو مرغی فارموں کے کھولنے کا حکم دیا۔ درحقیقت، یہ مالدار صحابہ کو ایک قسم کی وارننگ تھی کہ وہ اپنے آپ کو ان صنعتوں اور کاروبار تک محدود رکھیں جن کے لیے نسبتاً زیادہ سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور چھوٹے چھوٹے بزنس غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے چھوڑ دیں تاکہ وہ ان سے اپنی روزی روٹی کما سکیں۔ ایک صحت مند سماج کے آگے بڑھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مالدار اور غریب کے مابین ایک توازن قائم رہے۔ اگر بڑے بڑے سرمایہ دار ''مشترکہ کاروبار'' یا ''اجارہ داری'' شروع کر دیں، تو اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہوگا کہ چھوٹے تاجروں اور کاروباریوں کی روزی روٹی کے ذرائع مسدود ہو کر رہ جائیں گے اور وہ شدید مصیبت سے دوچار ہو جائیں گے، بلکہ اس سے سماج میں ایک طبقاتی جنگ شروع ہو جائے گی اور اس طرح دنیا میں امن وامان کے لیے ایک مستقل خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

حرص اور لالچ

قناعت کامیابی اور خوشی کی کنجی ہے اور حرص وطمع اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہم میں سے اکثر یقین رکھتے ہیں کہ مادی دولت سے ہمیں خوشی مل جائے گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دولت سے کچھ آسائش کی چیزیں تو خریدی جا سکتی ہیں خوشی نہیں۔ کیونکہ خوشی ایک فطری اور داخلی کیفیت ہے۔ جسے اندھے باؤلے ہو کر مادی دولت کے حصول سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت میں قناعت ہی وہ چیز ہے جس سے خوشی اور دلی اطمینان مل سکتا ہے اور جو جسم وروح کو لالچ اور حرص کی گرفت سے آزاد کر سکتی ہے۔ لالچ یا تعیش کی کوئی انتہا نہیں۔ جتنا بھی آپ خواہش پوری کریں گے وہ بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

درج ذیل حدیث سے انسان کی فطری جبلت پر روشنی پڑتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر ابن آدم کو سونے کی ایک وادی دے دی جائے تو وہ دوسری وادی کی آرزو کرے گا۔ اس کا پیٹ تو مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ جو آدمی خدا سے رجوع کرتا ہے وہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

آدمی ہمیشہ زیادہ سے زیادہ کی تلاش میں رہتا ہے۔ زیادہ مال کی حرص اس کی فطرت میں پڑی ہوئی ہے۔ وہ مالدار بننے کے مواقع ہمیشہ ڈھونڈھتا رہتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اس کا معیار زندگی بلند ہو، اس کا طرز زندگی فیشن والا ہو اور وہ تیز رفتار کار اور حسین جگہوں پر شاندار کوٹھی بنانے کے اپنے خواب کو پورا کرے۔ مختصر یہ کہ انسان کی آرزوؤں کی فہرست ختم ہونے میں نہیں آتی۔ وہ اپنے خوابوں کو تعبیر دینے اور امنگوں کو پورا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ انسانوں کا دنیا سے اتنا شدید لگاؤ ہے کہ اکثر اس کے آگے اخلاقیات کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔

دنیا کی محبت اور اسباب دنیا کی یہ جستجو ہمیں آخرت فراموشی کی طرف مائل کر سکتی ہے۔ مقصد زندگی یعنی عبادت الٰہی کو بھلا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسی لیے اندھا ہو کر دنیا کے پیچھے پڑنے سے روکا ہے۔ اور اس کی چمک کو آنی جانی بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمہیں ہمارے قریب کر دیں۔ ہاں جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لیے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہے اور وہ نڈر و بے خوف ہو کر بالا خانوں میں رہیں گے۔ [1]

بدعنوانی

وزیروں اور افسران کو رشوت تحفہ و تحائف کی شکل میں دی جاتی ہے۔ آپ ﷺ اس چیز کی حوصلہ شکنی کرتے تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ملتا ہے۔

---

[1] سبا:37

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے ایک تحصیلدار کو ٹیکس (زکوۃ) وصولی پر روانہ کیا۔ واپسی پر اس نے وصول کردہ زکوۃ کے سامان کو آپ ﷺ کے سامنے پیش کر کے کہا "یہ حکومت کا مال ہے اور یہ مجھے بطور تحفہ دیا گیا ہے۔" اس طرح کے تحفے رشوت بھی ہو سکتے تھے اور اگر ایسی حرکات کا عوام کے سامنے کھلے طور پر مواخذہ نہ کیا جاتا تو لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ محمد ﷺ نے اسی مجلس میں اپنے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "اس وصول کنندہ کو دیکھو جو یہ کہتا ہے یہ مسلمانوں کی ملکیت ہے اور یہ میری۔ اس کو گھر میں بیٹھنے دو اور تب دیکھو کہ کیسے لوگ اس کو ہدیہ اور تحائف دیتے ہیں؟"

دہشت گردی

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ رفق اور نرمی پر وہ کچھ دیتا ہے جو سختی یا کسی دوسری چیز پر نہیں دیتا" آپ ﷺ نے مزید فرمایا: قیامت کے قریب خونریزی عام ہو جائے گی جب قاتل کو یہ پتہ نہ ہوگا کہ وہ کس کو مار رہا ہے اور نہ مقتول کو یہ پتہ ہوگا کہ اس کو کس نے مارا اور کیوں مارا"

چودہ سو سال پہلے ہی پیغمبر اسلام ﷺ نے آج کی صورت حال کی پیشین گوئی کر دی تھی۔ آج دہشت گردانہ حملوں، حملہ آور ملکوں کی عسکری کاروائیوں، محاصروں، پابندیوں اور مختلف ملکوں پر عائد تحدیدات کے باعث کروڑوں لوگ مر رہے ہیں اسی طرح کئی حکومتیں اپنے ہی ملکوں میں اپنے ہی شہریوں کو فوجی اور پولیس ایکشن کا نشانہ بناتی ہیں جس میں کتنے ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ یہ مرنے والے بے قصور ہیں اور نہیں جانتے کہ ان کو کون مار رہا ہے، اسی طرح قاتل یہ نہیں جانتے کہ ان کا نشانہ کون بن رہا ہے۔ ان حالات میں بھی خونریزی ہو رہی ہے جہاں امکان ہے کہ قاتل و مقتول کے مابین ذاتی طور پر کوئی دشمنی بھی نہ ہو۔

شراب نوشی اور جوئے کی ممانعت

رسول انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دوررس اور بہت ہی اہم عطا شراب نوشی، منشیات اور جوئے کی ممانعت ہے۔ قرآن نے جوئے اور شراب دونوں کے بارے میں صراحت سے بیان کیا ہے کہ ان دونوں کا فائدہ کم اور نقصان بہت زیادہ ہے۔ جوئے کا عادی ہو کر آدمی سماج میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوئی تخلیقی کام کرنے کے لائق نہیں رہ جاتا وہ سماج کو کچھ نہیں دیتا۔ یہ عادت اسے ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھا کرنے پر اکساتی ہے۔ اور زیادہ تر حالات میں معاشی تباہی تک پہنچا کر رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ممتاز برطانوی مورخ ومفکر ''آرنلڈ ٹائن بی'' نے ایک بار کہا کہ ''انسانیت کو اسلام کی ایک بہت بڑی اور دوررس عطا منشیات کو ممنوع قرار دینا ہے''۔

صفائی نصف ایمان ہے

صفائی آدھا ایمان ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: الطهار ة نصف الایمان (صفائی آدھا ایمان ہے) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دین اسلام طہارت پر مبنی ہے۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے اسلام کی بنیاد طہارت و پاکیزگی پر رکھی ہے۔ تنہا وہی شخص جنت میں جائے گا جو صفائی ستھرائی رکھتا ہے اور صفائی و پاکی اس کی عادت ثانیہ بن گئی ہو۔ پیغمبر اسلام ﷺ ہمیشہ اپنا جسم اور کپڑے پاک وصاف رکھتے تھے۔ آپ ﷺ روزانہ نہاتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی صاف ستھرا رہنے کی تاکید فرماتے۔ صحابی رسول حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ہم سے ملنے کے لیے آئے اور ایک آدمی کو دیکھا جو گندے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا اس آدمی کو کوئی چیز نہیں ملی جس سے وہ اپنے کپڑے صاف کر لیتا: آپ ﷺ نے لوگوں کو اس بات پر ابھارا کہ وہ صاف ستھرے رہا کریں اور لوگوں میں اچھی وضع قطع بنا کر جائیں۔

اللہ نے اپنے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کو بے نظیر حسن دیا تھا۔ اور اسی طرح محمد ﷺ کو بھی بے حد حسین اور خوبصورت شکل و شباہت عطا ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کی تہذیب اور جمال سیرت، خاکساری، صبر، نرم دلی اور عفو و درگزر کی کوئی دوسری مثال اس دنیا میں نہیں۔ ایک بار ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں اور اپنے جوتوں کو خوبصورت رکھتا ہے تو کوئی حرج ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اللہ نے کسی بندے کو جو نعمتیں دی ہیں تو وہ چاہتا ہے کہ ان کا اثر اس کے اوپر دکھائی دے۔ پیغمبر ﷺ نے جو نمونہ قائم کر دیا تھا صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا لحاظ رکھتے اور اپنی وضع قطع درست رکھتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ جمیل و یحب الجمال اللہ خوبصورت ہے خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ کہ ہم جو بھی نیک اعمال کرتے ہیں ان کے بدلہ میں اللہ جمال عنایت کرتا ہے۔ وہ ہمارے اندر صفت جمال دیکھنا چاہتا ہے، جیسا کہ وہ چاہتا ہے ہمیں سخاوت، پاکیزگی، عفوو درگزر، رحم دلی اور علم کی صفات محبوب ہونی چاہئیں۔

اعتدال وتوازن

آپ ﷺ کی تعلیمات کی جامعیت اور اعتدال اس سے جھلکتا ہے کہ آپ ﷺ نے غیروں سے علم کے حصول پر زور دیا اور ان کی چیزوں کو اختیار فرمایا۔ ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا:

حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے اور جہاں بھی وہ ملے وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے''۔

آپ ﷺ بعض رومی اور ایرانی حلے بھی زیب تن فرماتے۔ حبشہ کے شاہ نجاشی نے آپ ﷺ کے لیے چرمی موزے بھیجے جو آپ ﷺ نے پہنے۔ ایک بار سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سینہ میں درد ہوا۔ آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے مشورہ دیا کہ ان کو حارث بن کلدہ کے پاس لے جایا جائے جو مدینہ میں ایک عیسائی طبیب تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک جامع حدیث

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ سے ذیل کی حدیث مروی ہے۔

ایک دن ایک بدو آپ ﷺ کے پاس آیا اور بولا: اے اللہ کے نبی ﷺ میں آپ ﷺ سے موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں چند سوال پوچھنے آیا ہوں'' آپ ﷺ نے فرمایا: پوچھو جو پوچھنا چاہو۔ اس کے بعد دونوں کے مابین ذیل کا مکالمہ ہوا:

سوال: میں چاہتا ہوں کہ سب سے زیادہ علم والا بن جاؤں۔

اللہ سے ڈرو تم سب سے زیادہ علم والے ہو جاؤ گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال: میں دنیا کا سب سے مالدار آدمی بننا چاہتا ہوں۔

جواب: قناعت اختیار کرو تم سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔

سوال: میں سب سے زیادہ انصاف پرور بننا چاہتا ہوں۔

جواب: جو تم اپنے لیے چاہتے ہو وہی دوسروں کے لیے بھی چاہو تم سب سے زیادہ منصف بن جاؤ گے۔

سوال: میں سب سے اچھا آدمی بننا چاہتا ہوں۔

جواب: دوسروں کے ساتھ بھلائی کرو تم سب سے اچھے آدمی بن جاؤ گے۔

سوال: میں سب سے قوی آدمی بننا چاہتا ہوں۔

جواب: اگر تم اللہ پر بھروسہ کرو گے تو سب سے زیادہ طاقت والے بن جاؤ گے۔

سوال: میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھ پر سب سے زیادہ رحمت کرے۔

جواب: اللہ کی زیادہ سے زیادہ حمد کرو تم اللہ کی رحمت کے سب سے زیادہ مستحق بن جاؤ گے

سوال: میں چاہتا ہوں کہ میں ایمان والا ہو جاؤں۔

جواب: اگر تم حسن اخلاق رکھتے ہو تو کامل ایمان والے ہو جاؤ گے۔

سوال: میں چاہتا ہوں کہ احسان سے متصف لوگوں میں سے ہو جاؤں۔

جواب: اللہ کی حمد یہ جان کر کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ ہی رہا ہے، اگر تم ایسا کرو گے تو محسنین میں سے ہو جاؤ گے۔

سوال: میں اللہ کا فرمانبردار بننا چاہتا ہوں۔

جواب: اللہ کے احکام کی پیروی کرو اطاعت گزار بن جاؤ گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال: میں اپنی روزی میں کشادگی چاہتا ہوں۔

جواب: اپنے آپ کو پاک رکھو اللہ روزی میں کشادگی دے گا۔

سوال: میں چاہتا ہوں کہ اللہ ورسول ﷺ مجھ سے محبت کریں۔

جواب: اگر تم ان چیزوں سے محبت کرو گے جن سے اللہ ورسول محبت کرتے ہیں تو تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔

سوال: میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن اللہ کے غضب سے بچوں۔

جواب: اگر تم مخلوق خدا میں سے کسی پر ناراض نہ ہو گے تو قیامت کے دن اللہ کے غضب سے بچے رہو گے۔

سوال: میں چاہتا ہوں کہ قیامت میں اللہ کی رحمت سے محروم نہ رہوں۔

جواب: اگر تم اپنی پاکیزگی کی حفاظت کرو گے تو اللہ قیامت میں تم کو رحمت سے محروم نہ کرے گا۔

سوال: میری خواہش ہے کہ قیامت کے دن سایہ میں پناہ مل جائے۔

جواب: اپنے ساتھ رہنے والوں کے عیوب کی پردہ دری نہ کرو، اللہ قیامت میں تم کو سایہ میں جگہ دے گا۔

سوال: اللہ کی نظر میں سب سے اچھے اعمال کیا ہیں؟

جواب: محاسن اخلاق، پاکیزگی اور صبر۔

سوال: اللہ کی نظر میں سب سے برے اعمال کیا ہیں؟

جواب: غصہ اور لالچ۔

مساوات انسانی

عالمی بھائی چارہ اور مساوات انسانی کا تصور انسانیت کے ارتقا کے سفر میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظیم دین ہے۔ تمام بڑے مذاہب نے بھی اس تصور کی تبلیغ کی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس تصور کو عمل میں لا کر دکھا دیا۔ آپ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے اس کارنامہ کی صحیح قدر و قیمت شاید دنیا کو اس وقت معلوم ہو جب عالمی برادری بیدار ہوگی، نسلی تعصبات ختم ہو جائیں گے اور تمام انسانوں میں مساوات اور بھائی چارہ قائم ہوگا۔

خدا کے آگے کسان اور بادشاہ سب برابر ہیں

سروجنی نائیڈو اسلام کے اس پہلو کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''اسلام پہلا مذہب تھا جس نے جمہوریت کی تبلیغ بھی کی اور اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ چنانچہ مسجد میں جب اذان دی جاتی ہے اور نمازی جمع ہو جاتے ہیں تو اسلام کی جمہوریت دن میں پانچ بار متشکل ہوتی ہے جب کہ راجا اور کسان سب ایک صف میں کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہتے ہیں۔''

وہ مزید کہتی ہیں:

میں اسلام کی وحدت سے بار بار متاثر ہوئی ہوں کہ اسلام ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی بنا دیتا ہے، آپ ایک مصری ایک الجزائری اور ایک ہندوستانی یا برطانیہ کے کسی بزرگ سے مل لیں تو باوجود اس کے کہ ایک کا وطن مصر اور دوسرے کا انڈیا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔

سفر حج ایک زندہ شہادت

ہر سال حج کے موسم میں دنیا عالمی اخوت کا ایک حیرت انگیز و روح پرور منظر دیکھتی ہے کہ کروڑوں انسان قومیت، نسل اور سماجی رتبہ جیسی چیزوں سے بلند ہو کر ایک ہی لبادہ پہن کر رب کائنات کے گھر حاضر ہوتے ہیں۔ نہ صرف یورپ کے مسلمان بلکہ امریکہ، افریقہ، ایران، روس، آسٹریلیا، انڈیا، چین، جاپان اور دوسری قوموں اور ملکوں کے مسلمان بھی مکہ میں ایک الوہی فیملی کی طرح جمع ہوتے ہیں۔ سب ایک ہی کپڑا پہنتے ہیں اور ہر طرح کی تمیز و تفریق کو مٹا دیتے ہیں۔ احرام کی دو سادہ چادروں میں لپٹے سب کی زبانوں پر ایک ہی مبارک کلمہ ہوتا ہے۔ ''لبيك اللهم لبيك۔'' میں حاضر ہوں یا رب میں حاضر ہوں۔ ہر حاجی اور زائر حرم حج سے عالمی اخوت کا تاثر لے کر واپس آتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پرفیسر ہرگرونجے کے الفاظ میں ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انجمن اقوام عالم قائم کی اور اس نے عالمی وحدت اور انسانی اخوت کے جو اصول وضع کیے ہیں وہ دوسری قوموں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے۔ پروفیسر مذکور مزید کہتا ہے ''تمام قوموں کی وحدت کے آئیڈیا کو اجاگر کرنے میں جتنا کام اسلام نے کیا ہے اس کی برابری دنیا کی کوئی قوم نہیں کرسکتی۔''

نسلیت کا خاتمہ، سفید سیاہ سے برتر نہیں

نسلی برتری کا تصور انسانی معاشرہ کی سب سے خطرناک بیماری ہے۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی مکہ میں نسلی برتری کا تصور قبائلیت کے پردہ میں پھیلا ہوا تھا۔ قریش اپنے آپ کو تمام عربوں سے اور دنیا کے دوسرے لوگوں سے برتر خیال کرتے تھے۔ اس لیے اپنے آپ کو عرب یعنی فصیح اللسان اور اپنے سوا دوسروں کو عجم (گونگا) کہا کرتے تھے۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے پاس نبی بن کر اور قرآن کا نسخہ کیمیا لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدیم بیماری کا علاج بھی کیا اور خبردار کیا کہ:

''کوئی عرب کسی عجمی پر برتر نہیں، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں، فضیلت صرف بھلائی اور تقویٰ میں ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر حبشہ کا کالا مسلمان بھی مسلمانوں کے اوپر حکمران بنادیا جائے تو اس کی اطاعت کی جانی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلیت کے اس بت کو پاش پاش کرنے میں کامیابی حاصل کی اور اس کی عملی مثالیں قائم کیں۔ مثال کے طور پر:

❁ ہم سب جانتے ہیں کہ آج بھی متمدن سفید فام قومیں اور اونچی ذاتیں کالے نیگروں اور پس ماندہ قوموں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہیں۔ اب دیکھئے کہ 14 سو سال قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک نیگرو غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا کیا مرتبہ تھا؟ اسلام کے ابتدائی دور میں اذان دینے کا باوقار مقام اسی نیگرو غلام کو دیا گیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ کعبۃ اللہ میں اذان دیں۔ اور یہ حبشی غلام، اپنی سیاہ رنگت اور موٹے ہونٹوں کے ساتھ دنیائے اسلام کے سب سے مقدس مقام خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دیتے ہیں۔

❁ اسلام کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، جب بھی اسی حبشی غلام بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو فوراً ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے اور ''میرے سردار آرہے ہیں۔'' کہتے ہوئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کا خیر مقدم کرتے۔ عربوں میں قرآن اور رحمت عالم کیسا زبردست انقلاب لے آئے۔

❁ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ تھے ایک غلام تھے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلم فوج کا کمانڈر بنایا تھا جو بازنطینی (رومی) سلطنت کے خلاف بھیجی گئی تھی۔

❁ انہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کا کمانڈر بنایا تھا۔

❁ ایک دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک کالے مسلمان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ باتیں کرتے ہوئے انہوں نے اس کو ''او کالے'' کہہ کر مخاطب کیا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اصلاح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''گورے کالوں سے افضل نہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ ندامت سے زمین پر لیٹ گئے اور اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اٹھو اور میرے چہرے کو اپنے پیروں سے رگڑ دو۔''

❁ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک مالدار صحابیؓ پاس میں بیٹھے ہوئے ایک غریب صحابیؓ سے تھوڑا فاصلہ بنائے رکھنے کے لیے اپنے کپڑے سمیٹ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم مقدس ہو یا یہ ڈر ہے کہ اس کی غریبی تمہیں لگ جائے گی؟

❁ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں ایسی عظیم تبدیلی پیدا کردی کہ نجیب الطرفین عرب اپنی بیٹی کو مسلمان حبشی غلام سے نکاح کے لیے پیش کر دیتا ہے۔

یہی سبب ہے کہ عظیم جرمن شاعر ''گوئٹے'' نے قرآن کے بارے میں اپنا تاثر دیتے ہوئے کہا کہ:

یہ کتاب (قرآن) ہر زمانہ میں ایک زبردست تاثیر کی مالک بنی رہے گی۔

اور یہی وہ مظہر ہے جس نے جارج برنارڈ شا کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ:

اگلے سو سالوں کے اندر اگر کسی مذہب کو انگلینڈ بلکہ پورے یوروپ پر حکمرانی کا موقع ملا تو وہ اسلام ہوگا۔

❁❁❁❁❁❁

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بائیسواں باب

پورا عرب اسلام کے سایہ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ سے محبت

مکہ میں دو ہفتے قیام کرنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ واپسی کا ارادہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ لوٹنے سے پہلے عمرہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس سال پہلے پناہ کی تلاش میں مدینہ آئے تھے، مگر اب اسے اپنا وطن محسوس کرنے لگے تھے۔ اگرچہ مدینہ کا رہن سہن اور عادات و اطوار مکہ سے مختلف تھیں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترک وطن پر مجبور کیے جانے سے قبل تقریباً پچاس سال گزارے تھے۔ مگر اہل مدینہ کے رواج، روایات، نفسیاتی رجحانات اور ان کی امیدوں کے مشاہدہ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو اس نئے ماحول میں ڈھال لیا اور آہستہ آہستہ خود اپنی شخصیت کا حصہ ان چیزوں کو بنا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار سے الفت و محبت رکھتے تھے۔ ایک گہری روحانی محبت جو قبائلی، خاندانی یا تہذیبی تعلقات سے پرے ہوتی ہے۔

مدینہ میں زندگی اپنے معمول کے مطابق چل رہی تھی، مسلمانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا، نتیجتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نئے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے مواقع میں اضافہ کرنا ضروری ہو رہا تھا چنانچہ اس کام میں اپنے سب سے معتمد اور بھروسے مند و اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کام میں ساتھ لگا لیا تھا۔

تاہم بغاوتیں جہاں سر اٹھاتی رہتی تھیں اور اس صورت حال کے تدارک کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرایا اور چھوٹے لشکر بھیجا کرتے تھے جن کا مقصد واقعی جنگ سے زیادہ رعب ڈالنا ہوتا جنگ کی ضرورت کم ہی پیش آتی، مگر بسا اوقات مدینہ کی سیادت کو چیلنج کرنے والے قبائل سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنگ کرنا بھی ضروری ہو جاتا تھا۔

کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شمالی بدو قبائل سے نپٹنے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا، خصوصاً بنو مرہ سے جو کہ لگاتار فدک کے نخلستان میں کام کرنے والے یہودی کسانوں پر حملے کرتا رہتا تھا اور یہ علاقہ اسلامی حکومت کے ماتحت تھا۔ مسلم فوج کو سخت مقابلے سے دوچار ہونا پڑا اور اس مہم پر بھیجے گئے تمام ۳۰ مسلم سپاہی شہید ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سو مسلم فوجیوں پر مشتمل ایک اور دستہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ جس میں سترہ سالہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے جنہیں رسول اللہ لمبی مدت تک اپنا متبنّیٰ بیٹا تصور کرتے رہے تھے۔

معرکہ نہایت سخت تھا، کئی قبائل ایک ساتھ جمع ہو گئے تھے اور مسلم فوجیوں کو شکست دینے اور فدک کے نخلستان اور اس کی دولت پر قبضہ کرنے کی امید لگائے بیٹھے تھے۔ مگر صورتحال مسلمانوں کے حق میں تبدیل ہو گئی۔ بنو مرہ کے ایک شخص نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کی عمر کا مذاق اڑا دیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے اور اسی وقت اس کا کام تمام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اپنی کمزور حالت میں بدو نے بھاگنے میں غنیمت سمجھی۔ غصے میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جماعت کے ساتھ رہنے کے سپہ سالار کے فیصلہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کا پیچھا کیا اور اس کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے اور اسے زمین پر پچھاڑ کر زخمی کر دیا۔ بدو چیخ اٹھا: لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں)۔ مگر اسے ان سنی کرتے ہوئے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ جب وہ خیمے میں واپس آئے اور واقعہ کو بیان کیا، تو سپہ سالار اور دیگر ساتھی ان کے اس رویے سے ششدر رہ گئے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اس غلطی کی سنگینی کو بھانپ گئے اور مدینہ واپسی تک تنہائی اختیار کر لی۔

واپسی پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت گرمجوشی سے خیر مقدم کیا اور فتح کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے۔ مگر جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کے بارے میں بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غضبناک ہو گئے اور کہا: ''اسامہ، کیا تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کیا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بدو نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موت سے بچنے کے لیے یہ کلمات ادا کیے تھے۔ محمد ﷺ نے شدید غصے میں جواب دیا: "کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ وہ سچ بول رہا ہے یا جھوٹ؟" حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بہت ڈر گئے اور یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ ان کی غلطی معاف نہیں کی جائے گی۔ مگر محمد ﷺ نے انہیں معاف فرما دیا اور یہ بتایا کہ جنگ ہو یا امن کی حالت، لوگوں اور ان کے دلوں کے راز کو راز رہنے دیکر ان کے ظاہر پر فیصلہ کیا جائے۔

بدو کے زبانی ایمان کا مطالبہ تھا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اسے قتل نہ کرتے۔ اگر وہ مخلص تھا تو اس کی زندگی بخشنی ضروری تھی۔ اور اگر وہ مخلص نہیں بھی تھا تو بھی اس کے اعلان کو امن اور رحم کی اپیل سمجھا جاتا۔ ایسی کسی بھی صورت حال میں قرآنی آیت مسلمانوں کو فہم و فراست، تحمل و بردباری اور حصول امن کے اظہار کی تاکید کرتی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تو اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔ تم دنیاوی زندگی کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ کے پاس بہت سا مال و اسباب ہے۔ پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا لہٰذا تم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔[1]

بدو نے جب اپنی موت کو سامنے دیکھا اس نے امن کی پکار لگائی، مگر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ قبائلی عادات کی طرف مڑ گئے، جن کو ان کی اسلامی حس نے تبدیل کر دیا تھا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ

[1] النساء:94

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی اس طریقے سے پیش نہیں آئیں گے اور آئندہ سے بردباری، فیصلہ اور احترام کو ملحوظ رکھیں گے۔ تین سال بعد، جب رسول اکرم ﷺ رفیق اعلیٰ سے ملنے والے تھے، یہی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی وہ ہدایات اور تعلیمات سونپیں جس نے اسلام کی جنگی اخلاقیات کو دستور کی شکل عطا کی۔

دلوں کے راز کو جاننا انسانی ادراک کی حدوں سے باہر ہے۔ جب آپ ﷺ ان منافقین کا فیصلہ کرنے جاتے جن کے خلوص اور ارادے میں شک وشبہ ہوتا تھا تب بھی آپ ﷺ بہت احتیاط اور انکساری سے کام لیتے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اردگرد منافقوں کی موجودگی سے باخبر تھے مگر ان کے تعلق سے خصوصاً کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ آپ ﷺ محتاط اور چوکس رہتے اور حتمی فیصلہ سے احتراز کرتے تھے۔

کعب بن زہیر

مدینہ واپس آکر نبی ﷺ اپنی دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں میں مصروف تھے کہ آپ ﷺ نے اچانک دیکھا کہ عرب کا مشہور شاعر کعب بن زہیر، جو اس سے پہلے اپنی شاعری کو آپ ﷺ کی تضحیک اور آپ ﷺ کے دعوائے نبوت کا مذاق اڑانے میں صرف کرتا رہا تھا، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ دراصل کعب کچھ دنوں سے خفیہ طور پر اپنے ایک مدنی دوست کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا اور مدنی معاشرہ کو قریب سے دیکھ اور مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی کا مشاہدہ کررہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی زندگی خطرہ میں پڑسکتی ہے۔ کیونکہ اگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اسے جان جاتے تو یقیناً اس کو قتل کرڈالتے۔ لیکن اس نے سنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جو آدمی عفوودرگزر کا طالب ہوکر آجاتا ہے آپ ﷺ اس کو، جو بھی اس کا ماضی اور اس کا رویہ رہا ہو، معاف کردیتے ہیں۔ ایک صبح فجر کی نماز کے معاً بعد کعب آپ ﷺ کے پاس آیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے اجازت دیدی، تو اس نے کہا کہ: ''میں کعب ہوں''۔ یہ سن کر ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ اسے قتل کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، مگر آپ ﷺ نے درمیان میں پڑکر ان کو اس سے روک دیا اور فرمایا کعب اپنے کیے پر شرمسار ہوکر آیا ہے اور اب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ بدل گیا ہے۔ تب کعب نے اپنا وہ مشہور قصیدہ آپ ﷺ کی شان میں پڑھا جس میں آپ ﷺ کے اوصاف جمیلہ کے بیان کے ساتھ ہی اسلام کے محاسن کا بیان ہے اور آپ ﷺ سے عفو و معذرت طلب کی ہے۔ قصیدہ میں اتنی جان تھی اور اتنا زور، اتنی روانی اور فصاحت و بلاغت تھی کہ کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا خود آپ ﷺ بھی اس کی زبان اور بلاغت سے بے حد متاثر ہوئے چنانچہ اس نے قصیدہ ختم ہی کیا تھا کہ آپ ﷺ ایک دم آگے بڑھے اور اسے اپنی چادر انعام کے طور پر اوڑھا دی۔ اسی وقت سے یہ شاندار و لازوال قصیدہ، قصیدۂ بردہ کے نام سے مشہور ہے۔

نبی ﷺ خود بہترین ذوق جمالیات کے مالک تھے۔ آپ ﷺ کا کلام خود فصاحت و بلاغت کی تمام خوبیوں اور رعنائیوں سے آراستہ ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ کہہ لیں کہ ایک عجیب طرح کا سحر ہے اور روحانی بلندیوں کا شعور ہے۔ انسانی محبت کا گہرا جذبہ ہے۔ عربیت کا اسلوب، کلام میں آبشار کی سی روانی۔ ان تمام چیزوں کو آپ ﷺ اپنے پیغام محبت کو پھیلانے اور دل نشین انداز میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے میں استعمال کرتے تھے۔

تبوک

شمال سے آنے والی خبریں خطرناک تھیں۔ ہر چیز یہ بتا رہی تھی کہ ہرقل کی بازنطینی (رومن) فوجوں نے رومن نواز عرب قبائلوں سے اتحاد کر لیا ہے اور دونوں متحد ہو کر ''عرب کے نئی اسلامی ریاست'' کے خلاف حتمی حملے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ ایسی صورت میں فوری اقدام کی ضرورت پڑ گئی اور یہ جوکھم اٹھانا نہایت ناگزیر ہو گیا۔ گرچہ مہم روانہ کرنا بہت خطرناک بھی تھا۔ اس کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر پہلی مرتبہ رسول اللہ نے صحابہ کو کوچ کی سمت سے آگاہ کیا تھا۔ وہ بحفاظت شمال کی جانب بڑھ رہے تھے تاکہ دشمن فوج کی پیشگی آمد سے پہلے پہنچ سکیں اور اگر ممکن ہو تو اس کی زمین پر پہنچ کر انہیں حیرت زدہ کر دیا جائے۔ موسم ناموافق تھا اور اسلامی فوج شدید گرمی کا سامنا کرنے جا رہی تھی جس سے اسی وقت نجات ملنی تھی جب وہ شمال میں پہنچ جائے۔ لوگ عمومی طور پر فوج شامل ہونے لگے اور مہم کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حتی الامکان مالی طور پر حصہ لینے کو کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا آدھا سامان دیا اور خود کی ضرورت، حاجت اور مفاد قربان کر دینے کی ایک مثال قائم کی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو اپنا سب کچھ محمد ﷺ کے نام پر نچھاور کر دیا۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آدھی فوج کے لیے سواریوں کی فراہمی کا ذمہ لیا۔

علاقہ کے تمام اونٹ اور جانوروں کو طلب کر لیا گیا تھا مگر پھر بھی وہ سپاہیوں کے لیے ناکافی تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ کو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس مہم میں شرکت کی درخواست کو مسترد کرنا پڑا جس پر بعض صحابہ رونے لگے کیونکہ انہیں اس مہم کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ دشمن کی متوقع قوت اتنی زیادہ تھی مسلمانوں کا مستقبل واضح طور پر داؤں پر لگا ہوا تھا۔

9 ہجری بمطابق 630 عیسوی کے اواخر میں سیریا کی جانب مدینہ سے 500 کلومیٹر کے فاصلے پر تبوک کی سرمئی پتھریلی پہاڑیوں کی جانب مسلم فوج روانہ ہوئی۔ سلطنت روم کے خلاف تیس ہزار مسلمان سپاہیوں پر مشتمل فوج آگے بڑھ رہی تھی۔ جزیرۃ عرب نے اس سے قبل اتنا عظیم الشان لشکر نہیں دیکھا تھا۔ اس کی کمان حضرت محمد ﷺ کے ہاتھوں میں تھی۔ روم ایک عظیم طاقت تھی اور اسلامی حکومت کی سرحدوں پر ایک لاکھ کی مضبوط فوج تعینات کی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جب اسلامی حکومت اپنی فوجی قوت کا مظاہرہ کر رہی تھی اور ایک غیر ملکی طاقت سے نبرد آزما ہونے جا رہی تھی۔

اس کے باوجود کہ مسلم فوج رومی فوج کے مقابل تعداد میں نہایت کم تھی۔ تاہم، محمد ﷺ کے عزم اور ارادے کو دیکھ کر دشمن مرعوب ہو گیا اور میدان جنگ میں آنے اور آپ ﷺ کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں جٹا پایا۔ آپ ﷺ کی یہ شجاعت و جرات پڑوسی علاقوں اور فوجی سربراہوں کے ساتھ معاہدات صلح اور دیگر سیاسی امور میں نہایت مفید ثابت ہوئی۔ اسی طرح وہ فوجی حملہ کی کوششوں کو ٹالنے اور عرب قبائل اور دیگر ممکنہ اسلام دشمنوں کو دبانے میں کارآمد ہوئی۔

بہر حال یہ کوشش کی گئی تھی کہ مہم کو بے کار نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ مسلم فوجیوں نے تمام جزیرۂ عرب پر رعب و دبدبہ پیدا کیا، شمال کے قبائل کو یہ احساس دلایا گیا کہ آپ ﷺ یہ اہلیت رکھتے ہیں کہ منظم اور وسیع پیمانہ پر ان کے خلاف فوج کو میدان میں لے آئیں۔ تبوک سے آپ ﷺ نے عیسائیوں اور یہودیوں کے قبائل سے معاہدے کیے کہ وہ اپنے مذاہب پر قائم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہیں اور کسی بھی حملے کی صورت میں اسلامی حکومت کے ذریعہ ان کی حفاظت کے بدلے میں جزیہ ادا کریں۔ اس طرح، جزیہ کا مفہوم واضح ہو گیا کہ یہ اسلامی ریاست کے وہ غیر مسلم شہری ادا کرتے ہیں جو ریاست کی فوجی اور دفاعی کارروائیوں میں شریک نہیں ہوتے۔ البتہ اس ٹیکس کے بدلے اسلامی ریاست ان کے دفاع، ان کی حفاظت اور ان کی زندگیوں کے تحفظ کو یقینی بناتی ہے۔

عراق اور سیریا کے راستے کو محفوظ بنانے کے لیے تبوک سے آپ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو شمال کی جانب دیگر قبائل سے اتحاد استوار کرنے کے لیے آگے بھیجا۔ یہ تمام مشن کامیاب رہے اور آپ ﷺ مسلم فوج کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔

وفود کی آمد

۹ ہجری کو ''سالِ وفود'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اب اسلامی ریاست نے ایسی طاقت اور شناخت حاصل کر لی تھی کہ تمام جزیرۂ عرب سے قبیلوں کے سفیر آپ ﷺ سے حلیفانہ معاہدے کرنے یا اسلامی ریاست کی تابعداری قبول کرنے، نیز اسلام قبول کرنے کے لیے آنے لگے تھے۔ سب سے پہلے بنو ثقیف آئے کیونکہ بنو ہوازن کے سردار مالک رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہو کر ان کا ایسا محاصرہ کیا ہوا تھا کہ وہ پڑوسی قبائل سے کوئی اتحاد نہیں کر سکتے تھے۔ (جن میں سے اکثر نے یا تو اسلام قبول کر لیا تھا یا محمد ﷺ کے ساتھ صلح کر لی تھی) بنو ثقیف نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کا اعلان کر دیا مگر وہ اسلام کے عقائد اور اعمال کے ساتھ کچھ سمجھوتہ کرنے کے خواہش مند تھے۔ یعنی اپنے بت ''لات'' کی پرستش کو بحال رکھنا اور اس کی عبادت کو مستثنیٰ رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن محمد ﷺ نے ان نکات پر گفتگو کرنے سے صاف انکار کر دیا، حالانکہ آپ ﷺ سے جو بھی مانگا جاتا وہ مان لیا کرتے تھے، اسلام قبول کرنے کا مطلب صرف ایک اللہ کی عبادت اور وحی و اسوۂ رسول ﷺ کے متعین کردہ اصولوں کے مطابق ہی عمل کرنا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھر ان لوگوں نے غیر مشروط طور پر اسلام قبول کر لیا۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے قبیلوں کے سفیر بھی آپ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں قبول اسلام کے لیے مجبور نہیں کیا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے شمالی قبائل کے لیے کیا تھا ویسا ہی آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے ان کے ساتھ معاہدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ اعانتی معاہدے کیے۔ یہ قبائل مجموعی فوجی ٹیکس (جزیہ) ادا کریں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان ان کے تحفظ اور دفاع کو یقینی بنائیں گے۔ چنانچہ، تمام جزیرۃ العرب میں، یہ پیغام نہایت واضح ہو گیا تھا کہ جن قبیلوں نے اسلام قبول کیا ہے انہیں دوسرے عقیدے یا نظام کے نظریہ کو ترک کرنا ہوگا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصول اسلام کے ساتھ کوئی بھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ جیسے جیسے ایمان وعقیدے کا اظہار ہو رہا تھا جاہلیت دم توڑتی جا رہی تھی، اور روزہ و نماز سے لے کر حج وزکواۃ تک تمام اسلامی اعمال کو مکمل نافذ کیا جا رہا تھا۔ البتہ وہ قبائل جو اپنی روایات اور رواجوں کے تئیں عقیدت مند رہنا چاہتے تھے ان کے لیے واضح ہدایت کے ساتھ معاہدہ ہوتا کہ دفاع کے بدلے جزیہ کی ادائیگی کرنی ہوگی۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلوں اور ان کے سرداروں کو ان دونوں متبادل میں سے کسی کو بھی اختیار کرنے کی پوری آزادی دے رکھی تھی جس کو تبوک سے واپسی کے بعد کئی مہینوں تک بہت سے قبائل نے استعمال کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقوق انسانی کا تصور

سن 632 میں حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں فرمایا: لوگو! آگاہ رہو کہ تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم علیہ السلام کے بیٹے ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے، یاد رکھو! کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر، کسی سرخ کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں، فضیلت تو بس اُس کی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔

مغربی تصور کے برعکس اسلام میں حقوق انسانی کی اصطلاح کی بجائے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا تصور ہے۔ اور اسلام میں ان دونوں ہی کی زبردست اہمیت ہے۔ تاہم عملی زندگی میں بہت بار حقوق العباد زیادہ قابل ترجیح ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اسلام میں صرف نماز و روزہ وغیرہ عبادات ادا کر لینے سے ہی دین کے تقاضے پورے نہیں ہو جاتے بلکہ انسانوں اور بندوں کے حقوق ادا کرنا بھی دین کا ضروری اور ناگزیر حصہ ہے۔ اور اس کے بغیر تو روزہ نماز بھی معتبر نہیں۔

مغرب بڑے زور وشور سے یہ پروپیگنڈا کرتا ہے کہ حقوق انسانی کا بنیادی تصور جو آج دنیا میں رائج ہے سب سے پہلے برطانوی ''میگنا کارٹا'' سے متعارف ہوا۔ لیکن وہ آسانی سے یہ بھول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے کہ "میگنا کارٹا" تو اسلام کی آمد کے چھ سو سال بعد وجود میں آیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ حقوق انسانی کا مجموعی تصور اور ماڈل مذہب اور رنگ ونسل کے امتیازات سے قطع نظر تو پیغمبر اسلام ﷺ نے دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ہی تاکید کی کہ آدمی کی اصل قیمت اور شرف اس کا اچھا کردار اور حسنِ عمل ہے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ:

يَآأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور کنبے اور قبیلے بنا دیے ہیں اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔[1]

قرآن کی اس آیت میں تمام انسانیت سے خطاب ہے یہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں۔ آیت اس پر زور دیتی ہے کہ تمام انسانوں کی اصل ایک ہے۔ ان کے ماں باپ ایک ہیں۔ وہ سب مٹی سے بنے ہیں اور قبیلوں و برادریوں اور رنگ ونسل کے فرق سب محض پہچان اور تعارف کا ذریعہ ہیں۔

دنیا کے سب انسانوں کی حیاتیاتی وحدت ایک حقیقت ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔" آپ ﷺ کی زندگی میں اس کی عملی مثال بھی ہے۔ ایک بار آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھے کہ ایک جنازہ گزرا، آپ ﷺ جنازہ کے احترام میں کھڑے ہو گئے، مسلمانوں کو حیرت ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "أليست نفساً" "کیا یہ انسان نہ تھا؟ اسلام انسانی زندگی کو اتنی زیادہ اہمیت دیتا ہے کہ قرآن پاک نے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا تذکرہ کیا جن میں سے ایک (قابیل) نے دوسرے کو قتل کر دیا تھا، اس قصہ کو نقل کرکے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

[1] الحجرات:13

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ
نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ
جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ
جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ
فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾

اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس (سبب) کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور ان کے پاس ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے۔[1]

حضرت آدم رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کے حوالہ سے قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ قابیل کے ذریعہ اپنے بھائی ہابیل کا قتل انسانی تاریخ کا پہلا قتل تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ انسانی کے وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے حقوق انسانی کا ایک مکمل منشور دیا جس میں وہ بنیادی حقوق بھی شامل ہیں جو اسلامی سیاست اور اسلامی دستور کا بنیادی حصہ ہیں۔

ذیل میں ہم اسلام انسانی حقوق کے منشور کے اساسی قواعد وضوابط ذکر کرتے ہیں جو اس سلسلہ میں اسلام کے نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتے ہیں:

[1] ذات برادری اور نسل و نسل کے فرق و امتیاز سے قطع نظر اسلام کی نظر میں تمام انسان ایک ہی اصل سے ہیں۔ سب برابر ہیں اور ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔ یہ اسلام کا اصل الاصول ہے اور اسلامی حقوق انسانی کے چارٹر میں اس شق کی حیثیت اساسی قاعدہ کی ہے۔

[2] اسلامی زندگی انسان پروری سے بے انتہا متاثر ہے اور اسلام اس بات پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے کہ تمام انسانوں کو زندہ رہنے کا حق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کو آزاد کر کے اور انہیں مساوی انسانی رتبہ دے کر اس کی عملی مثال قائم کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کو

---

[1] المائدہ:32

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زندہ درگور کرنے پر شدید نکیر کی اور انسانوں کے باہمی تعلقات میں احسان، بے لوثی اور جذبہ قلبی پر بہت زور دیا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حالت جنگ میں بھی انسانی حقوق کی ادائیگی اور جنگی اخلاقیات کو برتنے پر زور دیا ہے۔

۳ حقوق انسانی کے اسلامی منشور میں یہ بھی شامل ہے کہ عدل وانصاف کو بنیادی مقام دیا جائے۔ ایک اسلامی ریاست میں تمام شہری یکساں حقوق رکھتے ہیں۔ ہر شہری مسلمان ہو یا غیر مسلم، کو شہری حقوق یعنی روزگار کے مواقع اور سیاسی امور میں حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔ اسلامی ریاست ایک ایسی منفرد ریاست ہے جہاں اسلامی دستور مملکت کے صدر تک کو کوئی خصوصی امتیاز نہیں دیتا۔ قانون کے آگے مملکت کے بھی شہری اور ملک کا حکمراں سب برابر ہیں۔

۴ ماضی قریب کے دو حالیہ عشروں تک مغربی سماجیات میں رواداری اور تکثیریت کو بہت کم جگہ ملی ہے۔ لیکن پیغمبر اسلام ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اب سے 14 سو سال پہلے ہی پر امن بقائے باہم اور برداشت و رواداری کے اصول قائم کر دیئے اور ان پر عمل کر کے دکھا دیا تھا اس اسلامی ریاست کے شہری صرف مسلمان ہی نہ تھے بلکہ یہودی، نجران کے نصرانی اور مشرکین عرب سب شامل تھے۔ ان کو مذہبی، ثقافتی اور عدالتی آزادی اور خود اختیاری دی گئی تھی۔ اسلامی ریاست نہ صرف یہودیوں اور عیسائیوں کا تحفظ کرتی تھی بلکہ ان کے تشخص کی بقا کی ذمہ دار بھی تھی۔

۵ اسلامی ریاست کے تحت اقلیتوں کے حقوق کا جو تحفظ کیا گیا اس کی مثال پیش کرنے سے پوری تاریخ قاصر ہے۔ آپ ﷺ نے پوری قوت سے ارشاد فرمایا: ''جو بھی کسی ذمی (اسلامی حکومت کا غیر مسلم شہری) پر زیادتی کرے گا تو قیامت کے دن میں اس کا گریبان پکڑ لوں گا۔''

۶ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کے حقوق کا ایک منشور بھی جاری کیا جس میں درج ذیل حقوق کی یقین دہانی کرائی گئی تھی۔

- اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے نجران کے لوگوں (عیسائیوں) کے لیے یہ یقین دہانی کرائی جاتی ہے کہ ان کی زندگی، مذہب، زمینوں اور جائیدادوں کی حفاظت کی جائے گی۔
- ان کی موجودہ حالت میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جائے گی ان کے تمام حقوق کا تحفظ ہوگا۔
- ان کے کاروبار، تجارتی کاروانوں اور تجارتی وفود کی حفاظت ہوگی۔ کسی پادری کو اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے عہدے سے الگ نہیں کیا جائے گا نہ کسی راہب کو اپنے طریقہ زندگی کے مطابق رہنے سے روکا جائے گا۔

❁ گرجوں کے محافظ پادریوں کو پریشان نہیں کیا جائے گا۔ وہ بغیر کسی مداخلت کے اپنے فرائض ادا کر سکیں گے۔

❁ مسلمان فوج ان کے علاقہ میں داخل نہیں ہوگی۔

❁ عیسائیوں سے عشر ٹیکس نہیں لیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے پرزور لہجہ میں فرمایا: جو بھی کسی ذمی پر ظلم کرے گا تو قیامت کے دن اس کی طرف سے میں اس کا دامن پکڑوں گا''

ک حقوق انسانی کا اسلامی منشور خواتین کو بھی ایک باعزت اور قابل احترام پوزیشن دیتا ہے۔ تعلیم، ازدواجی رشتوں، جائیداد کی ملکیت اور میراث جیسے مسائل میں ان کے قانونی اور واجبی حقوق کا پورا تحفظ کرتا ہے۔

قرآن اور انسانی شرف

قرآن میں واسطہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ہر فرد خود اللہ تعالیٰ سے ذاتی تعلق رکھتا ہے اور آخر کار ہر مرد و عورت کو اپنے کیے کا خود ہی حساب دینا ہے۔ یہ قرآن کا بنیادی اصول ہے جو یوں بیان ہوا ہے کہ:

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ

ہر نفس کو اپنا حساب دینا ہے، کوئی نفس دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔[1]

البتہ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ورحیمیت کے مدنظر ہم دوسروں کے لیے معافی ودرگزر کی دعا کر سکتے ہیں۔ ہم فرد واجتماع دونوں حیثیتوں سے کچھ حقوق رکھتے ہیں تو ساتھ ہی کچھ ذمہ داریاں بھی ہمیں دی گئی ہیں۔ قرآن کے اندر حقوق انسانی کا تصور دراصل انسانی عز وشرف کی بنیاد پر ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ہم نے انسان کو مکرم بنایا ہے لہٰذا اس کے شرف سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا:

---

[1] الانعام:164

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝۷۰

ہم نے آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو مکرم بنایا ہے اور بہت سی مخلوقات پر ان کو فضیلت دی ہے۔ [1]

یہ انسانی شرف نہ عمل کی بنیاد پر ملتا ہے نہ عمل صالح پر ہی موقوف ہے بلکہ یہ اللہ کی طرف سے فطری طور پر عطا کردہ ہے۔ انسان ٹھیک ہو یا بد، کسی بھی نسل اور رنگ کا ہو، کسی بھی عقیدہ و مذہب کا ماننے والا ہو سب کو اللہ نے عزت دی ہے اور اس احترام کو برقرار رکھنا ہو گا۔

انسانی شرف کا تصور قرآن کے عدل و مساوات کے تصور سے مربوط ہے جس کو قرآن نے غیر مشروط طور پر بڑی اہمیت دی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

اے ایمان والو، اللہ کے لیے قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو، اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اس پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو، یہی تقوی سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ [2]

قرآن کے اس بنیادی حق انسانی کی بازگشت ہمیں 1948 کے حقوق انسانی کے عالمی اعلامیہ میں سنائی دیتی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے

''تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور شرف و حق میں سب برابر ہیں۔ ان کو عقل و شعور سے نوازا گیا ہے، لہٰذا سب کو ایک دوسرے سے اخوت کا برتاؤ کرنا چاہیے''۔

اس کے علاوہ انسانی حقوق کے اعلامیہ کے اور بھی بہت سے اصول قرآن

[1] بنی اسرائیل: 70

[2] المائدہ: 8

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں دیکھے جاسکتے ہیں، مثال کے طور پر

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ

کسی جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے محترم بنایا ہے۔[1]

اس کے معنی یہ ہیں ''ہر شخص کو زندگی کا، آزادی کا اور جان کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(ہیومن رائٹس دفعہ 3)

قرآن کہتا ہے

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ

جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔[2]

اس کے معنی یہ ہیں کہ ''ہر شخص کو ہر جگہ قانون کے سامنے ایک قانونی شخص مانا جائے گا'' اور سب قانون کی نظروں میں برابر ہوں گے اور بلا کسی امتیاز کے سب کو مساوی قانونی تحفظ ملے گا''

(ہیومن رائٹس دفعہ 7-6)

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔[3]

کی تشریح یوں کی جاسکتی ہے کہ ''ہر شخص کو ملکیت کا حق ہے کسی بھی شخص کو اس کی ملکیت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ (حقوق انسان، دفعہ 17)

قرآن کا یہ حکم کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا
خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ ۖ
وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ
الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

---

[1] بنی اسرائیل:33

[2] النساء:48

[3] البقرۃ:188

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الظّٰلِمُوْنَ⑪

مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں۔ اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ

ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر نہ کرو، ایک دوسرے کو بدنام نہ کرو، برے ناموں سے پکار کر دوسروں کی توہین نہ کرو، کسی کی چغلی نہ کھاؤ اور غیبت نہ کرو اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ لگو۔ [1]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ

دوسرے کے گھر پر اس کی غیر موجودگی میں نہ جاؤ۔ [2]

ان کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو دوسرے کی نجی زندگی، فیملی، گھر اور مراسلت میں تاک جھانک کرنے کی اجازت نہ ہوگی، نہ دوسرے کی عزت و شہرت پر حملہ کرنے کی۔ ہر آدمی کو اِس قسم کے حملوں اور مداخلتوں سے قانون کا تحفظ حاصل ہوگا (حقوق انسانی دفعہ 12)

اس سے قبل ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن قوموں اور افراد کو گھروں سے نکالنے اور جلاوطن کرنے سے منع کرتا ہے اور ہدایت دیتا ہے کہ جو پناہ مانگے اُسے پناہ دو، یہ احکام بھی حقوق انسانی کی دفعہ 17 کے مطابق ہیں۔ یہ تو بالکل واضح ہے کہ قرآن کے بیان کردہ بہت سارے حقوق انسانی کو اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کے اعلامیہ میں جگہ دی گئی ہے۔ مگر قرآن اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ:

[1] الحجرات: 11-12

[2] النور: 27

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شرف واحترام والی زندگی اسی وقت مل سکتی ہے جب آدمی کی بنیادی ضرورتیں کھانا، کپڑا اور مکان پوری ہوں، اس لیے بھوکے کو کھانے کا ننگے کو کپڑے کا اور بے گھر کو گھر دیئے جانے کا حق ہے۔ مفلس ونادار کو مال دیا جائے،

وَفِيٓ أَمْوَٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَٱلْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾

اوران کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا تھا۔ [1]

ان کو یہ حق انفرادی اور اجتماعی دونوں مالوں میں حاصل ہوگا۔

قرآنی دائرہ میں انسانی عزوشرف ہر فرد اور ہر قوم کا مطلق حق ہے، اسی طرح زندگی کی وہ بنیادی ضرورتیں بھی ان کا حق ہیں جن کے بغیر زندگی چل نہیں سکتی۔ اللہ کی نعمتوں کو پابند نہیں کیا جاسکتا۔ ہر شخص کو محتاجی اور شدید غربت وغیرہ سے چھٹکارے کا حق ہے جس سے کہ انسانی شرف کو بٹہ لگتا ہے۔ تو قرآن نے ان چیزوں میں درمیانی راہ اختیار کی جن میں اقوام متحدہ سیاسی اور نظریاتی طور تقسیم ہوگی اور پھر ان چیزوں کو حقوق انسانی کے متبادل منشور میں شامل کیا گیا جن کو ''عالمی اعلامیہ برائے اقتصادی وثقافتی حقوق کا نام دیا گیا''۔ قرآن نے جو معتدل طریقہ اختیار کیا ہے اُس میں وہ اقوام متحدہ کے معاہدوں کے پیچھے جو سازشیں ہوتی ہیں ان سے بہت اونچا اور بالا نظر آتا ہے۔ اقوام متحدہ کے مختلف اعلامیوں اور قرآن کے حقوق انسانی کے فریم ورک میں فرق یہ ہے کہ قرآن نے حقوق وفرائض کو یکساں اہمیت دی ہے۔ انسانوں کو بقا کا حق اُسی وقت تک ہے جب تک وہ کائنات کو برقرار رکھنے کے فرض کو انجام دیتے ہیں، یعنی کائنات میں اللہ کے امین یا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے وہ تمام ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کریں جو اللہ نے ان کو دی ہیں۔ مغربی فکر میں فرد کو ساری اہمیت دے دی گئی ہے۔ اس کے برعکس قرآن فرد واجتماع دونوں کو یکساں اہمیت دیتا ہے۔ مغرب کی لبرل روایت میں سارا زور فرد کی شخصی آزادی عمل پر ہے جبکہ قرآن میں زیادہ زور اس کے وجود کی صلاحیت پر ہے۔ قوم کے لیے صرف بقا ہی ضروری نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ افراد کو ایسا معاشرتی، ثقافتی اور روحانی ماحول فراہم کرے جہاں وہ اپنے پورے امکانات کو بروئے کار لاسکیں۔ مجموعی طور پر قرآن کی توجہ صرف انسانی حقوق پر نہیں

---

[1] الذاریات: 19

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ انسانیت کے حقوق پر ہے جن میں فرد کی انسانیت بھی شامل ہے۔

نوجوانوں کی حوصلہ افزائی

مدینہ لوٹنے کے چند ماہ بعد سن 11 ہجری میں حضرت محمد ﷺ نے شمال میں شام و فلسطین کی جانب ایک مہم بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ جہاں کچھ عرصہ پہلے موتہ کی جنگ میں آپ ﷺ کے تین تین جانثار صحابی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ مگر ہر آدمی کو اس وقت حیرت ہوئی جب آپ ﷺ نے اس لشکر کی قیادت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمائی۔ جو اس وقت صرف 20 سال کے تھے حالانکہ تین ہزار مجاہدین کے اس لشکر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور جیسے اکابر صحابہ بھی موجود تھے۔ آپ ﷺ کے اس انتخاب پر چہ میگوئیاں ہوئیں۔ مگر آپ ﷺ نے تمام بحث و مباحثہ اور حجت بازی کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ "تم لوگ اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت پر تنقید کرتے ہو اس سے پہلے تم ان کے والد زید رضی اللہ عنہ کی قیادت پر نقد کر چکے ہو، اسامہ رضی اللہ عنہ ایک قابل نوجوان ہیں جیسا کہ ان کے والد زید رضی اللہ عنہ بھی قیادت کے لائق تھے۔"

اصل میں حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اس لیے بعض لوگوں نے ان کی قیادت پر اعتراض کیا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت پر اعتراض کی یہ وجہ بھی رہی ہوگی اور دوسری وجہ ان کی کم عمری تھی۔ اس انتخاب کی توثیق کر کے آپ ﷺ نے یہ بتا دیا کہ صلاحیت کے آگے آدمی کی سماجی حیثیت یا عمر نہیں دیکھی جاتی۔ اگر فرد میں مطلوبہ روحانی عقلی اور اخلاقی اوصاف موجود ہیں تو اس کی قیادت کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں۔ بلکہ معاشرہ میں اگر سب سے زیادہ غریب اور سب سے کم عمر بھی مطلوبہ صلاحیتیں رکھتا ہو تو اسے بھی موقع ضرور دینا چاہیے کہ وہ اپنی مہارتوں اور صلاحیتوں کا اظہار کر سکے۔ مزید برآں عمومی سطح پر یہ اکابر صحابہ کو انکساری اختیار کرنے کا ایک سبق بھی تھا کہ ایسے کمانڈر کی اطاعت کر کے جو ان کے بیٹوں کی عمر کا ہو وہ جہاد اکبر اور داخلی جہاد کا تجربہ کر رہے تھے۔ پھر یہ کہ بڑی عمر کے لوگوں کا وقت ختم ہو رہا تھا اور انہیں نوجوان نسل کو آگے آنے اور قیادت کرنے کا موقع دینا چاہیے۔ یہی سبق حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امارت سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو دیا کہ پرانی نسل نوجوان نسل کو ذمہ داریاں تفویض کر کے عقل مندی اور دانائی کا ثبوت دے۔تاکہ نئی نسل جو اقدام اور تعمیر نو کی کہیں زیادہ اہلیت اور قوت رکھتی ہے اپنی صلاحیت سے معاشرہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکے۔

سنہری نسل

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بڑا کارنامہ اور انسانیت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دین یہ بھی تھی کہ صحابہ کرام کی بشمول مردوں وعورتوں کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تربیت کی اور اس طرح کی کہ وہ تقوی، خلوص، ایمان وایقان اور صداقت کے تابناک نمونے بن گئے۔جیسا کہ وہ برداشت، تحمل، رحم، برابری، مساوات اور عدل کے علمبردار بن گئے۔ایک ایسی جماعت جو اپنی بلند صفات سے ممتاز ونمایاں تھی۔یہ ایسا عظیم کارنامہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی پیغمبر، ولی، مصلح اور مذہبی رہنما کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں ہو سکا۔اصل میں خود اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس خصوصی مشن پر مامور فرمایا تھا:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢﴾

وہی ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں خود انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔تاکہ ان کو خدا کا پیغام پہنچائے۔ان کا تزکیہ کرے، ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے یقیناً اس سے پہلے وہ ایک کھلی گمراہی میں تھے۔[1]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خام مواد کو لیا اور زر خالص میں اس کو بدل دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے ساتھ رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے ہر پہلو سے متعلق لوگوں کو تعلیم دی، ان کی سرگرمیوں کی نگرانی کی، ان کے جذبات اور ان کی غمی اور خوشی میں ان کے ساتھ رہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سکھایا کہ دن نکلنے سے لیکر رات ختم ہونے تک وہ کس طرح ایک مسلمان کی زندگی گزاریں۔جب

[1] الجمعہ:62

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائیں تو کیا کہیں اور جب سوئیں تو ان کی زبان پر کون سا کلمہ ہو۔ اور یہ بھی آپ ﷺ نے ان کو سکھایا کہ سونے د جاگنے کے بیچ میں وہ کیا کریں، کوئی بھی چیز چھوٹی نہیں۔ اور یہ آپ ﷺ نے محض چند لوگوں کے لیے یا کچھ خاص منتخب افراد کے لیے نہیں کیا بلکہ پوری نسل کے لیے کیا، کیا مرد، کیا عورت، کیا بچے کیا بوڑھے، کیا کالے کیا گورے آقا اور غلام، عرب اور غیر عرب اور زندگی کے ہر میدان سے تعلق رکھنے والے، سب کی آپ ﷺ نے تربیت کی۔ تاکہ سب بڑے بن جائیں، سب مہذب، صحبان اخلاق اور دوسروں کو تحریک دینے والے بن جائیں۔ اور یہ سب آپ ﷺ نے اپنی معجزانہ قیادت سے کیا اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے یہ سب ممکن ہو سکا۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے صحابہ کو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے فارمولے کے مطابق دین کے سانچے میں ڈھالا، ان کو اللہ کے رنگ میں رنگ کر ساری انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے تیار کیا۔ مختصر کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ سے اونٹوں کی مہار لے کر ان کے ہاتھوں میں دنیا کی کمان دیدی۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ 10000 صحابی تھے اور حجۃ الوداع کے موقع پر ان کی تعداد بڑھ کر م وبیش 1440000 ہو چکی تھی۔ ممکن ہے کہ ان میں سے ہر مرد و عورت نے براہ راست آپ ﷺ سے تربیت نہ پائی ہو، اگرچہ 23 سالہ دورِ نبوت میں یقیناً ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم نے تربیت پائی، اور مختلف معیاروں پر ان لوگوں نے زندگی کے ہر پہلو سے متعلق ضروری معلومات اور تربیت حاصل کر لی تھی اور اس کے بعد انہوں نے یہ تعلیم و تربیت دوسروں کو دی۔ انہوں نے اسلام کو کامل معنیٰ میں گزار کر دکھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ انسانی تاریخ میں اپنے آپ میں ایک بڑا کارنامہ ہے۔

یہ مرد و عورت جو اس امت کے صدر اول یا پہلی صدی سے تعلق رکھتے ہیں، انسانی اخلاقیات کے بلند نمائندے تھے۔ وہ آسمان کے چمکتے ستاروں کی مانند تھے۔ تاریخ انسانی نے ان جیسی کوئی نسل پھر نہیں دیکھی۔ انہوں نے اپنے بعد والوں اور انہوں نے اسی طرح اپنے بعد والوں کو یہ دین پہنچایا اور اس طرح چلتا ہوا یہ آج کی نسلوں تک پہنچا ہے۔ یعنی کہا جا سکتا ہے کہ محسن انسانیت کے نمونہ پر لاکھوں مثالی نمونے وجود پذیر ہوئے اور اپنی تابانی سے دنیا کو منور کر گئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اخلاقیات جنگ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوعمر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ہدایات دیں اور فوراً کوچ کرنے کو کہا۔ مگر رسول اکرم ﷺ کے ناگہانی مرض کی وجہ سے ان کی روانگی مؤخر ہوگئی اور فوج مدینہ کے قریب ہی انتظار کرتی رہی۔ چند ہفتوں بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو فوج کی روانگی کا حکم دیا۔ انہوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اخلاقیات جنگ سے متعلق رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کی یاددہانی کرائی۔ دشمنوں سے مقابلہ کرتے وقت مسلمانوں کو ان بنیادی تعلیمات کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا:

۱ بچوں، عورتوں، ضعیف و بوڑھے لوگوں کو قتل مت کرنا۔

۲ فریب دہی کی کوئی کارروائی انجام مت دینا، راہِ حق سے منحرف مت ہونا اور نہ ہی حق کو نقصان پہنچانا۔ پیڑوں اور درختوں کو تلف نہ کرنا، گھروں اور کھیتوں کو نذرِ آتش نہ کرنا، پھلدار درخت کو مت کاٹنا اور مویشیوں کو قتل نہ کرنا سوائے اس صورت کے کہ تمہیں کھانے کی ضرورت پیش آجائے۔ جب تم آگے بڑھو گے تو تمہیں کچھ گوشہ نشین افراد ملیں گے جو خانقاہوں کے اندر تنہائی میں اللہ کی عبادت کرتے ہوں گے، ان سے درگزر کرنا، انہیں قتل مت کرنا اور نہ ہی ان کی عبادت گاہوں کو برباد کرنا۔

یہ نہایت بنیادی اور اہم تعلیمات تھیں اور حالاتِ جنگ کی مختلف صورتوں میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ دی گئی ہدایات کی روشنی میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بتائی گئیں۔ ان چند جملوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد ﷺ کی جنگی تعلیمات کے اصولوں کو بیان کردیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیئسواں باب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تصور جنگ

قبل از اسلام کی اور غیر اسلامی جنگیں محض لوٹ، قتل، تشدد، غارت گری اور جارحیت پر مبنی جنگوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ ان جنگوں کا مقصد فتحیابی، کمزوروں کا استحصال، گھروں، فصلوں، کھیتوں و کھلیانوں حتی کہ تمام گاؤں و قصبات کو تباہ و برباد کرنا ہوتا تھا۔ ان کے لیے جنگ عورتوں کی عزت و ناموس سے کھیلنے، بوڑھوں، بچوں اور جانوروں سے جارحیت سے پیش آنے اور زمین پر فتنہ و فساد پھیلانے کا ذریعہ محض ہوا کرتی تھیں۔ اخلاقی اصولوں کی حد میں رہ کر جنگ کرنے کا نظریہ لمبے عرصہ سے انسانی شعور سے عنقا ہو چکا تھا۔

اسلامی جنگیں قبل از اسلام کی لڑائیوں اور غیر اسلامی جنگوں سے یکسر مختلف ہیں۔ اسلام کے اندر ''جنگ'' ایک ایسے معاشرے کے قیام کے لیے راہِ خداوندی میں عظیم و مقدس جدو جہد کرنا ہے جو انسانوں کو ظلم، تشدد اور جبر سے آزاد کرنا چاہتا ہے۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قبل از اسلام کی لڑائیوں اور غیر اسلامی جنگوں کے پیمانوں اور مقاصد کو یکسر بدل دیا۔

''جہاد فی سبیل اللہ'' (راہِ خدا میں مزاحمت)

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دوران جنگ متعدد اہم اخلاقی اصول کی تعمیل پر زور دیا۔ اولاً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بنیادی طور پر جنگ کے بنیادی نظریئے اور تفہیم کو از سرِ نو ترتیب دیا۔ ''جہاد فی سبیل اللہ'' (راہِ خدا میں مزاحمت) کی بالکل نئی اصطلاح کو متعارف کرا کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خالص مادی یا شخصی مفادات یا ذاتی فوائد کے محرکات سے جنگ کو پاک کر دیا۔ جہاد کے معنی ''جدو جہد'' یا ''مزاحمت'' ہے یا کسی کے ذریعہ عائد کردہ ناانصافیوں اور ظلم و جور کو دور کرنے کی منظم کوشش کو کہا جاتا ہے۔ فی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سبیل اللہ (راہ خدا میں) کے اضافہ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ جنگ تفاخر، تکبر، شخصی عزت یا لوگوں کو دبانے کے لیے نہیں ہونی چاہیے۔ اس عقیدے نے ایک رابطہ کا کام کیا جس نے اصولِ جنگ کو ایک دوسرے سے یکجا کر دیا اور اس سے وابستہ تمام ممکنہ جارحیت کو قابو میں رکھا۔

جب منافقین اور یہودیوں کے نام بھیجی گئی مراسلت سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوئے تو قریش نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف معاشی حربے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ قریش کے لوگ تاجر تھے اور اقتصادی محاذ آرائی کے لیے سوداگروں کا موثر ہتھیار اقتصادی بائیکاٹ یا معاشی ناکہ بندی ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا قریش نے جزیرۃ العرب کے شمال میں واقع تجارتی راستوں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور مدینہ کو کچھ اس طرح اقتصادی محاصرہ میں جکڑ دیا کہ ہر قسم کی اشیا صرف مدینہ پہنچنا بند ہو گئیں۔ اگر یہ واقعہ مکہ میں ہوتا تو وہاں کے سارے باشندے بھوک کی شدت سے ہلاک ہو جاتے کیونکہ مکہ میں نہ تو زراعت ہوتی تھی اور نہ ہی باغات تھے لیکن مدینہ کے مضافات میں کھیت اور باغات موجود تھے جہاں سے اشیا ضرورت مدینہ پہنچتی رہتی تھیں۔ اس کے باوجود مدینہ کے شہری اشیا خورد و نوش کی قلت کے شکار ہو گئے اور مدینہ میں اشیا ضرورت کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی جانب سے مدینہ کی معاشی ناکہ بندی پر بہت افسوس تھا اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی احساس تھا کہ قریش نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سارے مدینہ کو سزا دے رکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

> جب مدینہ اقتصادی ناکہ بندی سے دوچار تھا اور کھانے پینے کی چیزیں بھاری قیمت پر فروخت ہو رہی تھیں تو ان دنوں ہمارے گھر میں کھانا پکانے کی غرض سے آگ نہیں جلتی تھی اور وہ زمانہ ایسا تھا کہ ہم نے کبھی بھی مسلسل دو دن روٹی نہیں کھائی۔

جب مدینہ کی معاشی ناکہ بندی نے شدت اختیار کر لی اور عام لوگ اشیا صرف کی قلت کے باعث پریشان رہنے لگے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ مذہبی رہنمائی کے ساتھ اب ایک سیاسی قائد کے فرائض بھی ادا کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس دن حکومت یا انتظامیہ وجود میں آتی ہے تو ایک حکمران اور قائد کے پاس دشمن سے مقابلہ کے لیے صرف دو ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راستے ہوتے ہیں، ایک سیاست اور دوسرا جنگ۔ بالکل ایسے ہی جیسے انسانی تمدن کے آغاز سے لے کر آج تک جو بھی انسان کپڑے سینا چاہے تو اسے سوئی اور دھاگے اور قینچی کا سہارا لینا پڑتا ہے اور کپڑے کی سلائی کے لیے اس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح کسی سربراہ مملکت کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے مذکورہ دونوں حربوں یعنی سیاست اور جنگ میں سے کسی ایک کو اختیار کرے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کو معلوم ہو چکا تھا کہ سیاسی حربوں سے اب کام چلنے والا نہیں لہٰذا آپ ﷺ نے اب دوسرے طریقہ یعنی جنگ کو آزمانے کا فیصلہ کیا اور تلوار نیام سے نکال لی۔

بلا شبہ محمد ﷺ اس عظیم کام کی تکمیل میں کامیاب رہے۔ ہمیں پوری اسلامی تاریخ میں انسانوں کے خلاف ظلم کا کوئی واقعہ نہیں ملا۔ اور یہودیوں کو تو اسلامی ریاست نے آزادی اور سکون فراہم کیا جو کہ رومیوں اور دیگر اقوام کے ذریعہ ظلم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ اس نئے نظریۂ جنگ کے تحت محمد ﷺ نے قوانین کا جامع نسخہ متعارف کرایا جس میں انعقادِ جنگ، اس کی اخلاقی حدود، مشمولات، حقوق و فرائض، جنگجو اور نہتے افراد کا فرق اور ان کے حقوق، سفرا کے حقوق، جنگی قیدیوں اور مفتوحہ اقوام کے حقوق کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ یہ تمام اصول محمد ﷺ کے ذریعہ واضح اور غیر مبہم طور سے بیان کیے گئے ہیں۔

محمد ﷺ نے انسانی زندگی کی حرمت و تقدس پر زور دیا خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو۔ آپ ﷺ نے اس آیت کریمہ کو زندہ و جاوید کر دیا۔

أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۔

اگر کسی نے بغیر قتل یا زمین میں فساد مچانے کی وجہ کے علاوہ سے کسی کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام نوع انسانی کو قتل کیا۔ [1]

الٰہی ہدایات کی روشنی میں آپ ﷺ نے جنگ کو تمام خودغرضانہ محرکات اور حقیر و ذلیل مقاصد سے پاک و صاف کر دیا۔

[1] المائدہ:32

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروؤں نے ان اصولوں کو برتنے کی عموماً قابل ذکر مثالیں پیش کی ہیں۔ گرچہ ان سے بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں اور ہوئی ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈکیتی، لوٹ پاٹ، رہزنی اور ظلم کو یکسر ممنوع قرار دے دیا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جنگ میں عام بات ہوا کرتی تھی۔ مثلاً ایک مہم کے دوران ایک مسلمان نے کسی بدو کی بھیڑ چرالی اور پکا کر کھانا چاہا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں گئے اور اسے پھینک کر فرمایا: ''لوٹ کا مال مردار سے زیادہ حلال نہیں ہے۔'' (کیونکہ مسلمانوں کو مردار کھانا حرام ہے)

خیبر امن معاہدہ پر جب دستخط ہوئے تو کچھ مسلم نوجوانوں نے لوٹ پاٹ شروع کر دی۔ یہودی رہنما آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئے کہ

''کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لوگوں کے لیے ہمارے خچروں کو ذبح کرنا، ہماری فصلوں کو تلف کرنا اور ہماری عورتوں کو مارنا جائز ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ہی پوری فوج کو مسجد میں نماز کے لیے یکجا ہونے کا حکم دیا اور فرمایا

اللہ نے تم کو اہل کتاب کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے، ان کی عورتوں کو زدوکوب کرنے اور ان کی فصلوں کو تلف کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

اگر راستے میں دودھ والا جانور ملتا اور فوج کو دودھ کی ضرورت ہوتو بغیر اجازت کے وہ اس کا دودھ نہیں لے سکتے۔ حالاتِ جنگ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قانون واحترام کی بالادستی کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اسکی کوئی مثال آج کی جدید قوموں کے ہاں بھی نہیں ملتی ہے۔ یہ بات ان موجودہ متعدد مسلم جنگجوؤں پر بھی صادق آتی ہے جو اپنے کاموں کے جواز میں اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔

جنگ حنین کے خاتمہ کے موقع پر، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو زمین پر پڑی ہوئی ایک عورت کے گرد کھڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کہ اسے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہے (حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت غضبناک ہوئے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کہلوا بھیجا ''خدا کے پیغمبر نے بچوں،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عورتوں اور غلاموں کو قتل کرنے سے منع کر دیا ہے۔'' آپ ﷺ نے اس وقت بھی ان کی سرزنش کی جب انہوں نے ایک جنگ کے موقع پر ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ان دونوں واقعات میں پیغام ایک ہی تھا: آدمی کو دشمن کے فوجیوں سے ہی لڑنا ہے، ان سے بالکل نہیں لڑنا جو براہ راست جنگ میں حصہ نہیں لے رہے ہوں یا کوئی نقصان نہ پہنچا رہے ہیں۔ جنگ موتہ کے موقع سے فوج بھیجنے سے قبل آپ ﷺ نے صریحاً یہ اعلان فرما دیا ''تم خیانت نہیں کرو گے، تم دھوکہ نہیں دو گے، تم مثلہ نہیں کرو گے، نہ ہی بچوں کو قتل کرو گے اور نہ ہی عبادت گاہوں میں گوشہ نشیں بزرگوں کو تکلیف پہنچاؤ گے اور نہ قتل کرو گے۔''

اسلام سے قبل عرب وعجم دونوں ہی انتقام کی آگ میں اپنے دشمنوں کو عموماً زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ محمد ﷺ نے اس کو واضح طور سے ممنوع قرار دیا اور فرمایا ''کوئی آگ سے سزا نہیں دے سکتا سوائے آگ کے مالک (خدا) کے۔'' آپ ﷺ نے دشمنوں کے لاشوں کے اعضا کا مثلہ کرنے اور ان کی بے حرمتی سے منع فرمایا۔

آپ ﷺ نے جنگی قیدیوں کے قتل کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ''زخمی کو قتل نہ کرو، بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرو۔

آپ ﷺ نے نہایت شد و مد کے ساتھ فرمایا کہ کوئی وعدے نہیں توڑ سکتا، اور معاہد کو قتل نہیں کر سکتا، امن معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی جانی چاہیے، اگر تم نے کسی قوم سے معاہدہ کیا ہے تو اس میں کوئی تبدیلی وتغیر نہیں ہو سکتا جب تک وہ معاہدہ ختم نہ ہو جائے۔

آج جب کہ جنگ کی حالت مسلسل بنی ہوئی ہے اور حفظ ماتقدم کے طور پر حملے کر دیئے جاتے ہیں۔

یہ تعلیمات رسول اللہ ﷺ کی انصاف پسند شخصیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ جنگ کبھی بھی مطلوب نہیں رہی، مگر جب مسلمانوں کو جنگ پر مجبور کر دیا گیا یعنی یا تو جنگ ان پر مسلط کر دی گئی یا ان کے وجود وبقا کا مسئلہ بن گئی تو انہوں نے سختی کے ساتھ آداب جنگ کی پابندی کی تھی اور اگر دشمن جنگ چھوڑ کر صلح کی طرف مائل ہوتا تو انہیں بھی قرآنی حکم کے مطابق جنگ روک دینی ہوتی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾

اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ، اور اللہ پر بھروسہ رکھو، یقیناً وہ بہت سننے اور جاننے والا ہے۔ [1]

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کی حرمت و تقدس پر زور دیا خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ انہوں نے قرآن کی ذیل کی آیت کریمہ کو حالت جنگ میں بھی معمول بہ بنا دیا۔

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

اگر کسی نے بغیر قتل یا زمین میں فساد مچانے کی وجہ کے علاوہ سے کسی کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام نوع انسانی کو قتل کیا۔ [2]

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے تمام پہلوؤں کو نہایت بہترین انداز سے منظم و مرتب کیا۔ اس طرح اپنے زمانے کے بہیمانہ رجحانات سے اس کو پاک کر دیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کو جو خون و انتقام کی بے قابو سرگرمی سے عبارت تھی، ایسی مہم میں تبدیل کر دیا جو فقط صحیح اور جائز صورت حال میں ہی شروع کی جا سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور بعد میں حتی کہ آج تک ایسا کوئی فوجی سپہ سالار یا کمانڈران چیف وجود میں نہیں آیا جو اس میدان میں انسانیت کو اتنا گراں قدر عطیہ دے۔

بے مثال سپہ سالار

ہر نبی کا اپنا ایک خاص اسلوب اور کام کا اپنا طریقہ تھا، انبیاء مختلف زمانوں میں آئے اور انہوں نے مختلف اقوام کے درمیان کام کیا اور وہ مختلف زبانیں اور بولیاں بولتے تھے۔ کسی نبی کا موازنہ دوسرے نبی سے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ قرآن نے خصوصیت سے اسے منع کیا ہے۔

---

[1] الانفال: 61

[2] المائدہ: 32

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی جنگ نہیں لڑی کیونکہ ان کو اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ البتہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے وجود و بقا کے لیے کئی جنگیں لڑنی پڑی ہیں۔

جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت کے درجہ پر فائز ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو امن و شانتی کے راستے کی طرف بلایا۔ مگر اکثر و بیشتر لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو ان کے آبائی شہر مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امن کے پیامبر تھے نہ کہ جنگ کے مگر دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین و عقیدے کو ختم کرنے کے لیے جارحانہ طریقے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملے کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے صرف یہ حل چھوڑا کہ اپنے نئے شہر مدینہ کے اندر بھی اپنے دین و عقیدے کی حفاظت کے لیے منظم مزاحمت کا سہارا لیں۔ مکہ کے سرداروں نے منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کے پاس خط بھیجا کہ تم نے ہمارے ''مجرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کو پناہ دی ہے تمہیں تو اسے قتل کر دینا چاہیے تھا۔ یا تو اس کو مدینہ سے نکالو ورنہ ہم تم پر حملہ کریں گے۔ اب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ تھا کہ یا تو دشمن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مناسب انداز میں مزاحمت کریں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ لہٰذا یہ جنگیں دشمنوں کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تھوپی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ بلا شبہ یہ جنگیں مذہبی جنگیں تھیں کیونکہ یہ دین اسلام تھا جس پر مسلسل حملے ہو رہے تھے۔ اس لیے ان جنگوں کو وسیع تاریخی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

کوئی بھی ذمہ دار آدمی عسکری کارروائی کی دھمکی کو ہلکے میں نہیں لے سکتا تھا۔ پھر سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہیں ہر طرح کے معاملات میں تمام انسانیت کے لیے نمونہ بننا تھا اور ہر طرح کے حالات کے لیے مثال قائم کرنی تھی، کیسے اس دھمکی کو نظر انداز کرتے؟

عام حالات میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جنگ کا حکم نہیں دیا، نہ اس کو فطری بتایا۔ لیکن جنگ کو معطل بھی نہیں کیا۔ کسی بھی مصلح یا روحانی پیشوا نے صرف جنگ کے ظلم کو کم کیا ہے، سرے سے جنگ کو ختم نہیں کیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الٰہی رہنمائی سے جنگی قوانین بنائے، جنہوں نے جنگ کو حتی الامکان نرم کیا تاکہ امن کی حوصلہ افزائی ہو اور بیش بہا انسانی جانوں کے ضیاع کو کم کیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بڑی دشمن فوجوں کے مقابلہ میں چھوٹی سی اسلامی فوج کو مہارت کے ساتھ لڑا کر اس کے ذریعہ بڑی بڑی فتوحات رقم کی ہیں۔ سات سے آٹھ سال کے مختصر عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام دشمنوں کو سرنگوں کر دیا اور ان کی طاقت و جبروت کو یکسر تہہ و بالا کر دیا۔ ان تمام 28 غزوات اور 38 سرایا میں دشمنوں کے 759 افراد کے مقابل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے 255 فراد کام آئے۔ مسلمانوں کے ذریعہ قید کیے گئے دشمن فوجیوں کی تعداد 5646 تھی، مگر دو کے علاوہ تمام کو آزاد کر دیا گیا تھا۔ آٹھ سال کی لڑائیوں میں فریقین کے صرف 1014 جانوں کے خسارہ کے ساتھ بدی، برائی اور جبر کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا اور اس کی جگہ نیکی، اچھائی اور انصاف کی حکومت کو قائم کیا گیا۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدبرانہ قیادت میں تھوڑی سی فوج نے عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

عظیم مؤرخ ایچ لیمنس رقمطراز ہے:

قرون وسطیٰ میں جب جنگ طرفین کے ہزاروں افراد کو نگل لیتی تھی، یہ اعداد و شمار (1014) انسانی زندگی کی اہمیت، رحم دلی اور جنگی اصولوں کی پابندی کو بتاتے ہیں، جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا۔ لہٰذا ان کو ''جنگجو'' کی فہرست میں نہیں رکھا جا سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک زندگی کو مقدس جانا اور صرف انصاف کے لیے خون بہایا اور اس کے علاوہ خون بہانے کو غلط قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی امن کے لیے مختص تھی۔''

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾

اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جہاں سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی مکے سے) وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو۔
پھر اگر وہ تم سے (جنگ کرنے سے) کنارہ کشی کریں اور نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر (زبردستی کرنے کی) کوئی سبیل مقرر نہیں کی۔ اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی ان کی طرف مائل ہو جاؤ!''۔[1]

ایک صحابی نے رسول اللہ کی جنگی حکمت عملی کو یوں بیان کیا ہے:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلح ہوتے تو بہترین جرنیل کے طور پر جنگی حکمت عملی طے فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فوج کو میدان جنگ میں خود تربیت دیتے اور خاص خاص مقامات پر مخصوص مجاہدین کو تعینات فرمایا کرتے تھے۔

صحرائی جنگوں میں پہلی بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اپنی فوجوں کی صف بندی اس طرح فرمائی کہ ایک نیا ہی نقشہ سامنے آیا ورنہ اس سے قبل کی جنگوں میں کسی نظم وضبط اور باقاعدہ صف آرائی کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ صحابی کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے منتشر ہو کر ٹولیوں میں لڑنے کی بجائے ہمیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند دشمن کے بالمقابل صف آرا فرمایا۔ ہر سپاہی ایک چھوٹے سے قلعہ کا ایک حصہ تھا اور ایک سے دوسرے کو تقویت ملتی تھی، چار آدمی پانچ بن گئے تھے تلوار، ڈھال، تیر اور نیزے بیک وقت چلتے تھے۔ ہاں بلاشبہ یہ کسی ماہر جرنیل کا ہی کام ہوسکتا تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہر جرنیل تھے۔

وہ مزید کہتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی دی گئی جنگی حکمت عملی کو ہم نے اپنی تمام لڑائیوں میں استعمال کیا اور صرف اسی وقت ہمیں نقصان اٹھانا پڑا جب ہم نے اس سے ہٹ کر کوئی جنگی چال چلنا چاہی ورنہ ہمیشہ فتح ونصرت ہمارے حصہ میں آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے انقلاب کا موازنہ ان انقلابات سے کیجیے جو سالہا سال چلنے والی بڑی جنگوں کے ذریعہ لائے گئے اور جس میں لاکھوں کی تعداد میں بے گناہ افراد جاں بحق

---

[1] البقرہ:191-190

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئے۔ان انقلابات میں ضائع ہونے والی زندگیاں بہت زیادہ ہیں۔

ہندو مذہب نے جنگ کو انتہائی ناگزیر متبادل کے طور پر پیش کیا ہے اور تمام پرامن طریقوں کے ختم ہونے پر ہی اس پر عمل کیا جائے گا۔مگر جب اس کا وقت آتا ہے تو اسے بڑی ذاتی اور مذہبی اہمیت دی جاتی ہے، جہاں ہر شخص کے لیے (اگر وہ چھتریہ ''جنگجو'' ذات سے تعلق رکھتا ہو) اس فرض کو انجام دینا ضروری ہوتا ہے کہ وہ تمام برائیوں کے خلاف عزت،غیرت، جرات و دلیری کی مثال قائم کرے،خواہ زندگی کی اعلیٰ قیمت بھی ادا کرنی پڑے۔

وکی پیڈیا کے مطابق ہندو روایت میں بڑی تباہ کن جنگیں برائی پر اچھائی کی فتح کے مقصد سے ہوئی ہیں۔تاہم ہندوؤں کی کروکشیتر کی جنگ کا اپنا 18 دن کا انوکھا ریکارڈ ہے۔صرف 18 دنوں کی مدت میں چالیس لاکھ فوجیوں کا قتل۔جو کہ یومیہ دو لاکھ بیس ہزار کے برابر ہے۔یہ جنگ وسیع تباہی کے ہتھیاروں مثلاً ایٹم بم یا کیمیائی گیسوں کے بغیر لڑی گئی۔یہ ہلاکتیں تیر،کمان اور گرز (ہتھوڑے کی قسم کا ہتھیار ''گدا'') کے ذریعہ لڑی گئی جنگ میں ہوئیں۔

بیسویں صدی: سب سے زیادہ خون آشام صدی

نوبل انعام یافتہ ولیم گولڈنگ کے مطابق بیسویں صدی پوری انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ پُرتشدد صدی رہی ہے۔زیڈ برزیزنسکی نے اپنی کتاب Out of control: Global Turmoil on the Eve of the Twenty-first Century میں بیسویں صدی میں ہونے والے انسانی جانوں کے خسارہ کا حساب لگایا ہے جو جنگوں، قتل عام، جلاوطنی، اور انسان کے ہاتھوں لائی گئی آفتوں سے ہوا۔جو تقریباً 118 ملین ہوتا ہے۔لارڈ مارٹن ریسٹ جو برطانیہ کی رائل سوسائٹی کے صدر ہیں، اپنی فکر انگیز کتاب Our final Century Will the Human Race Surviver the 21th Century میں بتاتے ہیں کہ دنیا کی ابتدا سے لیکر آج تک پہلی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بار انسانوں نے وہ صلاحیت حاصل کر لی ہے کہ جس سے پوری نسل انسانی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ مانتے ہیں کہ اس سے انسانی تہذیب کو "نا قابل تلافی نقصان ہو سکتا ہے"۔

مجنونانہ طور پر نیوکلیر ہتھیاروں کا ذخیرہ کرنے کے علاوہ کیمیکل اور بائیولوجیکل اسلحہ بھی زبردست انداز میں بڑھ رہا ہے۔ امریکہ دنیا بھر میں 60 فیصد سے زیادہ ہتھیار سپلائی کر رہا ہے۔ سابق امریکی صدر جمی کارٹر نے مئی 2008 میں بیان کیا کہ امریکہ کے پاس 12000 سے زیادہ نیوکلیر ہتھیار ہیں۔ سوویت یونین (اب روس) کے پاس بھی تقریباً اتنا ہی اسلحہ ہے۔ برطانیہ عظمی اور فرانس کے پاس سیکڑوں کی تعداد میں یہ نیوکلیر ہتھیار ہیں۔ کارٹر نے مزید کہا کہ اسرائیل کے ذخیرۂ اسلحہ میں 150 نیوکلیر ہتھیار ہیں۔ یہ قابل غور ہے کہ اسرائیل نے خود بھی ان کا اعتراف نہیں کیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ امریکہ دوسرے ملکوں کی نیوکلیر امنگوں کے بارے میں شور و ہنگامہ مچاتا ہے مگر خود نیوکلیر ہتھیاروں کے اپنے لمبے چوڑے ذخیرہ سے آنکھیں موند لیتا ہے۔ (تفصیل اس سائٹ پر ملاحظہ کریں۔

www.timesonline.co.uk./tol/news/world/
middle-east/article4004300.ecc/www.bbc.news.

یوں تو پوری انسانی تاریخ جنگ و جدل اور تشدد سے بھری ہے مگر بیسویں صدی میں غالباً انسان کا خون سب سے زیادہ بہا ہے۔ دونوں عظیم جنگوں میں جو جانی و مالی نقصانات ہوئے ان کی تاریخ انسانی میں کوئی مثال نہیں۔ ان جنگوں میں کروڑوں لوگ مرے اور کروڑوں برباد ہو کر رہ گئے۔

☆ چنانچہ ایک اندازہ کے مطابق جنگ عظیم اول نے دس ملین افراد کو موت کی نیند سلا دیا۔ 21 ملین زخمی ہوئے اور 7.7 ملین لوگ کھو گئے یا جیلوں میں پڑے رہے۔

☆ جنگ عظیم ثانی میں 38 سے لے کر 60 ملین افراد ہلاک ہوئے۔ کروڑوں زخمی اور بے گھر ہو گئے۔

☆ جنگ عظیم دوم کے آخری مرحلہ میں امریکہ نے جاپان کے دو شہروں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی بم گرا کر دو لاکھ سے زیادہ معصوموں کو قتل کر دیا اور لاکھوں کو شدید طور پر زخمی اور بے خانماں برباد کر دیا۔

☆ روسی انقلاب میں تیرہ لاکھ افراد جاں بحق ہوئے۔

☆ فرانسیسی انقلاب میں تین لاکھ چالیس ہزار افراد لقمۂ اجل بنے۔

☆ چینی اشتراکی انقلاب میں چودہ سے بیس لاکھ افراد کا قتل ہوا۔

☆ اٹلی کے مسولینی نے شمالی افریقہ کے مسلم ملکوں الجزائر، تیونس اور لیبیا کے خلاف جارحانہ حملے کیے اور چار لاکھ معصوم مسلمانوں کو شہید کر دیا۔

☆ سوویت رہنما اسٹالن کی روسی عوامی جنگ میں دو کروڑ افراد مارے گئے۔ جن میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔

☆ ایڈولف ہٹلر نے گیارہ ملین سے سترہ ملین لوگوں کو قتل کیا۔

☆ دوسری جنگ عظیم کے دوران تقریباً 6 ملین یہودی مارے گئے۔

☆ بوسنیا اور ہرزیگونیا کی جنگ میں دو لاکھ معصوم و بے گناہوں کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔ ہیگ میں واقع عالمی عدالت انصاف کے مطابق بوسنیا کی جنگ کے دوران جو جرائم کیے گئے وہ ''انسانیت کے خلاف جرائم کے زمرہ میں آتے ہیں۔

☆ ''دہشت کے خلاف جنگ'' کے تحت اور جغرافیائی سیاسی مفادات کے پیش نظر یہ قتل عام اور غارت گری اب تک جاری ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام جنگوں میں ہونے والی کل ہلاکتیں 1014 سے متجاوز نہیں ہیں۔ ان جنگوں میں مقتولین کل شرکائے جنگ کی تعداد کا 5.1 فیصد ہیں۔ گرچہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر جنگوں میں فتحیاب ہوئے ہیں مگر ہلاکت کے اعداد و شمار اس بات کا اشارہ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسانی تاریخ کے بے رحم اور وحشی جنگی رہنماؤں، فاتحوں اور فوجی سربراہوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بہت دور ہیں۔

درج بالا اعداد و شمار کو انسانی تاریخ میں ہونے والی دیگر جنگوں سے موازنہ کیا جائے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مثلاً صرف جنگ عظیم دوم میں، مقتولین (بشمول عوام الناس) کی تعداد اور جنگی فوجیوں کی تعداد کا تناسب 57.1% فیصد کا تھا۔ یعنی جنگ میں 10,600,000 افراد شریک ہوئے جب کہ انسانی اموات 54,800,000 تک پہنچ گئی تھیں۔

دشمن اور متعصب لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ بھڑکانے والے اور خون کے پیاسے سے تعبیر کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد و ہدف جنگ تھا۔ مگر فی الحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے دس سالوں میں صرف 795 دن ہی مہمات و غزوات میں بسر ہوئے اور بقیہ ایام (جو تقریباً 2865 ہیں) لوگوں کی زندگیوں میں انقلابی تبدیلی اور کافر و مشرک معاشرے کی مکمل اصلاح میں لگے۔ اس تاریخی حقیقت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند سوانح نگاروں اور کچھ متعصب مغربی مصنفوں کے ذریعہ نظر انداز کیا گیا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ بھڑکانے والا بنا کر پیش کرتے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں ہے

منظم فوجی مہمات اور جنگی لائحہ عمل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت موثر اور کامیاب حکمت عملی اور مہارت نے، ہمیشہ ہی پیشہ وارانہ فوجی سربراہوں کو حیرت و استعجاب میں رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً تمام جنگوں میں اپنی مزاحمت کو اعلیٰ اور کامیاب طریقے سے منظم کیا اور اپنے منصوبوں کی مکمل رازداری برتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکانے والے اور حمل و نقل کے وسائل و عناصر کو نہایت کامیابی سے استعمال کیا کہ بعض دفعہ دشمن کو تیاری کا بھی موقع نہ ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفسیاتی پہلوں کا نہایت دانشمندانہ اور پراثر طریقے سے استعمال کیا جس کو دشمن خواب و خیال میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے۔ اپنے مقصد کے حصول اور دشمن علاقوں میں اپنے مخصوص و غیر مخصوص اہداف کی بازیابی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر رساں ایجنسیوں اور کمانڈو یونٹ کو بھی تشکیل دیا۔

دشمنوں کے مقابل نہایت موثر اور محتاط طریقوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو جنگ کی تربیت دینے اور جنگی اسلحہ سازی میں کوئی بھی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ نتیجتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے انداز میں اپنے مقصد سے عشق اپنے ساتھیوں میں پیدا کیا کہ پوری انسانی تاریخ میں کسی شخص نے پیدا نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مقصد دیا جس نے ان کے اندر ایک روح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور خود اعتمادی پیدا کر دی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر آگ میں کودنے اور دریا میں گھس پڑنے کو ہمہ تن تیار رہتے تھے اور ان کے نزدیک کوئی بھی قربانی اور قیمت کوئی معنی نہیں رکھتی تھی، نتیجہ کی پرواہ کیے بغیر وہ بہادری سے لڑتے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے تھے۔ وہ اپنے مقصد کی صداقت کے تئیں مطمئن اور پر خلوص تھے۔

ماضی کے قدیم تعصبات کی طرح آج چند دشمنوں اور کم فہم افراد کے ذریعہ مسلمانوں کو بنیاد پرست یا دہشت پسند کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔ لمبے عرصے سے یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں کو صرف دو متبادل پیش کیے، قرآن یا تلوار۔ مزید براں یہ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ تاہم معروف برطانوی مؤرخ سر تھامس آرنالڈ نے، وقت طلب ریسرچ کے بعد اسلامی دعوت کی تاریخ پر اپنے عظیم الشان کام کے اعداد و شمار کو یکجا کیا اور اپنی شاہکار کتاب "The Preaching of Islam" کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت افسانوی وخیالی کردار، کہ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن لیے مسلم جنگجو کے ذریعہ نہیں ہوئی، بلکہ قرآن کی تعلیمات کے نفاذ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کے زور سے اسلام پھیلا۔

کیا تاریخ میں ایسا کوئی فوجی کمانڈر ہے جس نے فوجی مہمات کو سرانجام دیا ہو اور اتنی اعلیٰ ظرفی اور اولوالعزمی کے ساتھ فتح کا اعلان کیا ہو؟ کیا کوئی ایسا فوجی سربراہ ہے جس نے فتح کے بعد ایسی رواداری، کریم النفسی اور معافی کا معاملہ کیا ہو؟ کیا ایسا کوئی فوجی سپہ سالار ہے جس نے اتنی کم جانیں ضائع کر کے اتنی زیادہ فتوحات درج کی ہوں؟ کیا تاریخ میں ایسا کوئی فوجی سربراہ گزرا ہے جس نے اتنی قلیل مدت میں اتنے وسیع خطہ میں قانون کا نفاذ کیا ہو؟ اور استحکام لا دیا ہو؟ کیا تاریخ میں ایسا کوئی فوجی رہنما گزرا ہے جس نے اپنے پیچھے ایسا عظیم ورثہ چھوڑا ہو جس نے انسانی تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا ہو اور زندگی کے ہر دور کے انسانی تہذیب و تمدن کو اپنی عظیم عطا سے مالا مال کیا ہو؟

لیکن یہ المیہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ایک مذہب کے بانی کے طور پر جانے جاتے ہیں وہ بھی نہایت محدود معنی میں۔ انسانی تہذیب کے ہر شعبہ پر مؤثر کردار ادا کرنے والی اس بے نظیر شخصیت پر نہایت ہی قلیل بلکہ نہ ہونے کے برابر توجہ دی گئی ہے۔ انسانیت کے سچے معلم اور محسن کائنات کو نہ پہچاننے کی وجہ سے انسانیت کے عموماً اور مسلمانوں کے ذمہ خصوصاً یہ قرض ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ کا بڑے پیمانہ پر تعارف کرائیں۔ اور آپ ﷺ کے لیے سب سے مناسب اور موزوں خراج عقیدت یہ ہوسکتا ہے کہ انسانی زندگی کے متعدد شعبوں پر آپ ﷺ کی انقلابی شخصیت کے اثرات کو اجاگر کیا جائے تاکہ عوام الناس بھی اس سے مستفید ہوسکیں اور نتیجتاً ایک صحتمند، نیک، منصفانہ اور پرامن طریقہ زندگی سے انسانیت مالا مال ہو جائے۔

امریکی مصنف، تذکرہ نگار اور مؤرخ واشنگٹن ارونگ اپنی کتاب 'لائف آف محمدؐ' میں لکھتا ہے:

''عسکری فتوحات میں بھی پیغمبر محمد ﷺ نے کسی فخر اور بے جا غرور کا اظہار نہیں کیا۔ اگر یہ فتوحات ذاتی مفادات کے لیے ہوتیں تو یہ چیزیں ہوتیں۔ آپ ﷺ نے عظیم قوت کے وقت بھی اپنی سادگی برقرار رکھی جیسا کہ مصائب کے زمانہ میں تھی۔''

مشہور امریکی مؤرخ ایچ لیمنس رقمطراز ہے

''اپنی فتح و کامرانی کے اوج ثریا پر فائز ہونے کے باوجود مکہ کی فتح مبین کے موقع پر محمد ﷺ نہایت رحمدلانہ کردار میں نظر آتے ہیں۔ مکہ آپ ﷺ کے قدموں میں سرنگوں تھا اور شکست خوردہ قریش جوق در جوق عہد وفاداری کے لیے آتے جا رہے تھے، آپ ﷺ نے ایک بوڑھے شخص کو لرزتے قدموں سے اپنی طرف آتے دیکھا تو فاتح مکہ محمد ﷺ نے نہایت کریمانہ انداز میں تسلی دیتے ہوئے اس کی پریشانی کو دریافت فرمایا اور کہا:

میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، تمہاری طرح انسان ہوں، میں وہی کھاتا ہوں جو تم کھاتے ہو وہی سورج تمہارے اوپر چمکتا ہے جو میرے اوپر درخشاں ہے۔

کامیاب ترین حکمران اور پیغمبر محمد ﷺ نے جب اس دنیا سے کوچ کیا تو اس وقت آپ ﷺ جزیرہ نمائے عرب کی ۱۳ لاکھ مربع میل سرزمین کے فرمانروا تھے۔ مدینہ میں دس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سالہ قیام کے دوران اسلامی حکومت میں اوسطاً ۵۴۸ مربع میل یومیہ زمین کا اضافہ ہو رہا تھا۔ پھر بھی جب انسانیت کا عظیم محسن اس دار فانی سے کوچ کرتے ہیں تو ان کے گھر میں چراغ جلانے کے لیے تیل بھی میسر نہیں تھا۔

اخلاقیات

کوئی بھی کتاب ہدایت آخری تجزیہ میں اخلاقیات کی کتاب ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیں تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ قرآن کی بہت ساری آیات اخلاقی تعلیم پر مشتمل ہیں۔ کتاب الٰہی کی رہنمائی ایمان والوں اور اللہ کی رحمت کی نشانیوں کا ادراک رکھنے والوں کے لیے ہے، جو کائنات میں ایک اخلاقی مقصد پاتے ہیں۔

غیبت

قرآن کہتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور ٹوہ میں نہ لگو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ اُس کو تم خود ناگوار سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ [11]

اللہ کے رسول نے فرمایا: جو آدمی مجھے یہ عہد دے کہ وہ اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھے گا، اپنی پاکیزگی کا تحفظ کرے گا۔ دوسروں کی غیبت نہ کرے گا،

[11] الحجرات:12

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ کسی پر بہتان باندھے گا اور زنا اور اسی طرح کے دوسرے گناہوں سے بچے گا تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔

شک وشبہ

آپ ﷺ نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی غلط اطلاع پر مبنی ہوسکتی ہے۔ ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو ایک دوسرے کی پوشیدہ باتوں کو ظاہر نہ کرو۔

جھوٹ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿٣٠﴾

تم بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی بات سے بچو۔ [1]

اور فرمایا:

أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٧﴾

اور اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر وہ جھوٹا ہے۔ [2]

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: یہ بھی فریب کاری میں سے ہوگا کہ تم اپنے بھائی، بہن سے کوئی ایسی بات کہو جسے وہ سچ باور کرلیں حالانکہ تم جھوٹ بول رہے ہو، آپ ﷺ نے مزید فرمایا: اس کی خرابی ہو جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولے اس کے لیے خرابی ہو، اس کے لیے خرابی ہو۔

بدگمانی گناہ ہے

دوسروں کے بارے میں بدگمانی اور ان کے بارے میں بغیر کسی سبب کے غلط بیانی سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ قرآن نے کہا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ

[1] الحج: 30

[2] النور: 7

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ لگو اور پیٹھ پیچھے کسی کی غیبت نہ کرو۔ مزید یہ کہ آدمی کو افواہوں پر یقین نہ کرنا چاہیے کیونکہ افواہیں زیادہ تر ادھوری سچائی پر یا بالکل جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں۔ ایمان والوں کو دوسروں پر یا کسی بات پر تبصرہ کرنے سے پہلے حقیقت حال کا پتہ لگا لینا چاہیے اور ان کے بارے میں تبصرہ کرنے سے اپنے آپ کو روکنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ [1]

اور فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶

اے اہل ایمان، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانی سے کوئی نقصان پہنچا دو پھر تم کو اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔ [2]

ایک ایماندارانہ رائے، ایک اچھی بات جو حقائق پر مبنی ہو اس کی مثال اللہ نے یوں دی ہے کہ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝۲۴ تُؤْتِيْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۵

وہ ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ زمین میں جمی ہوئی ہے۔ اور جس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل دیتا رہتا ہے۔ [3]

---

[1] الحجرات: 12

[2] الحجرات: 6

[3] ابراہیم: 24-25

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور بری بات کی مثال قرآن نے یوں دی ہے کہ وہ:

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾

ایک خراب درخت کی طرح ہے جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اس کو کوئی ثبات نہ ہو۔ [1]

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ

اے ایمان والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ [2]

❁❁❁❁❁❁

[1] ابراہیم: 26

[2] الحجرات: 11

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چوبیسواں باب

شادی

تعدد ازواج اور یک زوجگی

سادہ الفاظ میں تعدد ازواج کا مطلب ہے کہ ایک ہی وقت میں کئی بیویاں رکھنا اور یک زوجگی اس کو کہتے ہیں کہ آدمی ایک ہی وقت میں ایک ہی بیوی رکھے۔

مغرب کا ہتھیار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد شادیاں کیں۔ دشمنان دین اور دین سے بے بہرہ لوگوں نے ان کو ہدف تنقید بنا رکھا ہے لیکن یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادیوں کے مزاج، طریقہ، پس منظر اور مقصد سے واقف نہیں۔ ان کی تنقید کی تائید نہ تاریخ سے ہوتی ہے نہ ہی وہ عقلی بنیادوں پر مضبوط ہے۔ اس تنقید کا منشا صرف جہالت، بے خبری، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفرت اور مذہبی تعصب ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات ایک در یتیم تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض منفرد خصائص و ممیزات ہیں۔ جن سے ناواقف دشمن انسانی تہذیب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گراں قدر عطیہ اور عظیم دین کا انکار کرنا چاہتے ہیں۔ آپ یوں کہہ لیں گویا وہ اس طرح چاند پر خاک ڈالنا چاہتے ہیں۔ شروع ہی میں ہمیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ یک زوجگی جس کو اہل مغرب ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں، انسانی تاریخ میں نسبتاً ایک نیا ظاہرہ ہے۔ قرون وسطیٰ میں دنیا کے بیشتر علاقوں میں تعدد ازواج ہی رائج تھا۔ لوگ اپنے سماجی مرتبہ کو بلند کرنے کے لیے سو سو بیویاں کر لیتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مستثنیٰ کر کے جو کہ مجرد رہے، اکثر انبیاء اور رسولوں نے شادیاں کی ہیں۔ یہاں تک جو لوگ اپنے اپنے زمانے میں پیشوا گنے جاتے تھے وہ بھی کئی کئی داشتائیں رکھتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جزیرۃ العرب میں عورتوں کے ساتھ مویشیوں جیسا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ بعض قبیلوں میں باپ بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے اور شادیاں سماجی عزت وسہولت کی خاطر کی جاتیں۔ مطلقہ عورتیں بہت تھیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ آج مغرب میں جنسی فواحش کا سیلاب آیا ہوا ہے کئی کئی عورتوں سے ناجائز جنسی تعلقات رکھنا ایک عام بات ہے۔

آج بھی مغرب ومشرق کے بہت سے مسلم وغیر مسلم تعدد ازواج پر عمل کرتے ہیں۔ بعض جگہوں پر یہ قانونی ہے، بعض جگہوں پر غیر قانونی طریقہ پر کرتے ہیں، کچھ اعلانیہ اور کچھ خفیہ کرتے ہیں۔

اس بات کو جاننے کے لیے کسی ریسرچ وتحقیق کی ضرورت نہیں ہے کہ کتنے لوگ اپنی بیویوں سے الگ دوسری عورتوں سے تعلقات رکھتے ہیں، کتنوں نے خفیہ طور پر محبوبائیں بنا رکھی ہیں۔ اخلاقیات ہی کو مذہب ماننے والے اس کو مانیں یا نہ مانیں غیر قانونی تعدد ازواج آج بھی ہر جگہ موجود ہے۔

یہودیت

بائبل اور تلمود کے زمانوں کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور کے اسرائیلیوں میں تعدد ازواج کا رواج تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کی سو سو بیویاں ہوتی تھیں۔ شریعت موسیٰ علیہ السلام اور تلمودی قانون میں اس کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ ان کے اکثر نبیوں کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چار بیویاں، حضرت داؤد علیہ السلام کی آٹھ بیویاں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویوں، سافر، حبشہ، بنت کینی اور بنت حباب کا نام آتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا ببلیکا کا کہنا ہے: ”ایک عام یہودی زیادہ سے زیادہ چار بیویاں اور ایک بادشاہ اٹھارہ بیویاں رکھ سکتا تھا۔“

ربائی جرشوم بن یہودا (960-1030) کے وقت تک یہودیوں میں تعدد ازواج پر عمل ہوتا رہا، اس ربائی نے اس کے خلاف ایک فتویٰ جاری کیا تھا پھر بھی یہودیوں کا سفردم فرقہ 1950 تک تعدد ازواج پر عمل پیرا رہا جب تک کہ اسرائیل کے چیف ربائی نے ایک سے زائد بیوی رکھنا قانوناً ممنوع قرار نہ دے دیا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تاہم یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ یہودیت اور عیسائیت ہمیشہ یک زوجگی پر عمل پیرا رہے ہیں یا دوٹوک انداز میں وہ تعدد ازواج کے خلاف تھے، یہاں تک کہ آج بھی نہیں ہیں۔بعض اہم یہودی اسکالر یعنی ایس ڈی گوئٹین (Jews and Arabs)،ایل ٹی ہوب ہاؤس (Morals in Evolution)ای اے ویسٹر مارک، (A Short History of Marriage) میں صراحت سے بتاتے ہیں کہ تعدد ازواج پر عمل پیرا یہودیوں نے جب اسرائیل کو ہجرت کی تو اسرائیل کی ہاؤسنگ اتھارٹیز کو اس سے بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اس بارے میں مارمن عیسائیوں کی پوزیشن بھی بالکل معروف ہے۔اور اسی طرح افریقہ اور ایشیا کے مسیحی مذہبی راہبوں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے جو بے وفائی، زنا اور جوڑوں کے تبادلہ کے بجائے تعدد ازواج کو ترجیح دیتے ہیں۔

اگر یہ پتہ لگایا جائے کہ عام اور سخت یک زوجگی اور قحبہ گیری، ہم جنسی، ناجائز جنسی تعلقات، بے وفائی اور عام جنسی بے راہ روی میں کیا سیدھا تعلق ہے تو بڑے حیرت ناک نتائج سامنے آئیں گے۔اس سلسلہ میں یونانی رومن اور عیسائی یہودی تہذیبوں کا جائزہ تو اور بھی حیرت انگیز ہوگا۔جیسا کہ خاندان کی کوئی بھی معیاری سماجی تاریخ بتائے گی۔

عیسائیت

بائبل کے نزول کے وقت تعدد ازواج معاشرہ میں پوری طرح مقبول اور رائج چیز تھی۔حضرت عیسیٰ d نے اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا۔مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی طور پر یہ مقبول رویہ تھا۔اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا تھا۔شاید یہی وجہ ہے کہ بائبل نے نہ اس کو منع کیا نہ منضبط کیا یہاں تک کہ اس کی کوئی تحدید بھی نہیں کی۔بائبل میں ایک کہانی 10 کنواریوں کی ملتی ہے۔بعض لوگ اس کی یوں تعبیر کرتے ہیں کہ اس کہانی سے پتہ چلتا ہے کہ ایک وقت میں 10 بیویاں رکھنا جائز ہے۔بائبل میں بہت سے نبیوں، امراء اور بادشاہوں کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کئی کئی بیویاں کرتے تھے اس بارے میں یہ کہانیاں ناقابل یقین حد تک چلی جاتی ہیں۔

اسی طرح عیسائی بادشاہوں کے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی مثالیں بھی کم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہیں۔فریڈرک ولیم ثانی اور فلپ نے چرچ کی منظوری سے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کی اور خود سینٹ لوتھر کی اجازت سے 1650 میں نیورم برگ کی کانفرنس نے کم آبادی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے لوگوں کو ایک سے زیادہ بیوی کرنے کی اجازت دی۔

مزید برآں یہ کہ 17 ویں صدی تک عیسائی چرچ تعدد ازواج کو قبول کرتا تھا مثلاً مارمن چرچ (جس کو Saints Churches of Jesus Christ of the latter Day کہتے ہیں) تعدد ازواج کی اجازت دیتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازواج کا رواج ہر قوم اور ہر ملک میں رہا ہے۔ یہودیوں کے نبیوں نے کئی کئی شادیاں کی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے منع نہیں کیا۔عیسائیت میں یک زوجگی کا تعارف سینٹ پال نے کرایا جب کہ عیسائیت میں بہت ساری ترمیمات کر لی گئی تھیں جن کا مقصد عیسائیت کو رومی و یونانی کلچر سے قریب تر کرنا تھا۔ ان دونوں تہذیبوں میں یک زوجگی رائج تھی۔لیکن انہوں نے بہت سی کنیزیں، باندیاں رکھنے اور ان سے ہر طرح استفادہ کرنے کی اجازت دی یعنی دوسرے الفاظ میں غیر قانونی تعدد ازواج کی اجازت دی۔

ابتدائی عیسائیوں کے نزدیک عورت ''گناہ سے بھری'' تھی اور مرد کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ کبھی شادی نہ کرے'' چونکہ یہ چیز قابل عمل نہیں تھی اور اس سے نسل انسانی کا خاتمہ ہو جاتا تو انہوں نے پھر یوں سمجھوتہ کیا کہ ''بس ایک عورت سے شادی کرو''۔

ہندوازم

چونکہ پرانے زمانے سے ہی تعدد ازواج کا انسانی سماج میں رواج چلا آتا ہے جیسا کہ معلوم تہذیبوں کی تاریخ بتاتی ہے لہٰذا قدیم ہند میں نہ صرف کئی کئی بیویاں رکھنے کی اجازت تھی بلکہ عموماً اس کا رواج تھا۔ وکی پیڈیا اور رگ وید اور دوسری ہندو کتابوں کے مطابق مشہور ہندو مذہبی شخصیات نے متعدد شادیاں کیں۔شری رام کے والد راجا دشرتھ کی کئی بیویاں تھیں یعنی کوشلیہ، سمترا اور کیکئی۔شری کرشن کے 16 ہزار بیویاں تھیں جن میں زیادہ مشہور یہ تھیں: رادھا، رکمنی، ستیہ بھاما، جمباوتی، ستیہ، لکشمنا، کالندی، بھدرا اور متراوندا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندو کتابیں چاہے وید ہوں یا رامائن، مہابھارت ہو یا گیتا تعدد ازواج پر کوئی پابندی نہیں لگاتیں۔ ان کتابوں کے لحاظ سے آدمی جتنی عورتوں سے چاہے شادیاں کرسکتا ہے۔ یہ تو 1955 میں ہندو میرج ایکٹ پاس کیا گیا تب ایک ہندو کے لیے ایک سے زیادہ شادی کرنا غیر قانونی قرار دیا گیا۔ یعنی موجودہ زمانہ کے ہندو قانون نے یہ پابندی لگائی ہے مگر "ہندو دھارمک کتابوں میں" (مذہبی کتب میں) ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔"

مغربی معاشرہ

مغربی معاشرہ میں جب بھی رشتوں میں تھوڑی تلخی آتی ہے شوہر بیوی کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ کسی طوائف یا دوسری عورتوں سے بغیر شادی کے ہی تعلقات رکھتا ہے۔ مغربی معاشرہ میں تین قسم کے تعدد ازواج پر عمل ہوتا ہے:

۱ سلسلہ وار تعدد ازواج یعنی نکاح، طلاق، نکاح طلاق کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

۲ ایک مرد ایک عورت سے شادی کرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی ایک بار ایک سے زائد عورت کو مدد کے طور پر رکھتا ہے جسے وہاں Mistress کہتے ہیں۔

۳ غیر شادی شدہ مرد کئی ساری خواتین کو کھیل بنا کر رکھتے ہیں۔

اگرچہ مغرب اس کو مانتا نہیں لیکن وہ عملاً ایک تعدد ازواج والا معاشرہ ہے۔ ڈاکٹر اینی بیسنٹ کے الفاظ میں:

> "مغرب میں تعدد ازواج ہے گرچہ دوسرے لبادہ میں۔ لیکن وہ تعدد ازواج بغیر ذمہ داری کے ہے۔ جب مرد کا دل مسٹریس سے بھر جاتا ہے تو وہ اسے گھر سے اٹھا کر باہر پھینک دیتا ہے۔ وہ بتدریج گلی کی عورت بن جاتی ہے۔ کیوں کہ پہلا عاشق اس کی ذمہ داری نہیں لیتا تو وہ گھر میں رہنے والی اس عورت کے مقابلے میں سوگنا نقصان میں رہتی ہے جو تعدد ازواج والے گھر میں ہو۔ جب ہم رات کے وقت مغرب کے شہروں اور قصبوں کی گلیوں میں ان ہزاروں عورتوں کو دیکھتے ہیں جو پریشان حال ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو ہمیں یہ لازمی طور پر سوچنا چاہیے کہ مغرب والوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اسلام کو تعدد ازواج پر لعنت ملامت کریں۔ عورتوں کے لیے یہ زیادہ مناسب اور زیادہ احترام کی چیز ہے کہ وہ تعدد ازواج والے گھر میں رہیں۔ عورت ایک مرد کے ساتھ ہو اس کی گود میں ایک جائز بچہ ہو اور اسے عزت ملے۔ بمقابلہ اس کے کہ اس کی مٹی پلید ہو، وہ گلیوں میں پھرے، بچہ بھی ناجائز ہو جس کو کوئی پناہ نہ ملے جس کی کوئی پرواہ نہ کرے، کسی بھی راہ چلتے کی نگاہ ہوس کی شکار ہو جائے، رات کے بعد رات اسے اہانت کا سامنا ہو اور ماں بھی نہ بن سکے۔''

موجودہ مغربی سوسائٹی جو بالغوں کی رضامندی سے آزاد جنسی اختلاط کی اجازت دیتی ہے وہ ناجائز جنسی رشتوں کو بڑھاوا دیتی ہے اسی طرح ''بے باپ کے بچوں کی کثرت ہو رہی ہے، اور غیر شادی شدہ کم سن ماؤں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور ان سب چیزوں سے مغربی ملکوں اور مغربی نظام پر زبردست بوجھ پڑ رہا ہے۔

بعض مغرب والوں کا کہنا ہے کہ یک زوجیت سے عورت کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ان لوگوں کو عورتوں کے حقوق کی واقعی پرواہ ہے؟ معاشرہ میں کتنے ہی ایسے کام ہو رہے ہیں جن سے عورتوں کا استحصال ہوتا ہے۔ اس میں بیسویں صدی کے شروع کی وہ تحریکیں جو خواتین کے لیے ووٹنگ کے حق کی بات کرتی تھیں وہ اور آج کے ''آزادی نسواں'' کے علم بردار سب برابر ہیں۔ حالانکہ سچی بات تو یہ ہے کہ مغربی معاشروں میں یک زوجیت مردوں کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔ انہیں بغیر ذمہ داری لئے ہر جگہ منہ مارنے کی چھوٹ دیتی ہے۔ آسان برتھ کنٹرول اور آسان قانونی اسقاط حمل نے عورتوں کے لیے ناجائز جنسی اختلاط و لذت کے دروازے کھول دیئے ہیں اور پروپیگنڈے کے ذریعہ اس کو جنسی انقلاب باور کرایا جا رہا ہے۔ اسقاط حمل کی شدید تکلیف اور برتھ کنٹرول کے طریقوں کے Side Effects کو برداشت کرنے والی بھی بیچاری عورت ہی ہے۔

گردہ اور مثانہ کی بیماریوں کے علاوہ ایڈز اور Herpes کو چھوڑ کر مرد بغیر کسی پریشانی کے لذ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ت اندوزی کررہے ہیں۔ مردوں ہی کا فائدہ یک زوجیت سے ہو رہا ہے جب کہ عورتیں مردوں کی خواہشات کا نشانہ بن رہی ہیں۔ جس معاشرہ میں مردوں کا اقتدار ہے، وہاں تعدد ازواج کی مخالفت اس لیے زیادہ ہے کہ مرد کوئی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، کیوں کہ تعدد ازواج کی اجازت ان کو عورتوں اور بچوں کی ذمہ داری اٹھانے پر مجبور کردے گی۔

اسلام

اسلام کا رخ کریں تو ہم پائیں گے کہ مشرق و مغرب میں کتنے ہی لوگ یہ سوچتے ہیں کہ مسلمان وہ ہوتا ہے جو جسمانی جذبات سے مغلوب رہتا ہے اور بہت سی بیویاں اور داشتائیں رکھتا ہے۔ جب ان میں سے بہت سے لوگ کسی مسلمان کو دیکھتے ہیں کہ اس کے ایک ہی بیوی ہے یا کوئی مسلمان غیر شادی شدہ ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کو یہ پوری آزادی ہے کہ ایک بیوی سے دوسری بدل لے یا کئی بیویاں کرلے اور یہ ایسے ہی آسان ہے جیسے کوئی ایک اپارٹمنٹ سے دوسرا اپارٹمنٹ یا ایک کمرہ سے دوسرا کمرہ بدل لے۔

اس پروپیگنڈے میں کچھ تو سنسنی خیز متحرک فلموں، ٹی وی سیریلز اور اخباری کہانیوں اور میڈیا میں غلط تصویر کشی سے اور کچھ بعض مسلمانوں کے غیر ذمہ دارانہ سلوک سے شدت آرہی ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ سخت دیواریں حائل ہوگئی ہیں۔ جو کروڑوں لوگوں کو اسلام کی تابناک روشنی کو دیکھنے سے اور اس کے سماجی فلسفہ کی اہمیت کو محسوس کرنے سے روک رہی ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے ہم اگلی سطور میں اس موضوع سے بحث کر رہے ہیں تاکہ اس معروضی وضاحت کی روشنی میں ہر آدمی آزادانہ اپنی رائے قائم کرسکے۔

جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسلام آیا تو تعدد ازواج کا رواج سماجی زندگی میں عام تھا۔ اور گہرائی تک پیوست تھا، قرآن نے نہ تو اس کو نظر انداز کیا، نہ اس کو مسترد کیا اور نہ ہی اس کو بلا تحدید اور بلا روک ٹوک جاری رہنے دیا۔ تعدد ازواج کے ساتھ جو ہنگامہ خیزی اور غیر ذمہ داری جڑ گئی تھی قرآن اس کو برداشت نہیں کرسکتا تھا چنانچہ جیسے اس نے دوسری چیزوں میں اصلاحات کیں اسی طرح اس نے اس ادارہ کی درستگی کے لیے بھی دخل اندازی کی اور اس انداز میں کی کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برائیاں اور کمیاں ختم ہو جائیں اور فائدوں کو یقینی بنایا جا سکے۔ قرآن نے اس لیے دخل اندازی کی کہ وہ معاشرہ کی بنیاد بننے والے اس اہم ادارہ میں بدنظمی، فساد اور ساخت کی خرابی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

صرف قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو یہ کہتی ہے کہ ایک عورت سے شادی کرو۔ یہ بات سورہ نساء کی درج ذیل آیت میں بیان ہوئی ہے:

> اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے تم انصاف نہ کر سکو گے تو (یتیم لڑکیوں کے علاوہ) جو بھی عورتیں تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کر لو دو دو، تین تین، چار چار سے لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے۔ یا تمہاری ملکیت کی لونڈی یہ زیادہ قریب ہے کہ ایسا کرنے سے ناانصافی سے بچ جاؤ گے۔[1]

نزول قرآن سے پہلے ایک سے زیادہ بیویوں کی کوئی حد نہیں تھی۔ لوگ بہت سی بیویاں رکھتے تھے حتی کہ بعض تو سو سو کرتے تھے۔ قرآن نے اس کو چار بیویوں تک محدود کر دیا اور اس چار کے عدد کی اجازت بھی مشروط ہے۔ مرد کو اپنی تمام بیویوں سے یکساں سلوک کرنا ہوگا۔ حتی کہ پیار و محبت میں بھی اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر ایک سے زیادہ کی اجازت نہ ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا:

> وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾
>
> تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو، گو تم اس کی کتنی ہی خواہش و کوشش کر لو، اس لیے بالکل ہی ایک طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی نہ چھوڑ دو اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔[2]

[1] النساء: 3

[2] النساء: 129

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس لیے تعدد ازواج اسلام میں ایک عام ضابطہ نہیں بلکہ استثنا ہے وہ ایک مشروط اجازت ہے وہ نہ تو عقیدہ کا مسئلہ ہے اور نہ کوئی لازمی چیز۔ بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک سے زیادہ بیوی کرنی ضروری ہے۔ قرآن کی مذکورہ بالا آیت غزوہ احد کے بعد نازل ہوئی۔ جس میں بہت سارے مسلمان شہید ہوئے اور اپنے پیچھے یتیم بچے اور بیوہ عورتیں چھوڑ گئے۔ جن کی خبر گیری مسلمانوں پر لازمی تھی ان بیواؤں اور یتیم لڑکیوں سے نکاح کر لینا بھی ان کے حقوق کے تحفظ اور ان کی خبر گیری کی ایک شکل ہے۔ نکاح کر لینے سے ان کے سرپرست ان کے ساتھ ناانصافی بھی نہ کر سکیں گے۔

اوپر کی بحث سے یہ واضح ہے کہ اسلام نے تعدد ازواج کو ایجاد نہیں کیا اور مذکورہ بالا قواعد وضوابط عائد کر کے اس نے تعدد ازواج کو عام ضابطہ نہیں بننے دیا۔ اسلام نے تعدد ازواج کو منسوخ نہیں کیا۔ کیونکہ اگر وہ اسے منسوخ بھی کرتا تو یہ محض نظریاتی طور پر منسوخ کرنا ہوتا عملاً لوگ اس پر عمل کرتے رہتے جیسے کہ اس کا ان لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے جن کے یہاں قانوناً یا سماجی معیارات کے لحاظ سے تعدد ازواج کی اجازت نہیں ہے۔ اسلام اس لیے آیا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، اس کے مطابق زندگی بسر کی جائے اس لیے نہیں کہ وہ زندگی سے معطل اور محض نظریاتی چیز بن کر رہ جائے۔ اسلام حقیقت پسند مذہب ہے اور زندگی سے متعلق اس کا تصور بہت زیادہ عملی ہے۔ اسی وجہ سے وہ مشروط اور تحدید شدہ تعدد ازواج کی اجازت دیتا ہے۔ کیوں کہ اگر اس کی ممانعت انسانیت کے حق میں واقعی اچھی چیز ہوتی تو خدا تعالیٰ یقیناً اس کو منسوخ کر دیتا۔ کہ خدا سے بہتر کون جان سکتا ہے؟

تعدد ازواج اور طبقاتی انصاف

ایچ اے ایل ہیری گریک آئیر لینڈ میں پیدا ہوا اور ایک بڑے مصنف کے طور پر مشہور ہے۔ اپنی کتاب ''بلال'' میں وہ لکھتا ہے:

> ''ساتویں صدی عیسوی میں جزیرۃ العرب میں کسی بھی طرح کے طبقاتی اور صنفی انصاف کا نام ونشان نہ تھا۔ وہ ایسا معاشرہ تھا جو گہرائی تک پتھر کے زمانوں کے رسم ورواج میں جکڑا ہوا تھا۔ عورتوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک خیال عنقا تھا۔ وہاں کسی پر کوئی اخلاقی پابندی نہ تھی۔ ایسے لوگ تھے جو 10,10 عورتوں سے شادی کرتے تھے اور ایسے بھی جو 20,20 بیویاں رکھتے تھے۔ بعض لوگ ایسا نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے کرتے تھے اور بعض لوگ اس راستہ سے اپنی دولت میں اضافہ کرتے تھے۔ اس میں اسلام نے چار عورتوں کی تحدید کر دی۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام نے بیویوں کی تعداد ایک سے چار تک بڑھا دی ہے۔ حالانکہ یہ بالکل ہی غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے بے شمار بیویوں کی بجائے چار تک کی تحدید کر دی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کڑی اور شدید ترین شرط بھی عائد کر دی کہ مرد ان کے ساتھ عدل و انصاف اور مساوات کے ساتھ سلوک کریں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں اس کو اور بھی صاف کر دیا گیا ہے کہ اگر ان کے ساتھ مساویانہ طور پر انصاف نہ کر سکیں تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کریں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ آج معاندین اسلام، اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں کہ تعدد ازواج کی اجازت دے کر اس نے ''مردوں کو خصوصی حق دے دیا'' جب کہ عرب کے مشرکین نے تعدد ازواج پر اسلام کی تحدید کو اپنے حق میں شدید قسم کی پابندی سمجھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اس سے ہمارے حقوق چھینے جا رہے ہیں۔ موذن رسول جناب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں ''مشرکین کے کیمپ کی عورتوں نے بھی اسلام کی ان تحدیدات پر مخالفانہ آواز اٹھائی، ان میں سے اکثر کو یہ ڈر تھا کہ جن لوگوں نے کئی کئی بیویاں کر رکھی ہیں وہ ان کو طلاق دے دیں گے اور چار کے حکم پر عمل کرنے کے نتیجے میں مرد اگر ان کو طلاق دیں گے تو پھر ان کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ ان کا سوال یہ تھا کہ ان کو کھانے پینے کے لیے کون دے گا؟ تعدد ازواج کا سبب صرف یہی نہیں تھا بلکہ اس کا سبب یہ بھی بتایا جاتا تھا کہ ایک مرد اپنی سخاوت سے ایک ہی وقت میں کئی کئی عورتوں پر خرچ کرتا تھا۔ اس وجہ سے کوئی تعجب نہ ہونا چاہیے کہ جب اسلام نے ایک وقت میں صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی تو عورتوں میں بھی اضطراب پیدا ہوا ہو۔ چند ہی عورتوں نے اس اقدام کو خوش آمدید کہا تھا۔ اصل میں ساتویں صدی عیسوی میں جزیرۃ العرب کے حالات کا تصور ہمارے لیے محال ہے۔ چنانچہ آج جس چیز پر اسلام کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ صنفی ناانصافی کو بڑھا رہا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہے،کل اس کو اسی چیز پر پابندی لگانے کے لیے موردِ اعتراض بنایا گیا تھا۔

اسلام میں بیواؤں اور مطلقہ خواتین کے حقوق

اسلام نے تعدد ازواج کی اجازت کئی اسباب کی وجہ سے دی ہے مثلاً بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی دوسری شادی، یہ اسباب حقیقی ہیں وہمی یا تصوراتی نہیں۔ آیئے ان میں سے بعض اسباب کا جائزہ لیں:

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مطابق: ''عموماً کسی بھی عمر میں موت کا رسک عورتوں کے لیے کم اور مردوں کے لیے زیادہ ہوتا ہے۔''

بہت سے سماجی اور سیاسی اسباب کی بنا پر بیواؤں اور محتاج عورتوں کی تعداد بڑے پیمانے پر بڑھتی رہے گی جس کے بڑے اسباب یہ ہیں:

جنگ، حادثے ،فطری آفات اور قید و بند وغیرہ۔

جنگ عظیم اول (18-1914) میں تقریباً 18 ملین سپاہی مارے گئے ، عام مرنے والوں میں بھی زیادہ تر مرد ہی تھے۔ دوسری جنگ میں (45-1939) تقریباً 60 ملین لوگ مارے گئے یا زندگی بھر کے لیے ان کے اعضاء کٹ پھٹ گئے۔ ان میں سے بھی اکثر مرد ہی تھے۔ صرف ایران ،عراق جنگ (19701988) میں 82 ہزار ایرانی عورتیں اور ایک لاکھ عراقی عورتیں بیوا ہوئیں اور یہ صرف 10 سال کے عرصہ میں ہوا۔

کوئی ملک ایسا نہیں جس میں سڑکوں اور گلیوں میں حادثے نہ ہوتے ہوں۔ انڈیا میں سرکاری رپورٹ کے مطابق تین لاکھ 60 ہزار حادثاتی اموات کی خبر تو صرف 2009 کی ہے۔ جن میں مردوں کا تناسب 77 فیصد اور عورتوں کا 23 فیصد تھا۔

دوسرا بڑا سبب جن کے باعث سماج میں مرد کم رہ جاتے ہیں وہ جیل جانا ہے۔ چنانچہ 2009 میں امریکہ میں 5800,22,7 لوگوں کو جیل بھیجا گیا۔ جن میں 97% کو طویل مدتی جیل کاٹنے کا حکم ہوا کیوں کہ وہ سنگین جرائم کے مرتکب تھے۔ قیدیوں میں بھی زیادہ تر مرد ہی ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کو سزائے موت یا سزائے عمر قید دی جاتی ہے۔ ایک صحت مند معاشرہ کے لیے ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مناسب اور انسانی حل اس مسئلہ کے لیے ضروری ہے جو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ نسوانیت کے تمام حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ اس خاص صورت حال میں اسلام کا حل یہ ہے کہ شادی کو فسخ کرا دیا جائے اور بعض شدید حالات میں تین سال کی جیل کی صورت میں بھی نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔ اس طرح جن عورتوں پر زد پڑی ہے وہ قانونی طور پر نیا ساتھی منتخب کر لیں گی یوں تعدد ازواج کے ذریعہ عورتوں کو بچایا جا سکتا ہے اور ان کے مشکل مسئلہ کو حل کیا جا سکتا ہے۔

اب اگر کوئی سوسائٹی ایسی حالت میں آ جاتی ہے اور وہ تعدد ازواج کو ممنوع قرار دے اور بس یک زوجگی کو جائز ٹھہرائے تو سوال یہ ہے کہ بیوائیں اور مطلقہ عورتیں کیا کریں گی؟ کہاں اور کیسے ان کو فطری طور پر مطلوب شریک زندگی ملے گا؟ کہاں اور کیسے ان کو ضروری ہمدردی اور غم گساری اور حمایت و تحفظ ملے گا؟ پھر اس مسئلہ کے مضمرات صرف سادہ طور پر مادی اور جسمانی نہیں ہیں بلکہ اخلاقی، جذباتی، سماجی، قلبی اور فطری بھی ہیں۔

ہر نارمل عورت، چاہے وہ کاروبار میں ہو، بین خارجہ امور میں ہو یا انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ میں ہو، آرزو کرتی ہے کہ اس کا ایک گھر ہو اس کی اپنی فیملی ہو۔ کوئی ہو جو اس کے پیچھے اس کا خیال رکھے۔ اگر ہم اس کو خالصتاً جسمانی نقطہ نظر سے دیکھیں تب بھی مضمرات بہت سنگین ہیں جن کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ورنہ نفسیاتی پیچیدگیاں، اعصابی نظام کی ٹوٹ پھوٹ، سماجی اضطراب اور ذہنی عدم استحکام میں زبردست اضافہ ہو جائے گا۔

ان فطری ضروریات اور جذباتی امنگوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ عورتوں سے وابستگی، ان کا خیال رکھنا، اور ان کی خبر گیری کرنا ضروری ہے۔ ان حالات میں عمومی طور پر عورتیں اپنی فطرت کو بھول کر فرشتہ نہیں بن جاتیں۔ بلکہ ان کے ذہن میں ہر حال میں یہی رہتا ہے کہ زندگی میں ان کے بھی حق ہیں اور ان کی تکمیل بھی ہونی چاہیے۔ اگر وہ زندگی کو جائز طریقے سے حاصل نہیں کرتی ہیں تو انہیں دوسرے راستے ڈھونڈنے میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ چاہے وہ راستے کیسے ہی عبوری اور رسکی ہوں۔ بہت کم ہی عورتیں ایسی ہیں جو مردوں کے مستقل اور یقینی ساتھ کے بغیر زندگی جی لیتی ہیں۔

ماضی میں یوں بھی ہوتا تھا کہ جب ایک عورت کا شوہر مر جاتا تو وہ موروثی جائیداد کی طرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شوہر کے بھائی یا سوتیلے بیٹوں کو دے دی جاتی۔ ہندوستانی سماج میں یہ ریت تھی کہ عورت کو شوہر کی چتا کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا اور اگر وہ زندہ ہی رہتی تو اسے زندگی کی آسائشوں سے دور رہنا پڑتا اور وہ ہمیشہ شوہر کا ماتم کرتی۔

لیکن اسلام نے بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کے رنج وغم کو صرف چار مہینے دس دن تک محدود کر دیا جسے ''عدت کی مدت'' کہتے ہیں۔ عدت گزارنے کے بعد اسے ہر طرح کی زیب وزینت اختیار کرنے کی اجازت ہے اور اب اسے دوسری شادی کی اجازت بھی مل جاتی ہے قرآن نے اس کی اجازت یوں دی ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ

تمہارے درمیان جو یتیم اور تنہا ہوں ان کے نکاح کر دو۔ [1]

خواتین کی رضامندی، اسلام کا موقف

شادی کے سلسلہ میں مرد عورت انتخاب کرتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی ضروری ہے کہ ازدواجی زندگی میں مرد کے ساتھ رہنے پر عورت بھی راضی ہو۔ اسلام میں شادی سے پہلے عورت کی رضامندی ایک ناگزیر شرط ہے۔ کسی عورت سے جبراً شادی کرنا اسلام میں جائز ہی نہیں۔ اسلام کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں کہ کسی مرد کو عورت سے جبراً شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہو۔

پیغمبر اسلام ﷺ کا حکم یہ تھا کہ ''شادی سے پہلے کنواری لڑکی کی اجازت ضرور لی جائے۔''

''چنانچہ آپ ﷺ کے ایک صحابی اور قرآن کے مفسر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک لڑکی حضور ﷺ کے پاس آئی اور اس نے بتایا کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی کر دی ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار دیا کہ یا تو وہ اس شادی کو قبول کر لے اور یا اس کے بندھن سے اپنے آپ کو آزاد کر لے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی نے ایک باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک واقعہ بیان کیا کہ اس کے شوہر کا نام مغیث رضی اللہ عنہ تھا جو ایک حبشی غلام تھا۔ مغیث بریرہ رضی اللہ عنہا کو بہت چاہتا

[1] النور: 32

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا مگر بریرہ رضی اللہ عنہا اس سے نفرت کرتی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کی آنکھوں دیکھی کہانی یوں بیان کرتے ہیں کہ مغیث رضی اللہ عنہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں پھر رہا تھا۔ وہ چلا رہا تھا، آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے جو اس کی داڑھی کو تر کر رہے تھے اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا: کیا تمہیں تعجب نہیں ہو رہا ہے کہ مغیث رضی اللہ عنہ کو بریرہ رضی اللہ عنہا سے کس قدر محبت ہے اور یہ کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو مغیث رضی اللہ عنہ سے کتنی نفرت؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ تم مغیث رضی اللہ عنہ کو دوبارہ قبول کر لو، بریرہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، یہ محض ایک سفارش ہے تب بریرہ رضی اللہ عنہا نے مہذب انداز میں مغیث رضی اللہ عنہ معذرت کر لی۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں تعدد ازواج کا ایک دلچسپ واقعہ رونما ہوا کہ ایک خاتون ام ابان بن ثابت رضی اللہ عنہا کو چار لوگوں نے شادی کا پیغام دیا، جن میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تھے یہ سب کے سب شادی شدہ تھے۔ ام ابان رضی اللہ عنہا نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پیغام کو قبول کر لیا اور باقی تینوں کے پیغامات کو مسترد کر دیا، اس کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے ہی ان کی شادی ہوگئی۔ یہ مدینہ میں ہوا جو اسلامی ریاست کا صدر مقام تھا اور خود خلیفہ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں تھے جن کے پیغام کو مسترد کر دیا گیا تھا۔ لیکن نہ تو کسی نے حیرت کا اظہار کیا اور نہ دکھ کا۔ کیوں کہ اسلام نے ایک عورت کو اپنے فیصلے لینے کی پوری آزادی ہے۔ اس کے اس حق کو کوئی چھین نہیں سکتا یہاں تک کہ خلیفہ وقت بھی نہیں۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت کا مطلب یہ بالکل نہیں ہوتا کہ مرد نے چار عورتوں کو پکڑ کر ڈربہ میں بند کر دیا ہے۔ شادی تو ایسا معاملہ ہے جس میں طرفین کی پوری رضامندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی عورت کو دوسری تیسری بیوی بنایا جا سکتا ہے جو دوسری تیسری بیوی بننا چاہے۔ اور اگر یہ عورت کی کامل رضامندی پر منحصر ہے تو اعتراض کی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔

موجودہ دور میں اختیار کی آزادی کو زبردست اہمیت دی گئی ہے۔ اسلامی شریعت اس چیز کی قدر کرتی ہے۔ تاہم دوسری جانب آزادی نسواں کی تحریک عملاً اس اختیار کی آزادی کو تحدید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اختیار میں بدل دینا چاہتی ہے۔

غلط فہمی

تعدد ازواج کے بارے میں ایک عام غلط فہمی یہ بھی ہے کہ اس سے آبادی میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔ کیوں کہ اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت ہے۔ تو اسی چیز کو بنیاد بنا کر پروپیگنڈا یہ کیا جا رہا ہے کہ اس سے مسلمانوں کی آبادی میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے اور دوسری قوموں کو اس سے خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔ یہ سچائی سے بہت دور بات ہے۔ کوئی بھی عقل مند آدمی منطقی طور پر یہی سمجھے گا کہ چار عورتوں سے نکاح کرنے والا مرد بھی اتنے ہی بچے پیدا کرے گا جتنے ایک بیوی سے۔ بچوں کی پیدائش تو اصل میں عورت کے بچہ جننے کی صلاحیت پر موقوف ہے۔ یہ صرف مرد ہی پر منحصر نہیں۔ اگر مرد چار عورتوں سے شادی کرتا ہے تب بھی مدت حمل 9 مہینے ہی رہے گی۔ وہ نہ گھٹے گی نہ بڑھے گی۔ تو تعدد ازواج سے آبادی کیسے بڑھ جائے گی؟

مذکورہ بالا حقائق سے غلط مفروضوں اور پروپیگنڈوں کی سرے سے نفی ہو جاتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پچیسواں باب

حضرت محمد ﷺ کی متعدد شادیاں

جب بھی رسول اللہ ﷺ کا نام سامنے آتا ہے تو بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں ''محمد بیویوں والا'' جیسی شبیہ ابھرتی ہے۔ یہ دشمنوں کے پروپیگنڈے کا کمال ہے۔ اور منفی تصویر اکثر بہت سے غیر مسلموں کو رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو سمجھنے میں سد راہ بن جاتی ہے اور وہ اکثر اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں غلط نتائج نکالنے لگتے ہیں۔ ذیل میں ہم چند حقائق پر روشنی ڈالتے ہیں۔

﴿۱﴾ اسلام میں نکاح کے ادارہ کو ایک اعلیٰ حیثیت دی گئی ہے۔ کسی سماج کی صحت مندانہ بقا کے لیے یہ ضروری اور ناگزیر بنیاد ہے۔

﴿۲﴾ نبی ﷺ نے 25 سال کی عمر تک مکہ کے معاشرہ میں لوگ آپ کو الصادق اور الامین کہتے تھے یعنی وہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ امانت دار اور سب سے زیادہ سچا سمجھتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ ایک سچے اور ایماندار تاجر، سب سے محبت کرنے والے دوست، اور غریبوں کی مرادیں برلانے والے، بیواؤں کا سہارا اور یتیموں کا آسرا سمجھے جاتے تھے۔

﴿۳﴾ پیغمبر اسلام ﷺ کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت ہوئی جب آپ ﷺ کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 40 سال تھی۔ وہ آپ ﷺ سے 15 سال بڑی اور نہایت بلند اخلاق کی حامل تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی شادی کی پیش کش کی تھی آپ ﷺ نے ان کی پیش کش کو قبول کرلیا اور ان کی بڑی عمر اور بیوگی پر نہیں گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ پیغمبر کے تمام تر امور اپنے رب کے حکم سے ہوتے ہیں اور ان کو نفسانی خواہشات سے غرض نہیں ہوتی پیغمبران سب چیزوں سے بہت ارفع اور بلند تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ نے ایک مسرت بھری زندگی گزاری۔ دونوں تقریباً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

25 سال ساتھ رہے، اور آپ ﷺ کے سارے بچے (ایک کو چھوڑ کر) انہیں سے ہوئے۔ ان کے جیتے جی آپ ﷺ دوسری شادی نہیں فرمائی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بعض دوستوں نے جب آپ ﷺ کو دوسری شادی کا مشورہ دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اب شادی کو کون سوچ سکتا ہے۔'' ان لفظوں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے آپ ﷺ کی گہری محبت وخلوص کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات

شدت پسند قریشی لیڈروں نے تین سال تک مسلمانوں اور بنو ہاشم کا سماجی مقاطعہ کیا تھا۔ جس کے دوران بنو ہاشم، محمد رسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ کے گھر والوں اور مسلمانوں کو پوری طرح باہر کی دنیا سے کٹ کر اور شدید مشقتیں جھیل کر رہنا پڑا۔ ان حالات نے عورتوں و بچوں کی صحت کو خاص طور پر متاثر کیا۔ قریش کے اس ظالمانہ مقاطعہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بیمار پڑ گئیں اور محض تین دن کی بیماری کے بعد دسمبر 619 کے ایک دن اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئیں۔ آپ ﷺ ان کی تیمارداری کرتے رہے اور تمام وقت ان کے پاس رہے، وہ آپ ﷺ کی مثالی بیوی، سب سے بڑھ چڑھ کر مونس وغم خوار اور سب سے بڑی حمایتی تھیں۔ جنہوں نے اپنے سارے وسائل اور تن من دھن سب اسلام کی راہ میں پیش فرمائے تھے۔ آپ ﷺ اپنی تکلیفوں کا اظہار انہیں سے کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی آغوش میں انہوں نے دم توڑا۔ آپ ﷺ نے وعدہ فرمایا کہ ''وہ جنت میں سب سے اعلیٰ مقام پر ہوں گی۔'' ان کو آپ ﷺ پر پورا یقین تھا۔ آپ ﷺ کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کہنا ان کا شعار تھا۔ انہوں نے محبت آمیز مسکراہٹ سے آپ ﷺ کو دیکھا اور آخری سانس لے لی۔ ان کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا اور آپ ﷺ کے کندھوں پر ان کا بوجھ محسوس ہوا۔ ان کا جانا آپ ﷺ کے لیے سب سے بڑا اور ناقابل تلافی نقصان تھا۔

آپ ﷺ نے سب سے پیارا اور محبت والا ساتھی کھو دیا تھا۔ قریش کے ستم پیشہ لیڈران آپ ﷺ کو پریشان کرتے تھے اور گھریلو زندگی بکھر گئی تھی، بچے بڑے تھے اور ان کی خبر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گیری کرنے والا کوئی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف اور پریشانی دیکھ کر دوستوں نے مشورہ دیا کہ آپ کو کسی بیوہ سے نکاح کر لینا چاہیے۔ جو بچوں کی دیکھ بھال کر سکے اور ساتھ ہی ایک کنواری لڑکی سے بھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت اور پیار دے سکے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک ہی سال شادیاں کیں۔ یہ دونوں شادیاں دوستوں کی پہل پر ہوئی تھیں اور ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں ضرورتیں، بچوں کی نگہداشت اور ایک ہمراز ساتھی کی رفاقت، پوری ہو گئیں۔ ان شادیوں میں غیر معمولی جسمانی خواہش کا شائبہ بھی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حقیقی ضرورت درپیش تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قبول کیا تھا۔

﴿۴﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری بیوی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا خود بھی بیوہ تھیں جو اپنے شوہر کے ساتھ آغاز ہی میں مسلمان ہو گئیں تھیں اور انہوں نے حبشہ کو ہجرت بھی کی تھی۔ وہاں سے لوٹنے پر ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا لہٰذا انہیں بھی ایک پناہ کی ضرورت تھی۔ قرین فطرت تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ میں آ جائیں اور اس مشن کی قریبی خدمت گار بن جائیں جس کے لیے ان کے پہلے شوہر نے جان دی تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ نکاح کے وقت حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر بھی 40 سے تجاوز کر چکی تھی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کی خبر گیری کی، ان کے پہلے شوہر سے ایک بیٹا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

﴿۵﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیسری بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یار غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ اس شادی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک مقصد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوستی و اخوت کے رشتہ کو مزید مستحکم کرنا تھا۔ دوسرا یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کنبہ کی تھیں جو شرافت و ذہانت میں معروف تھا۔ شادی کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔ مگر بعض حالیہ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ ان کی عمر 15 سال تھی نہ کہ گیارہ سال۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ کی نوعیت دوسری بیویوں کے مقابلے میں ذرا مختلف تھی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکری رفیق و ہمراز ساتھی بھی تھیں، صرف ایک بیوی ہی نہ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے زیادہ لگاؤ اس لیے رکھتے تھے کہ وہ شوہر سے گفتگو کرتیں اور دلیل کے ساتھ اپنی بات کہتی تھیں۔ یعنی وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑے ذوق و شوق والی شاگردہ تھیں۔ ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے فخر کی بات تھی کہ مدنی سورتیں زیادہ تر اس وقت نازل ہوئیں جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھیں جس کو وہ خدا کا خصوصی انعام قرار دیتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ فیملی لائف اور شخصی زندگی سے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے انسانیت کو زبردست فائدہ پہنچے گا کیوں کہ ان سے زیادہ کسی اور نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنے قریب سے نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل ایمان کو ترغیب بھی دی کہ نصف دین عائشہ رضی اللہ عنہا سے سیکھو۔ رسول اللہ کی بصیرت سچ ثابت ہوئی۔ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد 45 سال زندہ رہیں اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام، علم نبوی اور حکمت نبوی کی سب سے بڑی ترجمان اور شارح بن گئیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مقدس اور پاکیزہ ہستی تھیں۔ دنیائے اسلام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا زبردست احترام کیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے 2210 احادیث مروی ہیں جن کو انہوں نے راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ سے سننے کا شرف حاصل کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کو نیز عورتوں، بچوں اور غلاموں کو علوم نبوت کا درس دیتی رہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا ممتاز راوی حدیث ہیں جن پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ چنانچہ دینی، شرعی اور قضا کے معاملات میں آپ رضی اللہ عنہا مرجع خلائق تھیں، کیوں کہ آپ رضی اللہ عنہا کو ایک لمبے عرصہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنے کا شرف ملا تھا اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم سیکھنے کی بہت زیادہ شوقین بھی تھیں۔

﴿۶﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں بیویوں، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پانچ چھ سال رہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک 56 کی ہوگئی۔ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نکاح نہیں فرمایا۔

﴿۷﴾ اپنی عمر کے 56 سال سے 60 سال تک کی مدت میں آپ نے 9 شادیاں کیں ان مسلسل شادیوں کے مختلف اسباب تھے۔ زندگی کے آخری تین سالوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی شادی نہیں کی۔

﴿۸﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوتھی بیوی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیوہ صاحبزادی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر بدر کی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی سے شدید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محبت کرتے تھے۔انہوں نے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان سے نکاح کر لینے کی درخواست کی مگر دونوں نے انکار کر دیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پریشان دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لے لینے کی پیشکش فرمائی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا غصہ والی اور تند مزاج تھیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ:

> ''ایک بار میری بیوی نے مجھے پلٹ کر جواب دیا تو مجھے سخت غصہ آیا میں نے کہا کہ تمہاری یہ ہمت کیسے ہوئی؟ انہوں نے کہا کہ بس اتنی سی بات پر ناراض ہو گئے،تمہاری بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیز و تند جواب دیتی ہیں۔'' یہ سن کر میں اپنی جگہ اچھل پڑا اور فوراً حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور ان سے اس بابت سوال کیا۔انہوں نے کہا:ہاں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بحث کر لیتی ہوں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا:''میں تمہیں تنبیہ کرتا ہوں،تم ایسا کرو گی تو اللہ تعالی تمہیں سزا دے گا۔''

﴿۹﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچویں بیوی حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا تھیں جو بنو ہوازن کے طاقتور قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔وہ بھی بیوہ تھیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے شادی کی تو وہ 60 سال سے اوپر تھیں۔وہ بہت فیاض اور یتیموں اور مسکینوں پر خرچ کرتی تھیں،اسی وجہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا ام المساکین کے لقب سے ملقب تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے تین مہینے بعد ہی ان کی بھی وفات ہوگئی۔جس کی پیشین گوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی کر دی تھی۔

﴿۱۰﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھٹی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں وہ بھی بیوہ تھیں۔وہ قبیلہ بنو فراس کے ایک معزز خاندان سے تھیں اور بالکل آغاز ہی میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔جب ان کے شوہر نے مدینہ ہجرت کی تو ان کے قبیلہ کے لوگوں نے ان کو اپنا بچہ اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دی۔دشمنان اسلام کی ایک ظالمانہ ترکیب یہ بھی تھی۔کچھ دنوں بعد وہ کسی طرح مکہ سے نکلنے میں کامیاب ہوگئیں لیکن وہ مدینہ پہنچی ہی تھیں کہ شوہر ایک معرکہ میں شہید ہو گئے۔انہوں نے چار بچے چھوڑے تھے۔اس کے علاوہ وہ حمل سے بھی تھیں۔حضرت ام سلمہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہا بڑی پریشان ہوئیں رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ہمدردی کی اور ان کو نکاح کی پیشکش فرمائی۔ شروع میں ان کو تذبذب تھا، کیوں کہ پہلے شوہر سے بچے بھی تھے، آپ ﷺ نے ان کو یقین دلایا کہ بچوں کا خیال رکھیں گے۔ وہ اس سے متاثر ہوئیں اور آپ ﷺ سے نکاح پر راضی ہوگئیں۔ اب سوال یہ ہے کہ 56 سال کی چار بچوں والی بیوہ سے شادی کا محرک اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی رحمت، مہربانی اور محبت نے اس پر آمادہ کیا؟ اس شادی کے پیچھے ایک مقصد اور تھا، وہ یہ کہ بنومخزوم مکہ کا ایک طاقتور قبیلہ تھا جو اب تک اسلام کا شدید دشمن بنا ہوا تھا۔ اس شادی سے اس طاقتور قبیلہ کو اسلام کے قریب لانا بھی ایک بڑا مقصد تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی عابدہ، زاہدہ خاتون تھیں جو مہینہ میں تین دن روزہ رکھتیں اور ساری ساری رات عبادت کرتی تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی بڑی فرمانبردار، محبت کرنے والی اور آپ ﷺ کا بڑا احترام کرنے والی تھیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی صاف گو تھیں۔ ایک مرتبہ ایک دوست نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی کیسی تھی؟ فرمایا آپ ﷺ کی خانگی زندگی اجتماعی زندگی سے ذرا بھی مختلف نہ تھی۔

﴿11﴾ آپ ﷺ کی ساتویں بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ جب انہوں نے مدینہ ہجرت کی تو وہ بھی بیوہ تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کی شادی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کردی۔ دونوں میاں بیوی میں بن نہ پائی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی تب آپ ﷺ نے اللہ تعالی کے حکم پر ان سے نکاح کرلیا۔ اس وقت ان کی عمر 38 سال تھی۔ اس شادی پر آپ ﷺ کے ناقدین بڑی لے دے مچاتے ہیں اور دلیل دیتے ہیں کہ یہ دو وجوہ سے غلط تھی۔ ایک تو یوں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا چونکہ آپ ﷺ کے منہ بولے بیٹے کی زوجیت میں رہ چکی تھیں، اس لیے آپ ﷺ کے لیے بمنزلہ بیٹی کے تھیں۔ دوسرے یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہی ان کو طلاق دلوائی کیوں کہ آپ ﷺ کا خود ان سے شادی کرنے کا ارادہ تھا۔ تاہم ذیل میں ہم ان دونوں دلیلوں کا جائزہ لے کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کیے دیتے ہیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس بطور غلام آئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان کی شادی اپنی کھلائی ام ایمن سے کر دی تھی، اس کے بعد اپنی کزن حضرت زینب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہا سے بھی ان کا نکاح کر دیا جو رشتہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کی پوتی ہوتی تھیں لیکن دونوں کے سماجی رتبہ میں فرق ہونے کے باعث دونوں میں نباہ نہ ہو سکا کیوں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس رشتہ سے خوش نہ تھیں۔

یہ اعتراض کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی ان کو طلاق دلوائی چنداں قابل اعتماد نہیں بلکہ اس سے بڑا جھوٹ کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی کزن تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو بچپن سے ہی جانتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا گھر بسانا اس لیے چاہتے تھے کہ پہلے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ اگر آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حسن پر فدا ہوتے تو پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کیوں کراتے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی اس لیے ٹوٹی کہ زینب اس شادی سے خوش نہ تھیں چونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ماضی میں غلام رہ چکے تھے اس لیے وہ ان کو کم حیثیت کا سمجھتی تھیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کے اس رویہ کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی بار خود شکایت کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ان کو صبر و ضبط کی تلقین فرماتے۔ ایک بار ان کے سلوک سے حضرت زید رضی اللہ عنہ اتنے نالاں ہوئے اور آخر کار اُن کو طلاق دے دی۔ اسی اثنا میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

(لوگو!) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا بخوبی جاننے والا ہے۔ [1]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے رشتہ داروں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زور ڈالا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے شادی کر لیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں متردد تھے کیونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبنیٰ بیٹے رہ چکے تھے۔ اور مشرکین میں متبنیٰ بیٹے کو حقیقی بیٹے جیسا سمجھا جاتا تھا۔ تب وحی قرآن نے آکر بتایا کہ منہ بولے بیٹے کی شرع میں کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ صلبی بیٹا ہی قانونی لحاظ سے بیٹا

---

[1] الاحزاب:40

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے۔ اس طرح آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شادی کی اجازت مل گئی اس کا مقصد عرب میں پرانے زمانے سے رائج متبنیٰ بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھنے کے رواج کو ختم کرنا تھا۔ اس شادی کے بارے میں قرآن نے بتایا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٣٧﴾

پس جب کہ زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی (یعنی نکاح کے بعد طلاق دے دی اور وہ عدت سے فارغ ہو گئیں) تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا۔ [1]

احادیث میں آتا ہے کہ خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس کے لیے دعا کیا کرتی تھیں کہ "خدایا اگر میں ان کے لائق ہوں تو میرا نکاح (محمد ﷺ) سے کر دے۔" روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس کی اطلاع بھجوائی کہ خدا تعالیٰ نے ان کا نکاح آپ ﷺ سے کر دیا ہے۔ یہ خبر سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا زیور اتار دیا اور سلمہ نامی اس باندی کو دے دیا جو یہ خبر لے کر آئی تھی۔ پھر سجدے میں چلی گئیں اور دو ماہ روزہ رکھنے کی نذر مان لی۔ اس نکاح پر آپ ﷺ نے ایک بڑی دعوت کی۔ تقریباً 300 لوگ اس میں شریک ہوئے۔ چونکہ آپ ﷺ کا ایک ہی حجرہ تھا اور بعض لوگ دیر تک رکے رہنے کی وجہ سے آپ ﷺ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے لیے مشقت کا باعث بنے تھے۔ چنانچہ اس بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ

[1] الاحزاب:37

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

اے ایمان والو! جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے تم کھانے کے لیے نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو ایسے وقت میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرتے رہو بلکہ جب بلایا جائے تو جاؤ اور جب کھا چکو نکل کھڑے ہو، وہیں باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو۔ نبی کو تمہاری اس بات سے تکلیف ہوتی ہے۔ وہ لحاظ کر جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ (بیان حق میں) کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے کامل پاکیزگی یہی ہے۔ [1]

﴿۱۲﴾ رسول اللہ ﷺ کی آٹھویں بیوی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث بنو مصطلق کے طاقتور قبیلہ کے سردار کی بیٹی تھیں۔ اسی قبیلہ کے ایک اعلیٰ خاندان کے فرد سے انکی شادی ہوئی تھی۔ ان کے شوہر اور باپ دونوں اسلام کے شدید دشمن تھے۔ جب بنو مصطلق سے جنگ ہوئی تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی مسلمانوں کی قید میں آ گئیں۔ حارث بڑی جلدی میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا اور بولا یا محمد ﷺ، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سردار کی بیٹی ہے اس لیے ان کو باندی بنا کر رکھنا آپ ﷺ کو زیب نہیں دیتا میری گزارش ہے کہ اسے چھوڑ دیجیے میں اس کا زر فدیہ دینے کے لئے تیار ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ خود حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ہی اس کا فیصلہ کرلیں؟ حارث نے اپنی بیٹی کو بتایا کہ محمد ﷺ نے ان کو سارا اختیار دے دیا ہے۔ اس لیے وہ بھی کوئی فیصلہ کرتے ہوئے محمد ﷺ کے احسان کا خیال کریں۔ حضرت جویریہ

[1] الاحزاب:53

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہا نے کہا "میں محمد ﷺ کی خادمہ بن کر رہنا پسند کروں گی اس لیے وہ مجھ سے شادی کرلیں تو اچھا رہے گا۔" حارث اس جواب سے خوش ہوا اور زرفدیہ فوراً ادا کردیا تب محمد ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا۔ اس نکاح سے مسلمانوں میں ان کے قبیلہ کے لئے خیر سگالی کے جذبات پیدا ہوئے اور اس کے تمام جنگی قیدی آزاد کردیئے گئے۔ مزید یہ کہ اس نکاح سے امن قائم ہوا اور مسلمانوں اور ان کے قبیلہ میں دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی بہترین سہیلی بن گئیں اور انہوں نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو دین کی تعلیمات سکھائیں۔ وہ بہت جلدی سیکھ گئیں وہ نہایت متدین اور مخلص مومنہ تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی تعریف فرمائی کہ "وہ ایسی نیک چلن تھیں کہ ان کی نیکی دوسروں کو اپنی طرف بے اختیار کھینچتی تھی۔"

﴿۱۳﴾ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی نویں بیوی تھیں جو اسلام کے کٹر دشمن اور قریش مکہ کے لیڈر ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ ان کی ماں ہند بھی اسلام کی شدید دشمن تھی۔ مگر اپنے ماں باپ کے برخلاف حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ مکہ میں ہی اسلام قبول کرلیا تھا اور اس کے بعد حبشہ کو ہجرت کی۔ وہاں جا کر ان کا شوہر مرتد ہوکر نصرانی ہوگیا، مگر وہ اسلام پر قائم رہیں۔ ان کے شوہر نے شراب وغیرہ پینی شروع کردی۔ اور زیادہ پینے کے باعث اس کی موت ہوگئی۔ مکہ واپسی پر آپ کو ان کی حالت دیکھ کر دکھ ہوا اور بڑا ترس آیا۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے قبیلہ بنوعبدالشمس کے بہت سے لوگوں کو اسلام کے حق میں ہموار کردیا۔ خود ابوسفیان میں بھی پہلے سی شدت نہ رہ گئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہی بنی تھی۔ قریش کو یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ محمد ﷺ ان کے دشمن نہیں رشتہ دار ہیں۔ نکاح کے وقت حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر 38 سال تھی۔ انہوں نے ایک ایک لمحہ آپ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کردیا اور آپ ﷺ کے بعد بھی 20 سال تک زندہ رہیں اور 73 سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ان کے پہلے شوہر سے دو بیٹے تھے مگر آپ ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

﴿۱۴﴾ حضرت محمد ﷺ کی دسویں زوجۂ محترمہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جو خیبر کی جنگ میں گرفتار ہوگئی تھیں۔ ان کے ماں باپ دو معزز یہودی قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی ایک مشہور یہودی شاعر ابن مشکم سے ہوئی تھی۔لیکن دونوں میں زیادہ دنوں تک نہیں نبھ سکی ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک مشہور یہودی جنگجو سے دوبارہ شادی کر لی۔لیکن خیبر کی جنگ میں وہ بھی مارا گیا۔اس کے علاوہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے خاندان کے دوسرے مرد اور ان کا باپ بھی مارا گیا۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جنگ میں گرفتار ہوگئیں اور ایک صحابی کے حصے میں آئیں۔دوسرے صحابیوں کو اعتراض ہوا کہ چونکہ وہ ایک سردار کی بیٹی ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ کی ہی باندی بن سکتی ہیں۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بھی مسلمان ہو کر کسی معزز مسلمان سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔اسی طریقہ پر ان کا کھویا ہوا وقار اور احترام ان کی قوم میں بحال ہوسکتا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر آنکھ کے پاس ایک تل پڑا ہوا دیکھا تو پوچھا:

> ''یہ کیسے پڑا؟ انہوں نے جواب دیا، ایک دن میں نے خواب دیکھا کہ مدینہ سے ایک چاند نکلا اور میری گود میں گر گیا۔میں نے یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا۔اس نے کہا تم مدینہ کے بادشاہ سے شادی کرنا چاہتی ہو؟ اس کے بعد اس نے میرے منہ پر تھپڑ مارا، یہ اسی کا نشان ہے۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کی عظیم شخصیت، آپ ﷺ کی سچائی، آپ ﷺ کی دعوت اور مشن کی صداقت اور آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ سے زبردست متاثر تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔اور نہایت مخلص اور پابند شرع اور متقی و پرہیز گار مسلمان بنیں۔ انہیں اسلام قبول کرنے پر فخر تھا۔ایک بار عہد نبوی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھ لیا کہ کیا ان کے پرانے یہودی تعلقات باقی ہیں۔ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا:''میں جمعہ کو عبادت کرتی ہوں، سبت (ہفتہ) کو نہیں۔لیکن میں اپنے یہودی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتی ہوں اور اسلام مجھے اس سے نہیں روکتا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو کر رہ گئے۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بہت قریب تھیں، ان سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔اور 60 سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔

﴿۱۵﴾ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا: یہ آپ ﷺ کی خدمت میں اسکندریہ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آرک بشپ نے بطور خادمہ کے بھیجی تھیں۔ اب اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو باندی بنا کر ہی رکھتے تو یہ تحفہ بھیجنے والے کی بے احترامی ہوتی جو کسی پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام سے متصور نہیں کی جاسکتی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد یہی تنہا ایک بیوی ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اولاد ہوئی چنانچہ حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے جو دو سال کے ہونے سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اس سے دکھ ہوا اور چند سال بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

﴿۱۶﴾ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری شادی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی جو مطلقہ تھیں اور بہت بوڑھی تھیں، خود نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بھی 57 سال کی ہو گئی تھی۔ ان کے قبیلہ کو حلالیین کہتے ہیں اس شادی کی وجہ بھی یہ تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو نکاح میں لینے سے ان کا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا۔ چنانچہ ہوا بھی یہی کہ نکاح کے بعد پورا قبیلہ یک دم مسلمان ہو گیا۔

﴿۱۷﴾ اوپر کے مختصر تجزیاتی مطالعہ سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادیوں کا محرک نفسانی خواہشات نہ تھیں بلکہ یہ شادیاں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوئی تھیں اور ان کے مقاصد تمام تر دینی واجتماعی تھے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزید شادی نہ کرنے کا حکم آیا وجہ یہ تھی کہ مقاصد پورے ہو چکے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن تکمیل کو پہنچنے کو تھا۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾

(اے پیغمبر) ان کے سوا اور عورتیں تم کو جائز نہیں اور نہ یہ کہ ان بیویوں کو چھوڑ کر اور بیویاں کرو خواہ ان کا حسن تم کو (کیسا ہی) اچھا لگے مگر وہ جو تمہارے ہاتھ کا مال ہے (یعنی لونڈیوں کے بارے میں تم کو اختیار ہے)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور خدا ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔[1]

﴿۱۸﴾ یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ مذکورہ بالا امہات المومنین میں نکاح کے وقت اکثر 40 یا 50 کی تھیں۔ یعنی وہ عنفوان شباب سے گزر چکی تھیں۔ اسی طرح ان میں سے کوئی بھی خصوصیت کے ساتھ جسمانی حسن و جمال میں مشہور نہ تھیں۔ اکثر بیوہ یا مطلقہ تھیں اور کئی کے سابق شوہروں سے بچے بھی تھے۔ ان میں سے کئی نے تو اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے پیش کیا تھا اور بعض تحفہ میں بھیجی گئیں تھیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ ان سے نکاح کر لیا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور کسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچے نہیں ہوئے۔

کل ملا کر خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ یہ تمام شادیاں سماجی، سیاسی اور انسانی بنیادوں پر ہوئی تھیں اور اسلامی دعوت کو آگے بڑھانے اور ان قدروں کو فروغ دینے کے لیے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت عزیز تھیں۔

﴿۱۹﴾ اس بحث سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیاں جسمانی ضرورتوں کی تکمیل اور حیاتیاتی مقاصد کے تحت نہیں ہوئیں۔ شخصی خواہشات اور جسمانی ضروریات کے تحت ان شادیوں کا انجام پانا بالکل بھی سمجھ میں آنے والی چیز نہیں ہے۔ تاہم کوئی بھی دوست یا دشمن اگر اس تفصیل کے باوجود یہ سمجھنے پر مصر ہو کہ ان شادیوں کا محرک جنسی خواہشات تھیں اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقی بلندی اور روحانی کمال پر شک ہو تو پھر اسے درج ذیل سوالوں کا تسلی بخش جواب بھی دینا پڑے گا کہ:

> آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی شادی 25 سال کی عمر میں ایک ایسی خاتون سے کیوں کی جو بیوہ بھی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے 15 سال بڑی یعنی 40 سال کی، جب کہ آپ نے اس سے قبل کسی عورت کو کبھی ہاتھ بھی نہیں لگایا ہو؟ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک یعنی 50 سال سے زیادہ کا ہو جانے تک بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کے ہو کے رہے کوئی نکاح نہیں فرمایا؟

[1] الاحزاب: 52

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے زیادہ شادیاں بیواؤں اور مطلقہ عورتوں سے ہی کیوں کیں جو حسن و جمال کے لحاظ سے بھی غیر معمولی نہ تھیں؟ آپ ﷺ آسائش کی زندگی گزار سکتے تھے پھر بھی نہایت عسرت بھری اور سادہ زندگی گزاری کیوں؟ آپ ﷺ کی زیادہ تر شادیاں زندگی کے پانچ مصروف ترین برسوں میں ہی کیوں ہوئیں؟ جب کہ آپ ﷺ کی دعوت اور مشن کو زبردست چیلنج درپیش تھے۔ اگر آپ ﷺ اپنی حرم کی زندگی اور وفور جذبات سے مغلوب تھے تو پھر آپ ﷺ نے زندگی میں ایسا عظیم الشان کارنامہ کیسے انجام دے دیا جو دنیا میں کسی اور انسان نے کبھی انجام نہیں دیا؟ اس کے علاوہ اور بھی نکات ہیں جو پیش کیے جاسکتے ہیں دراصل معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے کہ اسے عورتوں کی خواہش جیسے کسی بہیمانہ جذبے سے تعبیر کر دیا جائے۔ بلکہ اس مسئلہ میں نہایت سنجیدہ اور ایماندارانہ تجزیہ کی ضرورت ہے۔

﴿۲۰﴾ یہاں مناسب ہوگا کہ تعدد ازواج اور رسول اللہ ﷺ کی متعدد شادیوں کے بارے میں ایک معاصر مغربی مصنفہ کیرن آرام اسٹرانگ کا ایک اقتباس نقل کر دیا جائے جو سیرت پر ایک بہترین کتاب Mohammad a prophet for our times کی مصنفہ ہیں وہ لکھتی ہیں:

"قرآن میں تعدد ازواج کا حکم سماجی قانون کا ایک حصہ ہے اس کا مقصد مردانہ جنسی خواہشات کو بڑھانا نہیں تھا بلکہ ان ناانصافیوں اور مظالم کی اصلاح تھی جو بیواؤں، مطلقہ عورتوں اور دیگر عورتوں کے ساتھ روا رکھے جاتے تھے۔ ایسا بہت ہوتا تھا کہ سرکش لوگ خاندان کے کمزور لوگوں سے سب کچھ چھین لیتے اور انکے پاس کچھ نہ بچتا۔ تعدد ازواج کا جواز اسی لیے تھا کہ خطرہ کا شکار عورتوں کی عزت کے ساتھ شادی کو یقینی بنایا جاسکے، پرانے نقصان کی تلافی ہو اور غیر ذمہ دارانہ تعلقات کا خاتمہ کیا جائے۔ اب مرد صرف چار شادی کر سکتے تھے اور ہر بیوی سے یکساں سلوک کرنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضروری تھا۔ ان کی جائیداد کو ہضم کرنا ایک بہت ہی نا منصفانہ اور شرارت بھرا کام تھا۔ دراصل قرآن عورتوں کو وہ قانونی حیثیت دینا چاہتا تھا جو اکثر مغربی عورتوں کو انیسویں صدی کے آخر تک بھی نہیں ملی تھی۔ آزادی نسواں محمد ﷺ کا نہایت عزیز منصوبہ تھا''۔

رسول اللہ ﷺ کی متعدد شادیوں کے اسباب

یہ المیہ ہی ہے کہ کتنے ہی معاندین اور ناقدین یہ کہنے میں کوئی باک نہیں رکھتے کہ رسول اللہ ﷺ نے اتنی ساری شادیاں اپنے جنسی میلانات کے باعث کی تھیں۔ وہ آپ ﷺ کے مشن اور آپ ﷺ کی حیات مقدسہ کے مزاج اور مکی و مدنی دونوں زندگیوں کا سنجیدہ مطالعہ کیے بغیر ہی آپ ﷺ پر فقرے پاس کر دیتے ہیں۔

مدینہ میں آپ ﷺ نے زیادہ تر شادیاں ذاتی قبائلی اور سیاسی مفادات و محرکات کے پیش نظر کی تھیں۔ آپ ﷺ 55 سال کے ہو گئے تھے جب آپ ﷺ کے گھرانہ میں وسعت ہوئی اور کئی مطلقہ یا بیوہ خواتین آپ ﷺ کے حبالہ عقد میں آئیں۔ دو بیویوں کو چھوڑ کر سب کی عمر 36 سال سے زیادہ تھی۔ کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ پچاس سال سے زیادہ کی عمر میں جب آپ ﷺ وجود و بقا کی شدید جد و جہد میں مصروف تھے آپ ﷺ کو عورتوں کا شوق چرایا؟ اندر باہر ہر طرف سے یورش اعدا تھی، یہودیوں کی ریشہ دوانیاں تھیں منافقوں کی غداری کا سامنا تھا۔ قریش ایک کے بعد ایک حملے کر رہے تھے اور مدینہ کے اطراف کے قبائل بھی مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے۔ راتوں میں راحت کے ساتھ سو جانا ہی مشکل تھا ایسے عالم میں محمد ﷺ کو تو جانے دیجیے کیا کوئی عام سا آدمی بھی کسی جسمانی تقاضوں کی تکمیل میں مبتلا ہو سکتا تھا؟

اصل میں یہ اعتراضات بیمار ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ چونکہ یہ معاندین خود سفلی جذبات و رجحانات کے حامل ہیں لہٰذا دوسروں کو بھی اسی روشنی میں دیکھتے ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے سب سے سادہ، منکسرانہ اور نہایت ہی پاکیزہ زندگی گزاری۔ آپ ﷺ کے گھر کے سامان میں چٹائیاں، کمبل، جگ اور اسی طرح کی سادہ سی چیزیں تھیں۔ آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے جزیرۃ العرب کے فرماں روا تھے اس لیے پورا دن انتہائی مصروف گزرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کمانڈر ان چیف، مرشد و چیف جسٹس وغیرہ سب کچھ تھے۔ گویا ''ایک شخص ایک کارواں اور رات میں عابد شب بیدار۔ جیسا کہ قرآن نے آپ کو حکم دیا تھا:

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾

رات کو نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ، ہاں اس سے کچھ کم کر لو یعنی آدھی یا اس بھی کچھ کم کر لو یا اس پر کچھ بڑھا دو۔ [1]

زندگی کے آخری سالوں میں مدینہ میں ہر طرف سے دولت آنے لگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کئی بیویاں عرب کی بہترین اور مالدار گھرانوں سے آئی تھیں اور اپنے ماں باپ کے گھروں میں نہایت آسائش کی زندگی گزار کر آئی تھیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں عیش و تنعم کا تو ذکر ہی کیا! زندگی کی بنیادی ضرورتیں بھی مشکل سے ہی پوری ہوتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کئی کئی دن فاقہ سے رہ جاتے تھے اور اہل خانہ کا گزر بسر بھی جیسے تیسے ہوتی تھی۔ جب امہات المومنین نے دیکھا کہ مدینہ میں دولت کے انبار آ رہے ہیں اور تقسیم ہو رہے ہیں مگر ان کے حصہ میں کچھ نہیں آتا ہے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ زیادہ کا مطالبہ کیا تا کہ روزمرہ کی ضرورتیں پوری ہو سکیں اس سلسلہ میں قرآن کہتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾

اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے رخصت کر دوں [2]

اس طرح امہات المومنین کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہے تو دنیا کی آسائش پسند کر لیں یا پیغمبر کی معیت۔ انہوں نے دل کے پورے اطمینان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت پسند فرمائی اور مال دنیا

---

[1] المزمل:2

[2] الاحزاب:28

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اسباب دنیا کو ٹھوکر مار دی۔ یہاں رک کر ہم معترضین سے پوچھنا چاہیں گے کہ کیا انہوں نے کبھی اس پر غور کیا کہ دنیاوی عیش میں مبتلا اور نفسانی خواہشوں کے اسیر کا کیا یہی کردار ہوتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عظیم امہات المومنین نے پیش کیا ہے؟ یہ معترضین پہلے اپنی ہی زندگیوں پر ایک نظر ڈالیں اور دیکھ لیں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں؟ اور پھر نبی صدق وصفا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مزاج اور کردار کو سمجھنے کی کوشش کریں اس کے بعد تاریخ کے بے لاگ حقائق کی روشنی میں کوئی فیصلہ کریں۔

﴿۱﴾ جنگ احد میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے تھے۔ ان کی بیواؤں اور یتیم بچوں کی خبر گیری بھی مسلمان معاشرہ پر فرض تھی اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان بیواؤں و یتیموں کو بغیر نکاح کے اپنے گھروں میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے نکاح کر لیا۔

﴿۲﴾ جنگوں کے مابین مسلمانوں نے بہت سے جنگی قیدیوں کو پکڑا۔ وہ نہ قتل کئے گئے اور نہ ان کے حقوق انسانی سلب کئے گئے۔ اس کے برعکس مدنی معاشرہ نے شادی وغیرہ کے ذریعہ ان کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنگ میں گرفتار ایسی عورتوں سے نکاح کر کے ان کو عزت دی اور ان کے بال بچوں کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔ اگر ان گرفتار شدہ عورتوں اور بیواؤں کا ہاتھ نہ پکڑا جاتا اور ان کو بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا تو معاشرہ پر اس کے کس قدر خراب اور مفسد اثرات پڑتے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مزید برآں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اور پیارے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو یونہی اپنے حرم میں نہیں ڈال لیا بلکہ باضابطہ ان سے نکاح کئے۔ کیا یتیموں اور بیواؤں کے لیے اس سے بہتر اور کوئی حل نکالا جا سکتا ہے۔ قرآن نے اسی ممکنہ اعتراض کی فضا کو محسوس کر کے پہلے ہی اس کی جڑ کاٹ دی اور فرمایا: ''تاکہ تمہیں ناانصافی کا الزام نہ دیا جا سکے۔''

﴿۳﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کا ایک مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ایک ایک نقش اور تعلیمات نبوی کے ایک ایک گوشہ کو محفوظ رکھنا بھی تھا، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معلم انسانیت اور ہادی عالم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے تھا اور یہ کام بیویوں کے ذریعہ ہی انجام پا سکتا تھا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مثال سے بخوبی واضح ہے۔ اس نکتہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مزید تشریح یہ ہے کہ دنیا میں مردوں سے زیادہ عورتیں ہیں اور اسلامی تعلیمات ان کو بھی دینی ضروری تھیں، اور اس کے لیے کچھ وفادار اور انتہائی قریبی قابل اعتماد واسطوں کی ضرورت تھی۔ جہاں تک مردوں کی بات ہے تو آپ ﷺ روزانہ اپنے عملی نمونہ، وعظ و تذکیر اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ ان میں یہ فریضہ انجام دے رہے تھے۔ عورتوں کے لیے اس بات کی ضرورت تھی ایک مخلص، قابل اعتماد انتہائی قریبی ٹیم ہو جو یہ کام موثر انداز میں انجام دے۔ لہٰذا یہ ناگزیر ہو گیا کہ پیغمبر ﷺ کے اہل خانہ میں وسعت لائی جائے۔ جو رات و دن آپ ﷺ کے ساتھ رہیں اور عورتوں کے تعلق سے باریک، نازک تر اور دقیق مسائل بھی آپ ﷺ سے معلوم کر لیں اور پھر ان کو معاشرہ تک پہنچائیں۔ جن کا ابلاغ اس چینل کے بغیر اتنے اچھے اسلوب میں ممکن نہ تھا۔ چنانچہ امہات المومنین نے یہ ناگزیر فرض بھی آپ ﷺ کے ساتھ رہ کر اور آپ سے سیکھ کر اور خود عمل کر کے انجام دیا۔

﴿۲﴾ مذکورہ بالا کے علاوہ کچھ اور بھی اسباب تھے جن کا خلاصہ ذیل میں یوں کیا جا سکتا ہے:

(الف) قبیلوں اور برادریوں کے مابین شادی۔

(ب) بیواؤں کی شادی کی ترویج۔

(ج) مطلقہ عورتوں کی دوسری شادی کی ترویج۔

ان تینوں نکتوں کی تھوڑی سی وضاحت اگلی سطور میں پیش کی جا رہی ہے۔

اس وقت کے معاشرہ میں مختلف قبیلوں و برادریوں کے مابین شادیوں کا رواج نہ تھا۔ سماجی طور پر اونچ نیچ اور اعلیٰ و ادنیٰ کے جاہلی تصورات غالب تھے۔ اسلام میں اس برائی کو مٹانے کے لیے نبی رحمت علیہ الصلاۃ والسلام نے خود عملی مثال قائم کر دی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ایک یہودن اور غیر عرب تھیں ان کے ساتھ شادی کر کے آپ ﷺ نے یہ دکھا دیا کہ ایک مسلمان مرد کسی بھی مسلمان عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ عرب غیر عرب یا رنگ و نسل اور زبان اور قومیت وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا قبطی نسل کی تھیں اور عیسائیت سے آئی تھیں ان سے نکاح کرنے میں بھی یہی پیغام مضمر تھا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿۲﴾ بیواؤں کا نکاح ثانی ماضی قریب تک دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ رہا ہے۔ خاص طور پر ہندوستان اور جاہلی دور کے عرب معاشرہ میں۔ رسول اللہ ﷺ نے متعدد بیوہ عورتوں سے شادی کر کے اس کا بھی عملی نمونہ قائم کر دیا۔ امہات المومنین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کنواری باکرہ تھیں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا مطلقہ۔ ان کے علاوہ ان میں سے اکثر بیوہ خواتین تھیں۔

﴿۳﴾ جاہلی دور میں عرب مطلقہ عورتوں سے شادی نہیں کرتے تھے۔ ان کو اس کی تعلیم دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی شادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوئی جو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مطلقہ تھیں۔

﴿۴﴾ رسول اللہ ﷺ کی ان شادیوں پر ایک نظر ڈالنے سے ہی ان کی سیاسی اہمیت واضح ہو جاتی ہے انہیں ازدواجی تعلقات کی بنا پر ایسا ہو سکا کہ بہت سے قبائل آپ ﷺ سے وابستہ ہو گئے۔ جغرافیائی سطح پر یہ قبیلے سارے جزیرۃ العرب میں پھیلے ہوئے تھے اور قبائلی رشتوں کی بنیاد پر آپ ﷺ کی پوزیشن مضبوط بناتے تھے۔ اس سے قبائلی مخالفت کو کم کرنے میں مدد ملی، اور حتی کہ گھریلو تنازعات بھی کم ہوئے۔ وسیع پیمانے پر ان سے جزیرۃ العرب میں امن وامان کے قیام اور عدل وانصاف کی اقامت میں مدد ملی۔

﴿۵﴾ آپ ﷺ کی کچھ شادیاں قانونی بنیادوں پر ہوئیں اور ان کا مقصد بعض غلط روایات کا انسداد تھا۔ مثلاً حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح نے یہ پیغام دیا کہ مطلقہ کی شادی ہونی چاہیے۔ اسی طرح مولائے رسول حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ اور عرب کے قاعدہ میں ان کو حقیقی بیٹے کا درجہ دیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس رسم کا خاتمہ کیا اور آپ ﷺ نے عملاً اس کو منسوخ کر کے دکھا دیا اور اپنے متبنیٰ بیٹے ''حضرت زید رضی اللہ عنہ'' کی مطلقہ سے شادی کی اور بتایا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہوتا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی کزن تھیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح سے پہلے آپ ﷺ سے ان کے نکاح کی پیشکش کی گئی تھی۔ اس وقت تو آپ ﷺ نے منع فرما دیا تھا مگر جب طلاق ہو گئی تو آپ ﷺ نے ان کو قبول کر لیا۔ جس کے دو مقصد تھے جیسا کہ اوپر گزرا، یہ بتانا کہ کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا اور یہ کہ مطلقہ کی بھی شادی ہونی چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اس کہانی میں بعد میں کئی جعلی روایات سے لوگوں نے بہت کچھ نمک مرچ لگا دیا ہے۔ معاندین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ناقدین ان کو لے کر پروپیگنڈہ کرتے ہیں مگر ہمیں یہاں ان واہیات کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن نے خود ان کی تردید کر دی ہے۔

(ملاحظہ ہو سورہ احزاب:33,36,38)

یہی حالات تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں سے جڑے تھے۔ معروضی مطالعہ کرنے والا اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ مقام پر تھے اور ہر طرح کے حالات کے لیے ایک کامل نمونہ تھے۔

پروفیسر ''فلپ کے حتی'' جو ایک مارونی عیسائی ہیں، اپنی کتاب History of the Arabs میں لکھتے ہیں:

> اپنی عظمت کے ایام عروج میں بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ایام غربت کی طرح بغیر کسی نام ونمود کے ہی گزاری۔ اکثر دیکھا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑوں میں پیوند لگا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی بھی رسائی پا سکتا تھا۔ تو پھر عیش وعشرت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا وقت مل سکتا تھا؟

ایسے انسان کو نفس پرستی کا الزام دینا بالکل ہی غیر منصفانہ ہے۔ ہمارے پاس جتنے بھی حوالے ہیں، ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں صاحب کردار خواتین تھیں جنہوں نے تقوی و پرہیزگاری کی زندگی گزاری۔ ان میں کئی بہت اونچے گھرانوں کی تھیں پھر بھی نہایت سادہ رہتی تھیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی انہوں نے سادگی اور پرہیزگاری کی یہی شان برقرار رکھی۔ ان میں کسی کے بارے میں بھی کوئی اسکینڈل مروی نہیں، لیکن دشمنان رسول اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقدین نے ان نفوس قدسیہ کو بدنام کرنے اور ان کی شبیہ بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ یہ آزادی رائے کا اظہار ہے یا ان کروڑوں لوگوں کے دلوں کو مجروح کرنا ہے جو ان سب کا احترام وتقدیس کرتے ہیں اور انہیں اپنی مائیں قرار دیتے ہیں؟

دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو صدیوں بعد متعدد جعلی احادیث اور روایات گھڑ لی گئی تھیں جن میں کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امہات المومنین میں سے کئی کے حسن وجمال پر فریفتہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو گئے تھے۔ لیکن یہ ایک بے اصل مفروضہ ہے۔ یہ چیز نہ تو آپ کے عظیم کردار سے میل کھاتی ہے نہ آپ کی تعلیمات سے۔ اصل میں ہوا یہ ہے کہ چند نام کے مسلمان حکمرانوں نے داشتائیں رکھنے کے جواز کے لیے ان روایات کو گھڑوالیا اور ان کو مشہور کر دیا تھا تا کہ مسلمان ان لوگوں کی خلاف فطرت حرکتوں اور بدفعلیوں کو جائز سمجھ لیں۔ بدقسمتی سے بعض لوگوں نے یا کچھ لوگوں نے ان جھوٹی اور غلط روایتوں کو پھیلا دیا۔ یہ کم درجہ کے محدث اور راوی اصل میں رسول اللہ کی قوت رجولیت ثابت کرنا چاہتے تھے۔ دوسری طرف اپنے سرپرستوں کے جنسی میلانات اور عیاشیوں کو بھی جواز دینا چاہتے تھے۔ حالانکہ یہ روایتیں نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کے مزاج سے مطابقت رکھتی ہیں نہ بیویوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی برتاؤ سے۔ یہ جعلی اور موضوع روایات ہی استشراق کو بنیاد اور دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پروپیگنڈوں کو مرچ مسالہ فراہم کرتی ہیں۔ حالانکہ ماضی و حال کے محقق علمائے اسلام ان روایات کی تردید کرتے رہے ہیں۔ سعودی ''عالم دین رشاد خلیفہ'' اپنی کتاب ''قرآن، حدیث اور اسلام'' میں اصل مراجع کی تحقیق کے بعد لکھتے ہیں: ''یہ جعلی اور باطل روایتیں رسول اللہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں اور ان روایتوں کو ماننے کا صریح مطلب ہے اللہ تعالی اور اس کے رسول کی معصیت و نافرمانی'' رشاد خلیفہ اپنی تائید میں قرآن کریم کی آیات

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿112﴾

اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو ان کو اور جو کچھ یہ افترا کرتے ہیں اسے چھوڑ دو۔ [1]

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى

[1] الانعام: 112

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾

اور اسی طرح ہم نے گنہگاروں میں سے ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا۔ اور تمہارا پروردگار ہدایت دینے اور مدد کرنے کو کافی ہے۔ [1]

کو نقل کر کے کہتے ہیں کہ یہ روایتیں اصل میں ''شیطانی اختراعات'' ہیں۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ قرآن جس طرح فوری مسائل سے بحث کرتا ہے اسی طرح وہ بنیادی اہمیت کے حامل مباحث سے بھی صرف نظر نہیں کرتا۔ قرآن کی شان نزول کی روایتیں آیات کے پس منظر اور اس وقت کے فوری حالات کو بیان کرتی ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیوں کو بھی اسی پس منظر میں دیکھنا چاہیے جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برطانوی سوانح نگار آر وی سی بوڈلی کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ بوڈلی اپنی کتاب

The life of Muhammad:The Messenger'' میں لکھتے ہیں:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کو مغرب کے یا عیسائیوں کے نقطہ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ وہ جس زمانہ اور جس ملک میں رہتے تھے اسی کے اخلاقی معیارات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

سیرت نگار ''بوڈلی'' سوال کرتے ہیں کہ یوروپ و امریکہ کے قوانین اخلاق کو ایشیا اور افریقہ کے قوانین اخلاق سے برتر کیوں مانا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک مغرب کے لوگ یہ نہ ثابت کر دیں کہ ان کا طرز زندگی دوسروں کے طرز زندگی سے اخلاقی معیار میں اونچا ہے، انہیں دوسرے مذاہب، ان کے عقائد اور ان کی ذات برادری نیز دوسرے ملکوں کے بارے میں فیصلہ کرنے سے احتراز کرنا چاہیے''۔

تعصبات ختم نہیں ہوتے، وہ مخالفتوں کی فضا میں پروان چڑھتے اور اچھے بھلے لوگوں کی رائے کو بھی متاثر کر دیتے ہیں اور جہالت ان میں اور اضافہ کرتی رہتی ہے۔ اس بحث میں دیکھنے کی اصل چیز یہ نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی بیویاں تھیں، بلکہ یہ ہے کہ ان شادیوں کے کیا اسباب و محرکات تھے اور سب سے اوپر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کے ساتھ کیا رویہ تھا۔

[1] الفرقان:31

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دشمنان رسول اور آپ ﷺ کے ناقدین کی فہرست بہت طویل ہے۔ جس میں مغرب کے بڑے بڑے نام شامل ہیں۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ محمد ﷺ اور دین اسلام ان کے تابڑ توڑ حملوں کے باوجود قائم ہیں۔ اور گذشتہ پندرہ سو سالوں میں اسلام نے دوسرے مذاہب سے کہیں زیادہ لوگوں کو ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ تاریخ کی شہادت ہے کہ اسلام کو جتنا دبایا جاتا ہے اتنا ہی وہ ابھرتا جاتا ہے۔

خواتین کا مقام پاکیزگی اور حجاب

عرب جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ حقارت کا سلوک کیا جاتا اور انہیں کم تر درجہ کا انسان سمجھا جاتا تھا۔ ان کو جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا، بلکہ ان کو بھی ایک طرح کی ملکیتی جائیداد ہی سمجھا جاتا تھا۔ شادی بیاہ، اپنے مالی معاملات چلانے اور سیاسی امور میں شرکت کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ دولت مند لوگ بے شمار بیویاں اور داشتائیں رکھ سکتے تھے۔ عورتوں کو مویشیوں کی مانند سمجھا جاتا اور مردوں کے مساوی انسانی وجود نہ قرار دیا جاتا تھا۔ ایک بار خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> دور جاہلیت میں ہم عورتوں کو کسی لائق نہ سمجھتے تھے۔ لیکن اسلام کے آنے کے بعد جب خود اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں تشویش ظاہر کی تو ہمیں احساس ہوا کہ ان کے بھی ہم پر کچھ حق ہیں''۔

محمد ﷺ نے قرآنی احکامات کے مطابق عورتوں مردوں میں مساوات کی تعلیم دی البتہ بعض چیزوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

ایک آفاقی ملت کی تعمیر کے لیے نبی ﷺ نے خاندانی نظام کے حدود وضوابط تشکیل دیئے۔ قرآن نے اس سلسلہ میں معروف ومنکر سب کو بیان کر دیا۔ قرآن کا تصور ایسے صالح معاشرہ کے قیام کا ہے جس میں قبیلہ کی بجائے خاندان کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ لوگوں سے کہا گیا کہ عورت مرد کے رشتہ کو مساوی، منصفانہ اور محبت کی بنیاد پر قائم کریں۔ اور ماں باپ، شوہر و بیوی کے مابین اچھے رشتوں کی بنیاد پر ہی یہ صالح معاشرہ تعمیر ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شادی کے معاملہ میں اسلام نے چار بیویوں کی حد مقرر کر دی اور یہ حکم دیا کہ ان کے ساتھ انصاف نہ کر سکو تو تمہارے لیے ایک ہی بہتر ہے۔ چاروں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرو اور ان سب کو ان کے حقوق دو۔ اگر یہ حقوق مساویانہ نہ دیئے جا سکیں تو بہتر ہوگا کہ ایک پر ہی اکتفا کر لیا جائے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے اقدامات کر کے عورت کو اونچا اٹھایا، ماں کے درجہ کو اتنا بلند کیا کہ باپ کی فرمانبرداری پر اسے ترجیح دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سارے رسومات ورواجوں پر ضرب لگائی جو عورتوں کے مرتبہ کو کم کرتے تھے۔ یہاں تک کہ باندیوں کے بارے میں بھی، جن سے ان کے آقاؤں کو جنسی لطف اندوزی کا حق ہوتا ہے، یہ حکم ہوا کہ مالک کے بیٹے اس کی موت کے بعد اس کی باندیوں سے بھی ماؤں جیسا سلوک کریں۔ مختلف رشتہ دار عورتوں کے لیے میراث میں حق متعین کیا گیا۔ یہاں یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ جس وقت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مساوات مرد وزن کی تبلیغ فرما رہے تھے اس وقت فرانس میں عیسائی پادریوں کا ایک اجلاس یہ فیصلہ کرنے کے لیے ہو رہا تھا کہ عورتوں میں بھی روح ہوتی ہے یا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو بتایا کہ عورتیں گو مردوں سے جسمانی ساخت میں مختلف اور نازک ہیں مگر انسان ہونے میں برابر ہیں وہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ مرد و عورت دونوں ایک دوسرے کے رفیق اور مربی ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اس کے علاوہ خاندان میں اعلیٰ اقدار اور رشتوں کے تقدس کی خاطر محرمات وغیر محرمات کو قرآن نے کھول کھول کر بیان کر دیا۔ اسی طرح غیر محرم مردوں وعورتوں کے مابین میل جول اور گفتگو کے ضابطے مقرر فرمائے۔ گھروں میں جانے کے آداب بیان کئے اور خاص کر تنہائی کے اوقات میں اجازت لے کر گھروں میں جانے اور تمام آداب ملحوظ رکھنے کی بچوں اور بڑوں کو تعلیم دی گئی۔

عرب لوگ جو پہلے لڑکیوں کی پیدائش پر شرم محسوس کرتے اور انہیں زندہ درگور تک کر دیتے تھے اب ان کو خوشخبری دی گئی کہ اگر کسی کے لڑکی ہو اور وہ اس کی اچھی تعلیم وتربیت کرے گا اور شادی تک اس کی اچھی پرورش کرے گا تو اسے جنت ملے گی۔

بیواؤں کی دوسری شادی، جنگ میں بیوا ہوگئی عورتوں سے شادی اور یتیم لڑکیوں کو نکاح میں لینے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اسلام کو تعدد ازدواج پر الزام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام نے اس کو بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منضبط کیا ہے اور بے شمار بیویوں کی جگہ اس کو چار میں محصور کر دیا ہے۔اس دور میں جب مالدار لوگ اپنے عیش وعشرت کے لیے شادیاں رچاتے رہتے تھے، اسلام کا یہ قدم بھی ایک انقلابی قدم تھا۔

اسلام میں شادی کی حمایت کی گئی اور سماج کا تحفظ اسے فراہم کیا گیا، گرچہ جب شوہر بیوی میں نبھ نہ رہی ہو تو طلاق دینے اور لینے کی گنجائش بھی رکھی گئی۔ تاہم طلاق بھی خوشگوار اور آبرومند طریقہ پر ہونی چاہیے۔مختصر یہ کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ معاشرتی رشتے مربوط و مستحکم ہوں اور وہ عورت و مرد کے درمیان پرتوازن تعلیمات پر قائم ہوں۔

قرآن اور تکثیریت

قرآن نے عملیت اور واقعیت پر مبنی مذہبی تکثیریت کو مانا ہے جو حیرت انگیز ہے۔ دوسرے مذاہب کے تئیں اس کا رویہ جارحانہ نہیں بلکہ وہ دوسرے مذاہب کے ساتھ برابر کا سلوک کرتا ہے۔ وہ دوسروں پر غلبہ نہیں چاہتا۔تمام مذاہب کے ماننے والوں سے کہا گیا ہے کہ وہ مذہبی اختلافات کو مانیں اور یہ جان لیں کہ یہ اختلافات رہیں گے۔انہیں سکھایا گیا ہے کہ اختلافات سے بالا ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ وہ اس پر زور دیتا ہے کہ ''اچھے کام'' کرنا اچھی اقدار کو فروغ دینا، اخلاقیات پر عمل، بھلائی، خیر اور امن وامان کو قائم کرنا مشترکہ ذمہ داری ہے۔

قُلْ يَآَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ۔[1]

مختلف مذاہب کی دنیا میں مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے قرآن کئی رہنمائیاں دیتا ہے

﴿۱﴾ مذاہب کے ماننے والوں کو کہا گیا ہے کہ وہ انتہاپسندی نہ اپنائیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ

اے اہل کتاب مذہب کے معاملہ میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں سچی

[1] آل عمران:64

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بات کے علاوہ کچھ نہ کہو۔[1]

تعلیم دی گئی کہ آپس میں بہترین طریقہ پر سلوک کریں اور:

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ

اللہ کے بارے میں ان سے اچھے طریقہ سے بحث کریں۔[2]

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ

اور میرے بندوں سے کہو کہ وہی بات کہیں جو بہتر ہو۔[3]

﴿۳﴾ یہ تعلیم دی گئی کہ ایک دوسرے کے مذہب کو برا بھلا نہ کہیں یہاں تک کہ مشرکین کے مذہب کو بھی نہیں (الانعام :108) اور سکھایا گیا کہ جب دوسرے مذہبی عقیدہ کو لے کر جہالت کی بات کریں تو خوش اسلوبی سے ان سے جدا ہو جائیں اور کہیں: سلام (الفرقان:63)

حقیقت یہ ہے کہ احترام باہمی کا سلوک اور اکرام آمیز لہجہ میں مخاطبت مذہبی اختلافات کی شدت کو کم کر دیتی ہے۔ اور جب یہ مذہبی اختلافات واقعی متصادم ہوں تو قرآن کہتا ہے کہ "جیو اور جینے دو" کے اصول کو اپناتے ہوئے حق کا اعلان کرو اور آگے بڑھ جاؤ:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶

کہو کہ اے منکرو! میں ان کی عبادت نہیں کروں گا جن کی تم عبادت کرتے ہو، اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور میں ان کی عبادت کرنے والا نہیں جن کی عبادت تم نے کی ہے اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں، تمہارے

---

[1] النساء:171

[2] النحل:125

[3] بنی اسرائیل:53

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔ [1]

آج جدید زمانہ میں اظہارِ رائے کی آزادی یک طرفہ ہوگئی ہے۔ مغربی مصنفوں، مفکروں، دانشوروں، صحافیوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے ایجنڈے کو عالمی پیمانہ پر آگے بڑھائیں، چنانچہ گلوبلائزیشن کے اس زمانہ میں بھی مغرب سے مشرق کی طرف تو افکار وتصورات خوب آتے ہیں مگر اس کا الٹا نہیں ہوتا۔ یعنی ایک ہی طرح کے خیالات کے اظہار کی تو خوب آزادی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اظہارِ خیال کی یہ آزادی اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ بگاڑنے کا آلہ بن گئی ہے جس میں ان کو تشدد پسند "غیر اخلاقی، جاہل اور احمق" گردانا جاتا ہے۔ جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ خراب کرتے ہیں، اپنی فلموں، فکشن اور ٹیلی ویژن شوز میں ان کی غلط تصویر کھینچتے ہیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت پر مبنی کارٹون بناتے ہیں، اپنے میڈیا میں ان کے خلاف غلط پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن کا عام مشورہ یہ ہے کہ ان کو نظر انداز کیا جائے۔ اہانت رسول کے کیس میں اور غلط تنقید کے جواب میں قرآن اہل ایمان سے امید کرتا ہے کہ ان کا ردعمل اخلاقیات کی حد میں ہو اور وہ غیر ضروری زود حسی کا مظاہرہ نہ کریں۔ وہ کہتا ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾

اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر تم ان کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں خدا کا رستہ بھلا دیں گے یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور نرے اٹکل کے تیر چلاتے ہیں [2]

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

[1] الکافرون: 1-6

[2] الانعام: 117

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چھبیواں باب

مدینہ ایک ماڈل شہر

چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب میں اب سے 1500 سال قبل پہلی ریاست قائم کی تھی۔ چنانچہ آپ سے قبل فوج، خزانہ، تعلیم، عدلیہ اور عام نظم ونسق کی کوئی نظیر نہ تھی۔ جس کی سادہ سی وجہ یہ تھی کہ اس طرح کا کوئی نظام عرب میں موجود ہی نہ تھا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سب کچھ خود ہی وضع کرنا پڑا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے جو شہری حلقہ قائم کیا وہ مسجد کا ادارہ تھا۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول دن سے ہی ایک کمیونٹی سینٹر بھی تھا جس کے تحت مختلف قسم کی سرگرمیاں انجام دی جاتی تھیں۔ نماز باجماعت کے مرکز کے ساتھ ہی مسجد نبوی مسلمانوں کے لیے دوسری معاشرتی اور اجتماعی سرگرمیوں کا سینٹر بھی تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت کا صدر مقام، دانش گاہ، ویلفیئر سینٹر اور بعض جائز تفریحوں کا مقام تھی۔ مسجد کا محل وقوع ایسا تھا کہ ہر آدمی اس کی خدمات اور سہولتوں سے استفادہ کرسکتا تھا۔ وہ حکومت کی کاروائیوں کے احتساب اور شفافیت کے جائزے کا مرکز بھی تھی۔

تاریخ میں پہلا مدون دستور

مدینہ ہجرت کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی شہری ریاست کی بنیاد ڈالی اور ریاست کا دستور وضع کیا اسے تاریخ انسانی کا پہلا مدون دستور کہا جاتا ہے یہ دستور ریاست کے تمام شہریوں کے حقوق و فرائض کی تفصیل بیان کرتا ہے اور شہریوں میں مسلمان، عیسائی یہودی اور مشرکین عرب سبھی شامل تھے۔

علم کا فروغ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصول علم پر بڑا زور دیا ہے، اور اس کو ہر مسلمان کا فریضہ قرار دیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصول علم کو عبادت کے برابر قرار دیا ہے اور فرمایا:

"کہ ہر چیز یہاں تک کہ تالاب کی مچھلیاں تک طالب علم کے لیے دعا کرتی ہیں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

"تھوڑا علم کثرت سے عبادت کرنے پر بھاری ہے"۔

حتی کہ فرمایا کہ:

"ایک فقیہ کی فضیلت ہزاروں عابدوں پر ویسی ہے جیسی چودھویں کے چاند کی تمام ستاروں پر"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فرشتے اپنے پر طالب علم کے لیے پھیلا دیتے ہیں۔ طالب علم کی فضیلت کے لیے کیا نہ کافی نہیں کہ حدیث نبوی انہیں انبیا کا وارث بتاتی ہے۔ اور انبیا و رسولوں نے ورثہ میں درہم و دینار نہیں چھوڑے بلکہ علم کی دولت چھوڑی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا: "**انما بعثت معلما**" (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کی نشر و اشاعت کے لیے ایک جامع پروگرام بنایا۔ حقیقت میں صفہ اسی اسکیم کا حصہ تھا۔

اہل صفہ میں کچھ وہ تھے جن کے پاس صفہ کے علاوہ کوئی اور جگہ رہنے کے لیے نہ تھی۔ وہ گزارہ کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر سے آنے والے ماحضر پر منحصر تھے یا بیت المال سے کچھ مدد ملتی تھی۔ تاہم یہ طالبان علم عاجز محض نہ تھے بلکہ وہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ کام بھی کرتے اور روزی کماتے تھے۔

خواتین کی تعلیم

فروغ علم اور حصول تعلیم کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں مرد و عورت میں کوئی تفریق نہ تھی جب اور جہاں قرآن کی آیات نازل ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے مردوں کے اجتماع میں پڑھ کر سناتے، اس کے بعد خواتین کے اجتماع میں جا کر سناتے۔ مزید برآں ہفتہ میں ایک دن آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے خواتین کے لیے مقرر کر دیا تھا جس میں آپ ﷺ خاص خواتین ہی کو تعلیم دیتے۔ خواتین آپ ﷺ سے ہر طرح کے سوال پوچھتیں اور آپ ﷺ بڑے تحمل اور شفقت سے سب کو جواب دیتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ فرمایا: ''انصار کی عورتیں تعریف اور شکریہ کی مستحق ہیں کیونکہ نسوانیت کے باعث وہ سوال کرنے سے پیچھے نہیں رہتی تھیں''۔ آپ ﷺ کی زندگی میں کئی خواتین نے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا اور کئی تو ایسی تھیں کہ قرآن پاک کی تفسیر بیان کیا کرتی تھیں۔ متعدد خواتین نے احادیث کی روایت کی اور ان کا درس دیا اور کئی خواتین نے مردوں ہی کی طرح فتوے بھی دیئے۔ ایک خاتون ام الفضل کریمہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں اسکول چلاتی تھیں۔ آپ ﷺ کی زندگی میں کم از کم 5 خواتین لکھنے پڑھنے کے فن سے طاق ہو گئی تھیں اور اس میں معروف تھیں۔

اسلام کی پہلی یونیورسٹی

رسول اللہ ﷺ تعلیم کی اہمیت سے واقف تھے مدینہ میں آکر آپ ﷺ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک مسجد تعمیر کی اور اس مسجد کا ایک حصہ تعلیمی مقاصد کے لیے وقف کر دیا جسے صفہ کہا جاتا تھا۔ الصفہ دن میں اسکول اور رات میں ہاسٹل میں تبدیل ہو جاتا کیوں کہ اہل صفہ کے پاس اس کے سوا کوئی جگہ نہ تھی۔ اس طرح صفہ کو اسلام کی پہلی اقامتی یونیورسٹی کہا جا سکتا ہے۔ جس کے وائس چانسلر کے فرائض حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ انجام دیتے تھے۔ مدینہ میں آپ ﷺ کے ذریعہ جو مسجد بنائی گئی تھی اس کے علاوہ مورخ بلاذری کے مطابق شہر میں 9 مسجدیں اور بنائی گئی جن میں سے ہر ایک کے ساتھ اسکول ملحق تھا۔ آپ ﷺ خود شخصی طور پر تعلیم دیتے اور فروغ علم میں زبردست دلچسپی لیتے تھے۔ قبا مدینہ کے جنوب میں تین کلومیٹر دور واقع تھا۔ جہاں آپ ﷺ موقع موقع سے تشریف لے جاتے وہاں بھی مسجد کے ساتھ اسکول بنا دیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ اہل صفہ میں سے ہی منتخب افراد کو آپ ﷺ مدینہ سے باہر نئے اسلام قبول کرنے والے قبائل کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے بھی بھیجا کرتے۔ جب عمرو بن حزم کو یمن کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گورنر متعین کیا گیا تو ان کی ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم و تربیت دیں گے۔

سیکریٹریٹ

رسول اللہ ﷺ کے سیرت نگار اور مورخین نے تقریباً 50 صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام لکھے ہیں جو آپ ﷺ کے کاتب اور میر منشی تھے۔ ان میں بعض حضرات قرآن کریم کی کتابت کرتے تھے، بعض حکمرانوں اور امرا کے نام خطوط لکھتے تھے۔ اور کچھ کاتبین زکوٰۃ اور حکومت کے دوسرے محاصل کا حساب و کتاب رکھتے تھے۔

سرکاری مہر اور نامہائے مبارک

تاریخ میں آپ ﷺ کے ذریعہ لکھوائے گئے تقریباً 400 وثائق ملتے ہیں جن میں مختلف حکمرانوں کے نام آپ ﷺ کے خطوط، معاہدوں، منشوروں نیز مردم شماری اور افسران کے نام ہدایات پر مشتمل دستاویزات ہیں۔ آپ ﷺ کے کاتب خط کی ابتداء ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' سے کرتے تھے اور خط کے آخر میں سرکاری مہر لگاتے تھے جو اس زمانہ کے حساب سے چاندی کی بنائی گئی تھی۔ اور اس پر ''**محمد رسول اللہ**'' کندہ کرایا گیا تھا۔ 5 وہ خطوط جو آپ ﷺ نے قیصر، کسریٰ، مصر مقوقس اور حبشہ کے نجاشی اور بحرین کے منذر بن ساوی کے نام لکھے تھے تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔

سیکریٹریز

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے اسپیشل سیکریٹری تھے اور بہت زیادہ ذہین نوجوان حضرت انس رضی اللہ عنہ پرسنل سیکریٹری اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے چیف سیکریٹری تھے۔

غیر ملکی زبانوں کا سیکھنا

آپ ﷺ کا غیر ملکی زبانوں اور رسم الخط کے بارے میں بہت ہی کھلا ذہن اور رواداری کا رویہ تھا اسی لیے آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو عبرانی، حبشی اور فارسی اور قبطی زبانیں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسم الخط سیکھنے کی تاکید فرمائی اور انہوں نے اس حکم نبوی پر عمل کیا۔

مردم شماری

ایک بڑی اور دلچسپ بات یہ ہے کہ مدینہ آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شہر کی مردم شماری کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ مردم شماری کرائی گئی تو شہر میں مردوں عورتوں اور بچوں سمیت کل ﴿۱۰﴾ ہزار افراد نکلے۔ مدینہ میں اسلام کے آنے سے پہلے یہودی انسانی آبادی کے شمار یا اس کے مطالعہ کو گناہ اور خدا کے کاموں میں مداخلت تصور کرتے تھے۔

ٹاؤن پلاننگ

پیغمبر اسلام ﷺ نے مدینہ میں ایک میونسپل نظام متعارف کرایا جس کو بلدیہ کہا گیا جو عربی میں بلد بمعنی شہر سے ماخوذ ہے۔ اس بلدیہ کا کام شہر کے رکھ رکھاؤ کو دیکھنا تھا۔

چہار لین روڈ

سب سے پہلے آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ گھروں کے پچھواڑے والی لین کے کنارے گٹر ڈالیں اور استعمال شدہ پانی اور گندگی سیوریج کے ذریعہ باہر نکال دیں۔ مسجد نبوی کے اطراف میں نئی ٹاؤن پلاننگ کی گئی۔ آپ ﷺ نے لین اور گلیاں اس طرح نکالیں کہ مکانات کے درمیان مخصوص فاصلہ رہے اور لوگوں کو حکم دیا کہ مکانوں اور گلیوں کو صاف ستھرا رکھیں۔

بیسویں صدی میں علم سیرت کے مجدد ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ:

> آپ ﷺ نے چھوٹی لین اور روڈ اس طرح ڈیزائن کیے کہ دونوں سائیڈ سے سامانوں سے لدے پھندے دو اونٹ آسانی سے گزر سکیں، آپ ﷺ نے لوگوں کو یہ بھی مشورہ دیا کہ سڑکوں کے دونوں طرف سایہ دار درخت لگائیں جس سے مسافروں کو آسانی ہو جائے۔

ہاؤسنگ

مستقبل میں مسجد نبوی کی اہمیت کے پیش نظر آپ ﷺ نے اس کے اطراف میں مخصوص

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خاندانوں کے لیے اور مخصوص مقاصد کے تحت مکانات بنوائے۔ اسی طرح ان مکانوں کے چاروں طرف دیواریں بنوائیں تاکہ لوگ دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ سکون سے اور ہوادار مکانوں میں رہ سکیں۔ چونکہ اسلام اس بات کو ترجیح دیتا ہے کہ شوہر بیوی اور بچوں سمیت ایک مرکزیت والا خاندان وجود میں آئے جو سب ساتھ رہیں۔ لیکن مشترکہ خاندان کو اسلام ترجیح نہیں دیتا اسی لیے آپ ﷺ نئے شادی شدہ جوڑوں کے لیے الگ کوارٹر کا نظم کرنے کی تلقین لوگوں کو کرتے تھے تاکہ ہر جوڑا الگ زندگی گزار سکے اور اپنے بچوں کی اچھی پرورش اور اچھی تربیت کر سکے۔ اور محبت وشفقت کا ماحول پروان چڑھے اور فیملی لائف میں لوگ آزاد ہوں۔ ایک حدیث میں یہ بھی کہا گیا کہ ایک فیملی کے لیے ایک الگ مکان اور سواری کے لیے ایک گھوڑا بڑی نعمتوں میں سے ہے۔

واٹر سپلائی

اس زمانہ میں عوامی واٹر سپلائی کا کوئی تصور نہیں تھا جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ اچھے پانی کا صرف ایک ہی کنواں ہے جسے ''بئر رومہ'' کہتے تھے۔ آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ جو شخص اس کنویں کو خرید کر رفاہ عام کے لیے وقف کرے گا اس کے عوض میں جنت میں بہتر بدلہ پائے گا۔ صحابی رسول حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے اس کنویں کو خرید کر عوام کے لیے وقف فرمایا۔ ایک صحابی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے والدہ کی طرف سے صدقہ کرنے کی خواہش کی چنانچہ اس بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اس کا سب سے اچھا طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک کنواں کھود کر عام لوگوں کے لیے وقف کر دو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور آپ ﷺ نے ان کو دعا دی۔

آبی ذرائع کی حفاظت

ماحولیات اور اکولوجی (Ecology) جیسے تصورات اس زمانہ میں معروف نہیں تھے البتہ لوگ اتنا ضرور سمجھتے تھے کہ سبزہ، ہریالی اور سایہ دار درخت انسانی زندگی کی بقا اور تسلسل کے لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضروری ہیں اور اسی طرح مویشی پالنے کے لیے بھی ضروری ہیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں دو علاقے محفوظ قرار دئے۔ جہاں کوئی پیڑ نہیں کاٹا جا سکتا تھا اور جنگلی جانوروں کو بھی نہیں مارا جا سکتا تھا۔ ان دونوں علاقوں کو ''حرام'' یا ''حمی'' کہتے تھے۔ اور یہ دونوں شہر اور آبی وسائل کے گرد قائم کیئے گئے تھے۔ اور وہاں کنویں بھی تھے۔ کنویں کے اطراف کچھ حصہ خالی چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ پانی نکالنے میں اور اس کے رکھ رکھاؤ میں آسانی ہو۔ پانی کو آلودگی سے بچایا جا سکے اور باقی قطعہ زمین کو روزی پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ اس پر بھی توجہ دی جاتی تھی کہ استعمال شدہ یا گندہ پانی دوبارہ کنویں میں نہ جا سکے۔

مدینہ کے اطراف میں گرین بیلٹ

ایک دوسرا قدم آپ ﷺ نے یہ اٹھایا کہ مدینہ شہر کے دونوں طرف کے ''حمی'' میں شجر کاری کی۔ وہاں جانوروں کا شکار ممنوع قرار دیا گیا۔ ایسے ہی ایک قطعہ زمین کو مدینہ سے 20 میل دور وادی عقیق میں قائم کیا گیا جس کا نام ''حمی النقیع'' بتایا گیا ہے۔ اس جگہ کو جانوروں کی چراہ گاہ کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے یہاں بڑی تعداد میں پیڑ لگوائے۔ جلد ہی یہ علاقہ پیڑوں سے ایسا ڈھک گیا کہ دور سے یہاں سے گزرنے والا کوئی گھوڑ سوار دکھائی نہ دیتا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک شخص کو پیڑ کے اوپر چڑھ کر آواز لگانے کے لیے کہا اور جہاں اس کی آواز نہیں سنی گئی اس سرے کو ہی اس حمی کی بیرونی حد قرار دیا گیا۔ اس مخصوص چراہ گاہ میں درخت کاٹنے کی اجازت نہ تھی۔

ایک بار آپ ﷺ وادی عقیق سے واپس آئے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی خوبصورتی اور پرسکون ماحول کا تذکرہ کیا تو انہوں نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ اپنی جائے رہائش وہیں منتقل کر لیں۔ بعد میں ثروت مند لوگوں نے اس وادی کے قریب گرمی گزارنے کے لیے گھر تعمیر کر لیے۔ اور کچھ دنوں بعد وادی عقیق اہل مدینہ کے لیے ایک تفریح گاہ بن گئی جہاں وہ پکنک منانے جایا کرتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ورثہ کا تحفظ

قدرتی اور عمارتی ورثہ کے تحفظ کا بھی آپ ﷺ نے مدینہ کی ٹاؤن پلاننگ میں بہت خیال رکھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ مکانات کی نئی تعمیر کرتے وقت پرانی حویلیوں اور پرانی دیواروں کو بالکل منہدم نہ کریں۔ بلکہ پرانی بنیادوں پر نئی تعمیر کریں اور پرانی عمارتوں کو بھی نئے گھروں میں ممکنہ حد تک ایڈ جسٹ کرلیں اسی طرح آپ ﷺ نے درخت نہ کاٹنے کا حکم دیا۔ مورخ بیہقی کے مطابق آپ ﷺ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ درخت اور پرانی عمارتیں مدینہ کی خوبصورتی میں اضافہ کرتی ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ مکانوں کے اندر یا باہر درخت لگانے کے لیے کہتے۔ ایک حدیث میں یہاں تک بھی کہا گیا کہ اگر تم کھجور کا پودا لگانے جا رہے ہو اور قیامت کو آتا دیکھو پھر بھی وہ پودا لگادو۔ اس چیز سے بھی شجر کاری کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، کہ ایک آدمی، جس کو یہ یقین نہیں کہ اپنے لگے ہوئے پودے کو وہ درخت بنتے دیکھ سکے گا اور اس سے فائدہ اٹھا پائے گا، اس کو بھی یہ کہا جا رہا ہے کہ پھر بھی وہ پودا ضرور لگائے۔

مہمان خانے

جیسے جیسے مدینہ اقتدار کا مرکز بنتا گیا اس کی سیاسی اہمیت بڑھتی گئی، کیوں کہ وہی حکومت، ایڈمنسٹریشن، قانون سازی، تجارت و کاروبار سب کا مرکز تھا اور وہی علم دین کا بھی مرکز و مرجع۔ جائے وقوع کے اعتبار سے بھی وہ اہم شاہراہوں پر واقع تھا جو شمال میں شام و فلسطین کو اور جنوب میں براہ مکہ یمن کو جوڑتی تھیں۔ مسافر مدینہ میں رک کر اپنے لیے کھانے اور جانوروں کے لیے چارہ کا نظم کرتے تھے۔ اور ساتھ میں مدینہ کے بازار میں مال تجارت کا تبادلہ بھی۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ان کے لیے سرائے بنانے کا حکم دیا جہاں ان کو میزبانی کے علاوہ آگے کے سفر کا ضروری سامان بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اسلامی دعوت کے پھیلنے کے ساتھ اسلام قبول کرنے، مدنی ریاست سے تعلقات استوار کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرنے کے لیے دور دور سے لوگ آنے لگے۔ شروع شروع میں ان کے قیام وطعام کا انتظام مسجد نبوی سے ملحقہ حجروں میں یا مختلف گھروں میں کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد جب اسلام نے نئے علاقے فتح کر لیے تو قبول اسلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے روزانہ ہی افراد یا وفود آنے لگے۔ مورخ سمہودی کے مطابق تب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، جو ایک مہاجر اور ثروت مند صحابی تھے، نے اپنا ایک وسیع مکان مہمانوں کے ٹھہرنے اور میزبانی کے لیے دے دیا۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک بار مدینہ میں تقریباً 200 مہمان ٹھہرے تھے جن کے قیام وطعام کے بندوبست کے لیے کئی بڑے مکان کرائے پر لیے گئے۔

شفا خانوں کا قیام

اسلام کی آمد سے پہلے عرب میں گھریلو دواؤں کا رواج تھا، عوامی شفا خانوں کا کوئی تصور نہیں تھا۔ عام انسانوں کی خدمت کی تاکید کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوامی شفا خانے قائم کئے گئے۔ چنانچہ صحابی حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا نے مسجد نبوی کے پاس ایک خیمہ نصب کیا اور جنگ خندق میں زخمی ہوئے سپاہیوں کا علاج شروع کیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی اسی میں زخمی ہو گئے تھے آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ وہ بھی ان سے استفادہ کریں تاکہ مسجد سے قریب رہنے سے آپ ﷺ ان کی اکثر تیارداری کر سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہسپتال قائم کرنے اور علم طب کے فروغ میں اسلام نے زبردست رول ادا کیا ہے۔ دو خواتین حضرت نصیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی اور فرسٹ ایڈ پہنچاتی تھی یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ دونوں اسلامی تاریخ کی پہلی نرسیں تھیں۔

سپیشلسٹس کے ذریعہ علاج

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اطباء اور جراحوں کی پوزیشن کے بارے میں تھوڑی سی ہی معلومات ملتی ہیں۔ ایک بار ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے آپ ﷺ ان کی مزاج پرسی کے لیے گئے اور معلوم کیا کہ مقامی طور پر کوئی طبیب موجود ہے یا نہیں؟ دو نام سامنے آئے آپ ﷺ نے دونوں میں جو زیادہ اچھا اور ماہر طبیب تھا اس کو بلانے کے لیے کہا۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ آپ ﷺ طبی مہارت کے سلسلہ میں بیدار تھے اور ماہر طبیب سے علاج کا مشورہ دیتے تھے اور کسی نیم حکیم سے علاج کرانے کے حق میں نہ تھے۔ یہاں تک کہ ایک حدیث میں اس سے صاف طور پر منع بھی کیا گیا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے سزا بھی تجویز کی گئی ہے۔ کیوں کہ اناڑی طبیبوں سے معاشرہ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس میں ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے زمانے میں طب کی ضرورت واہمیت سمجھی جاتی تھی خود رسول اللہ ﷺ سے بہت سی دواؤں کے نسخے منقول ہیں جو آپ ﷺ بیمار لوگوں کے لیے تجویز کیا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے ان بیانات ومشوروں سے ایک پورا طبی علم نمودار ہوا جسے ''طب نبوی'' کہا جاتا ہے۔

مدینہ مارکیٹ

آپ ﷺ نے مدینہ کے اندر ایک مارکیٹ قائم کی اور اسے منضبط کیا جسے اسواق کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ مارکیٹ مسجد نبوی کے شمال میں تھی اور وہاں سے بہت زیادہ دور نہ تھی اور یہ تقریباً500 میٹر لمبی اور100 میٹر سے زیادہ چوڑی تھی۔ حقیقت میں اس نکڑ پر یہ ضرورت سے زیادہ بڑی مارکیٹ تھی۔ مگر مدینہ اس وقت ہر سطح پر تیزی سے توسیع اور ترقی کی جانب رواں دواں تھا اس لیے اس مارکیٹ کے قیام سے آپ ﷺ کی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

ناجائز کاموں اور تجارت پر پابندی

رسول اکرم ﷺ پوری دنیا کے لیے اصلاح اور ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اور آپ ﷺ کی رہنمائی کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے تھا جس میں کاروبار اور تجارت وغیرہ بھی شامل ہیں۔ چونکہ مضافات کے قبائل برابر نئی ریاست اور نئے دین کے دائرہ میں آتے جارہے تھے اس لیے آپ ﷺ نے وزن اور پیمانوں اور غلوں کا جائزہ لینے کے لیے انسپکٹر بھی مقرر فرمائے تھے، قیمتوں کا تعین کیا اور اجارہ داری کی سخت حوصلہ شکنی کی۔ اسی طرح چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کی جس کو مشکل وقت میں اونچی قیمتوں پر بیچا جاتا۔ شراب کی کشید اور خرید و فروخت پر پابندی عائد کی۔ صفائی وستھرائی پر آپ ﷺ بہت زیادہ زور دیتے تھے اور برابر اس بات کی تاکید کرتے تھے کہ مکانوں اور مارکیٹ کو صاف ستھرا رکھا جائے اسی طرح آپ ﷺ نے راستہ کے اطراف میں بیٹھ کر گپ شپ کرنے سے بھی منع کیا تھا۔ آپ ﷺ ذاتی طور پر مارکیٹ جایا کرتے اور جائزہ لیتے۔ ایک بار آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک تاجر نے بھیگے اناج پر سوکھا اناج ڈال رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ دیکھنے کے لیے اس کے اندر ہاتھ ڈالا کہ ملاوٹ تو نہیں، تو پایا کہ تاجر خریداروں کو دھوکہ دے رہا ہے آپ ﷺ نے اس سے پوچھا تم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگا کہ بارش کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا ''من غشنا فلیس منا'' جو فریب کاری سے کام لے وہ ہم میں سے نہیں۔

کاروبار اور تجارت کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے درج ذیل اقدامات کیے۔

﴿۱﴾ ناپ تول کا معیار متعین کیا۔

﴿۲﴾ قیمتوں کا تعین کیا۔

﴿۳﴾ تجارت و کاروبار میں اجارہ داری کا سلسلہ ختم کیا۔

﴿۴﴾ تجارت کے سامان کو بند کر کے رکھنے اور ذخیرہ اندوزی کی ممانعت ہوئی۔

﴿۵﴾ سودی کاروبار ممنوع ہوا، اسے گناہ اور جرم قرار دیا گیا۔

﴿۶﴾ شراب کی خرید و فروخت اور استعمال پر پابندی لگائی گئی۔

﴿۷﴾ جوئے کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیا گیا۔

﴿۸﴾ قحبہ گیری بند، حرام اور جرم قرار دی گئی۔

مرد انسپکٹر

رسول اللہ ﷺ نے مرد و عورت مارکیٹ انسپکٹرز اور ٹیکس کلکٹر متعین کیے جن میں خاص اشخاص یہ تھے۔ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن سعید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

خاتون انسپکٹر

اسی طرح آپ ﷺ نے خواتین میں سے بھی انسپکٹرز متعین کیں جن میں نمایاں نام یہ ہیں: حضرت سمرہ بنت مہر با رضی اللہ عنہا اور شفا بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا، حضرت شفا بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے مدینہ مارکیٹ کا کسٹم آفیسر بنایا۔ ظاہر ہے کہ یہ اس تجارتی سامان سے متعلق ہوگا جو خواتین لایا کرتی ہوں گی۔

مرد تاجر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام کے پہلے خلیفہ ہوئے، کپڑوں کے تاجر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفہ جن کے دور میں روم و ایران فتح ہوئے، غلہ کے تاجر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کپڑے کے بڑے تاجر تھے۔

خاتون تاجر

خاتون تاجروں کے درمیان حضرت اسماء بنت مرحب رضی اللہ عنہا، حضرت خولہ بنت شعیب رضی اللہ عنہا اور ملکہ ام صائب رضی اللہ عنہا زیادہ مشہور تھیں۔

تجارت

قرآن نے تجارت کرنے کی فضیلت بتائی:

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠﴾

خدا کا فضل تلاش کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں۔ تم زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کا رزق تلاش کرو۔ [1]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ

خدا نے خرید و فروخت کو حلال اور سود لینے دینے کو حرام قرار دیا ہے۔ [2]

تاجر کی فضیلت

انصاف، ایمانداری اور کھرے پن کی صفات کے ساتھ حضرت محمد ﷺ نے لوگوں کے ساتھ بزنس کے معاملات کئے اور اس اسلوب میں کئے کہ وہ تمام تاجروں کے لیے ہمیشہ کے لیے نمونہ بن گیا۔ آپ ﷺ کے درج ذیل اقوال تمام ایماندار، محنتی اور پابند ضابطہ تاجر کی صفات بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

دوسرے دینی فرائض کی مانند حلال روزی کمانا بھی ایک فریضہ ہے۔ سچا اور ایماندار تاجر نبیوں، صالحین، صدیقین اور شہدا کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ جو

---

[1] الجمعہ:10

[2] البقرہ:275

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آدمی خرید و فروخت میں اور معاملات کرنے میں ایمانداری اور نرمی و شائستگی سے کام لیتا ہے خدا اس پر رحمت فرمائے گا۔ ایک ملک اچھی تجارت سے زیادہ خوش حالی پاتا ہے بہ نسبت جنگ کے۔ بے ایمان تاجر آخر کار ناکام اور ایماندار تاجر بالآخر کامیاب ہو گا۔

تجارتی معاہدے

مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام سے پہلے تجارتی کاروانوں کی سیکورٹی ایک مسئلہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اہمیت دے کر یقینی بنایا کہ کاروانوں کا تحفظ ہو اور اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدے فرمائے۔ جن کو لکھتے وقت گواہوں کا پورا انتظام کیا۔

معاہدے (العهد) کو اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اس میں شادی بیاہ، سماجی و معاشی معاہدوں سے لے کر جنگ و صلح کے معاہدات بھی شامل ہیں۔ قرآن نے معاہدوں اور ان کی شرائط کے ایفا کرنے کا حکم دیا ہے:

إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴿٣٤﴾

ہر معاہدے کے بارے میں قیامت میں پوچھ گچھ ہو گی۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمانوں کے لیے اپنے معاہدوں کی شرطوں کو پورا کرنا لازمی ہے۔

غیر ملکی زر مبادلہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بین الاقوامی تجارتی قوانین وضع فرمائے۔ اس کے لیے غیر ملکی زر مبادلہ کا ایک نظام قائم ہوا۔ بعد کی اسلامی تاریخ میں غیر ملکی زر مبادلہ کے لیے ''صك'' کا ایک نظام متعارف ہوا (جو انٹرنیشنل تجارت کے لیے ایک پرامیسری نوٹ کی مانند تھا) یہی صك بعد میں چل کر ''چیک'' میں تبدیل ہو گیا۔

---

[1] بنی اسرائیل:34

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عسکری نظام

زندگی کے بہت سارے میدانوں میں جو نئے اقدامات کئے گئے ان میں ایک فوج کا نظام بھی تھا۔ آپ ﷺ نے مطلوبہ افراد کو منتخب کر کے متعدد مہمات پر روانہ فرمایا اور اس طرح بتدریج ایک اسلامی فوج تشکیل پائی۔

مستقل فوج

اسلامی ریاست نے کافی ذرائع کا بندوبست کر کے سپاہیوں کو بھرتی کیا اور باقاعدہ فوج تشکیل دی۔

جسمانی صحت اور دفاعی تربیت

نبی ﷺ نے عسکری تربیت کو بھی ضروری قرار دیا اور اس کے لیے ایک مناسب نظام تربیت تشکیل دیا۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ لوگوں کو ہمیشہ جسمانی طور پر صحت مند رہنے کی تاکید فرماتے اور ریاضت کرنے کا مشورہ دیتے۔ تیراندازی کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ السباق نامی میدان میں آپ ﷺ تیراندازی اور دوڑ کے مقابلوں کو خود ذاتی طور پر دیکھتے اور ان میں شریک بھی ہوتے۔ آپ ﷺ نے گھوڑ دوڑ، اونٹوں کی دوڑ اور انسانوں کی دوڑ کی حوصلہ افزائی کی، کشتی کو فروغ دیا اور اس طرح کے تمام مواقع پر آپ ﷺ نے انعامات بھی تقسیم فرمائے۔ مدینہ کے شمالی دروازہ کے پاس آج بھی مسجد السباق اس میدان کی یاد دلاتی ہے۔ السباق کا مفہوم ہی باہم مقابلہ ہوتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ قریبی پہاڑی کی اونچی جگہ بیٹھ کر گھوڑوں کی دوڑ ملاحظہ فرماتے اور آپ ﷺ نے اس کے لیے پہلے تین انعامات بھی مقرر کئے تھے۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ مقابلہ میں پہلی پانچ پوزیشن حاصل کرنے والے گھوڑوں کو کھجور اور دوسری چیزوں کی شکل میں انعام سے نوازا جاتا تھا۔

ساتھ ہی ساتھ حکومت کی نگرانی میں اسلحہ جمع کرنے کا ایک نظام بھی تشکیل دیا گیا جس میں اسلحہ کی خریداری، گھوڑوں اور اونٹوں کی خریداری اور گورنمنٹ کی متعینہ زمینوں میں ان کے چرنے کا بندوبست اور ان کی رکھوالی اور چارہ کا پورا نظم بھی شامل تھا۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انٹیلی جنس نظام حراست

عملی سطح پر مدینہ ایک چھوٹی اسلامی ریاست تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پہلے قائد اور حکمران تھے، لیکن یہ چاروں طرف سے دشمن سے گھری ہوئی تھی جو اس کو ابھرنے اور قوت حاصل کرنے سے پہلے ہی تباہ کر ڈالنا چاہتے تھے۔ لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حراست اور گشت کا ایک نظام قائم کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلسل دشمن کی نقل و حرکت سے مطلع رکھتا اور ان کے منصوبوں، ان کی فوجی قوت اور ان کی سازشوں سے باخبر رکھتا۔

پہرے داری کے اس نظام سے ابلاغ کا موثر نظم بھی وجود پذیر ہوا جو مدینہ کے اطراف میں اور سرحدوں پر ہونے والے واقعات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر رکھتا تھا۔ مدینہ کی حفاظت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوکیاں بھی مقرر کیں۔ جب بھی ضرورت ہوتی ان سے کام لیا جاتا۔ مسلمان سپاہیوں کو عسکری تربیت دی جاتی، خفیہ رموز، کوڈ ورڈ اور علامتی الفاظ سکھائے جاتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چیزوں سے باخبر رہتے اور معاملات پر نظر رکھنے کے لیے بیک وقت کئی ذرائع کا استعمال کرتے۔

وزارت مالیات بیت المال قومی خزانہ

مدنی ریاست میں مسلمان اجتماعی طور پر زکوۃ ادا کرتے تھے۔ جو ٹیکس بھی ہے اور عبادت بھی۔ اموال زکوۃ کو وصول کر کے بیت المال میں رکھا جاتا۔ اس رقم کو ریاست کے کاموں کے لیے اور ناداروں و حاجت مندوں کی ضروریات کے لیے خرچ کیا جاتا۔

زکوۃ، جو مالیات کا سب سے بڑا ذریعہ تھی، فرض ہے۔ ہر صاحب نصاب مسلمان کو اسے ادا کرنا ہوتا ہے۔ البتہ اموال اور جائیدادوں کے لحاظ سے اس کی شرح الگ الگ ہے۔ مثال کے طور پر زمینوں سے عشر اور نصف عشر لیا جاتا تھا اور مال تجارت وغیرہ سے اڑھائی فیصد اور اگر کسی کی ملکیت میں لوہے سونے یا چاندی کی کان ہوں تو اسے بھی متعینہ حصہ ریاست کو دینا ہوتا تھا۔ مدینہ سے باہر محصلین زکوۃ بھیجے جاتے (بعد میں مقامی طور پر بھی زکواۃ کے محصل ہوا کرتے۔)

تبوک کی جنگ کے زبردست اخراجات کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسپیشل فنڈ کی اپیل کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو پیشگی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ اس سے یہ تصور سامنے آیا کہ زکوۃ یا ٹیکس کو پیشگی بھی وصول کیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے بیت المال (قومی خزانہ) کی آمد اور صرف کے حسابات کے لیے کلرک بھی مقرر فرمائے۔ ریاست کی آمدنی کا جائزہ لیا جانا ضروری تھا۔ یہ فریضہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا جو موذن رسول ﷺ بھی تھے اور وزیر مالیات بھی۔ مسجد نبوی میں ایک کمرہ مالیات کے لیے خاص کیا گیا تھا جس میں بیت المال یعنی ریاستی خزانہ، ریاستی جائیدادوں کے دستاویزات اور معاہدوں کے وثائق محفوظ رکھے جاتے تھے۔

پینشن اور معاوضہ کا نظام

آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کے ناداروں اور محتاج شہریوں کے لیے پینشن سسٹم بھی وضع فرمایا۔ مدینہ میں بنو عریض نامی یہودی قبیلہ تھا، آپ ﷺ اس سے خوش تھے اور آپ ﷺ نے ان کے لیے سالانہ معاوضہ کی ایک رقم منظور فرمائی تھی۔ اسی طرح جو لوگ غیر فطری موت مر جاتے تھے ان کے لیے معاوضہ کا ایک نظام بھی وضع فرمایا تھا۔

خارجہ امور

مدینہ کی اسلامی ریاست اتنی مضبوط ہو گئی تھی اور اسے اتنا اعتراف مل گیا کہ کم از کم 38 ریاستوں کے سربراہوں، بادشاہوں، قبائل کے لیڈروں اور نمائندوں نے عرب کے مختلف علاقوں اور غیر ممالک سے مدینہ حاضری دی اور صلح کے معاہدوں پر دستخط کیے۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ باہمی تعاون ونصرت کا معاہدہ بھی کیا۔

غیر مسلم سفیر

زیادہ پڑھے لکھے اور ماہر صحابہ آپ ﷺ کے قاصد تھے، لیکن یہاں بھی یہ نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ آپ ﷺ نے غیر مسلموں کو بھی اپنا سفیر بنایا۔ ظاہر ہے کہ اس کام کے لیے ان کی شخصی صلاحیتوں اور ان کی سچائی اور ساکھ پر آپ ﷺ نے بھروسہ کیا۔ مثال کے طور پر حضرت عمر بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ (جو اس وقت مسلمان نہ ہوئے تھے) حبشہ کے بادشاہ کے پاس آپ ﷺ کے قاصد بن کر گئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عدالتی نظم

رسول اللہ ﷺ نے عدالتی نظم ونسق کا بھی قائم فرمایا جس کی شدید ضرورت تھی۔ آغاز میں مسلمان چند سو تھے۔ اور سب کے سب مدینہ شہر میں رہتے تھے۔ مسلمانوں کے مابین نزاع اور جھگڑے کا امکان بہت کم تھا لیکن اگر کوئی معاملہ سامنے آتا تو اس میں بہت تیز تر فیصلہ کیا جاتا اور فیصلہ کے بعد اس کا نفاذ ہوتا۔ لوگ ریاست کی سب سے بڑی اتھارٹی یعنی پیغمبر ﷺ رسائی حاصل کرتے اور آپ ﷺ کے پاس جاکر اپنی شکایات کا ازالہ کروالیتے۔

سب کے لیے انصاف

مدینہ کی اسلامی ریاست کا منصف اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے حضرت محمد ﷺ عدل و انصاف کے سب سے بڑے منتظم تھے۔ آپ ﷺ تمام معاملات میں بغیر کسی امتیاز رنگ ونسل اور مذہب ورشتہ داری سب کو مساویانہ طریقہ پر انصاف فراہم کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان بنیادوں پر کبھی انسانوں میں تفریق نہیں برتی۔ جیسا کہ قرآن کی تعلیم ہے۔

. حضرت عبداللہ بن سہل خیبر رضی اللہ عنہ وصولی کرنے کے لیے بھیجے گئے جہاں ان کا قتل کر دیا گیا اور ان کی نعش ان کے کزن محیصہ کے پاس پائی گئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور انہوں نے یہودیوں سے انتقام لینے کا سوال کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم قسم کھاتے ہو کہ ان کو یہودیوں نے ہی قتل کیا ہے انہوں نے کہا کہ انہوں نے قاتل کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں سے اس پر قسم لی جائے۔ محیصہ بولے کہ یہودیوں کی قسم پر آپ ﷺ کیسے اعتبار کریں گے وہ تو 100 سے زیادہ قسمیں کھالیں گے۔ خیبر میں یہودیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا انہوں نے ہی عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قتل کیا ہے۔ لیکن چونکہ کوئی چشم دید گواہ نہ تھا اس لیے آپ ﷺ نے یہودیوں سے کچھ نہیں کہا اور فدیہ کی رقم بیت المال سے ادا کردی۔

☆ بنو مخزوم کی ایک خاتون چوری کے الزام میں پکڑی گئی اسلامی قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جانا قریش پر شاق گزرا۔ انہوں نے اس کی سفارش کرنے کے لیے نوجوان اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے گزارش کی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو بہت محبوب تھے۔ جب اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ سے اس خاتون کو سزا سے مستثنیٰ کرنے کے بارے میں بات کی تو آپ ﷺ ناراض ہوگئے اور فرمایا کہ لوگوں کو یہ جرأت کیسے ہوگئی کہ حقوق اللہ میں مداخلت کریں۔ تم سے پہلے کی کتنی ہی قومیں اسی لئے تباہ ہوگئیں کہ غریب گناہ کرتا تو اسے سزا دیتے اور مالدار گناہ کرتا تو اسے یونہی چھوڑ دیتے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹا جاتا۔

فاطمہ بنت محمد بھی اگر چوری کرے
عدل کا دستور ہے کہ ہاتھ کاٹا جائے گا۔

☆ طارق محاربی کہتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے ایک انصاری نے بنوثعلبہ کو دیکھ کر کہا۔ یارسول اللہ! بنوثعلبہ کے بزرگوں نے ہمارے خاندان کے ایک آدمی کا قتل کیا تھا، اس کے بدلہ میں ان میں سے ایک آدمی کو قتل کیا جائے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''باپ کا بدلہ اس کے بیٹے سے نہیں لیا جاسکتا۔''

رسول اللہ ﷺ نے عملی مثالوں اور اپنی تعلیمات سے عدل وانصاف میں کامل مساوات برت کر دکھائی۔ انصاف کے سلسلہ میں دوست و دشمن سب سے یکساں سلوک کیا اور اس سلسلہ میں نہ دشمن کی پروا کی نہ اعزہ و اقارب کی۔ جو بھی معاملہ آپ ﷺ کے پاس لایا جاتا آپ ﷺ اس میں کامل مساوات برتتے۔ مالدار و غریب کا کوئی فرق نہ ہوتا۔ مسلمان اور غیر مسلم سب اپنے معاملات کے حل کے لیے آپ ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ دربار رسول سے ہی پورا پورا عدل وانصاف مل سکتا ہے۔

☆ ایک بار بنونضیر کے یہودیوں نے بنوقریظہ کے ایک یہودی کا قتل کر دیا۔ مقدمہ آپ ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ نے تورات کا قانون قصاص ''جان کے بدلے جان'' نافذ کر دیا۔ جیسا کہ جیوش لاء، جو جنگ اور فتح کے حالات میں جاری ہوتا ہے، کہتا ہے:

اور جب خداوند تمہارا خدا دشمن کو تمہارے ہاتھ میں دے دے تو اس کے تمام مردوں کو قتل کر ڈالو۔ اور عورتوں اور بچوں کو مویشی اور جانوروں اور شہر کی دوسری تمام چیزوں کو تم جنگ کے مال غنیمت کے طور پر لے سکتے ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

Deuteronomy 20:13,14

یہودیوں، مسلمانوں اور دوسرے قبیلوں کے مابین نزاعات کے لیے رسول اللہ ہی آخری کورٹ آف اپیل تھے۔

☆ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جج تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم کے جج جنت میں جائیں گے اور دو قسموں کے دوزخ میں۔ جو سچائی کو جان لے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے وہ جنت میں جائے گا اور جو سچائی کو تو جان لے مگر فیصلہ غیر منصفانہ کرے وہ جہنم میں جائے گا اور جو منصف جہالت کی بنیاد پر فیصلے کرے وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔''

☆ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جج اور قاضی کو غصہ کی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔

اسلامی قانون میں بادشاہ اور عام آدمی سب برابر

اسلامی قانون میں ریاست کے سربراہ کے لیے بھی کوئی استثنا نہیں۔ قانون کے آگے خلیفہ اور عام آدمی سب برابر ہیں۔ قرن اول میں اس کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے عہد میں یہ واقعہ ہوا کہ ان کی زرہ چوری ہوگئی، جسے انہوں نے ایک یہودی کے پاس دیکھا تو قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ قاضی نے دونوں کو برابر بٹھایا، یہودی نے کہا کہ زرہ اسی کی ہے۔ اب قاضی نے مدعی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا ان کے پاس دعوے کے ثبوت میں کوئی گواہ ہے۔ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور اپنے غلام کو پیش کیا تو قاضی نے کہا کہ ان کی گواہی نہیں چلے گی۔ بالآخر فیصلہ یہودی کے حق میں دیا گیا۔ یہودی اس بے نظیر اسلامی انصاف کا مشاہدہ کرنے کے بعد چلا اٹھا: ''یہ تو پیغمبروں کا انصاف ہے'' اس کے بعد وہ مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ اس واقعہ میں قاضی شریح نے جو کہ خلیفہ وقت کے تابع تھے، ان کی کوئی پروا نہ کی اور بے لاگ اپنا فیصلہ دیا۔

اسلامی معاشرہ میں عدلیہ کو ہیئت حاکمہ سے الگ اور آزاد رکھا گیا ہے۔ منصف اور جج کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکومت کے خوف یا لالچ کے ہر دباؤ سے آزاد ہو کر شرع کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ اسے صرف خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ اسلامی تاریخ میں اسی آزاد عدلیہ نے حکمرانوں اور عوام دونوں کو اسلامی شریعت کا پابند رکھنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شامی غسانی عرب سردار جبلہ بن الایہم مسلمان ہو کر آیا۔ وہ حج ادا کر رہا تھا کہ اس کی چادر ایک بدو کے پاؤں تلے آ گئی، اپنے شاہانہ غرور کے نشہ میں چور ہو کر اس نے بدو کو چانٹا مار دیا۔ بدو نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں اپنا مقدمہ پیش کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کی بات سن کر فیصلہ دیا کہ بدو بھی اس کو تمانچا مارے۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے! حیرت میں پڑے جبلہ نے کہا: میں ایک سردار ہوں وہ عام آدمی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "اسلام میں تم اور وہ دونوں برابر ہیں۔ یہاں صرف تقویٰ اور اعمال صالحہ میں بزرگی اور شرف حاصل ہو سکتا ہے"۔

بیٹے کی وفات پر غم

سن 10 ہجری میں اسلام پھیل چکا تھا جیسے جیسے رسالت کے مشن کے اختتام کے دن قریب آ رہے تھے لوگ فوج در فوج دین میں داخل ہو رہے تھے اور تکمیل دین کا مژدہ بھی سنا جا چکا تھا۔ اس سے ڈیڑھ سال قبل حضور ﷺ کے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے ایک خوبصورت بیٹا پیدا ہوا تھا جس کا نام آپ ﷺ نے ابراہیم رضی اللہ عنہ رکھا تھا۔ آپ ﷺ اس کی پیدائش پر بہت خوش تھے اور اس کے لیے آپ ﷺ نے خوشی میں ایک دعوت کا اہتمام بھی کیا تھا۔ آپ ﷺ ابراہیم رضی اللہ عنہ کو گود میں لے کر کھلایا کرتے تاہم ڈیڑھ سال کی عمر کو پہنچے پر ابراہیم رضی اللہ عنہ شدید بیمار پڑے۔ آپ ﷺ مضطرب تھے اور دیکھ رہے تھے کہ بچہ کے انتقال کا وقت آیا چاہتا ہے، آپ ﷺ بچہ کی محبت میں روز گھنٹوں اس کے پاس گزار دیتے، پھر جب ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو آپ ﷺ غم کے مارے رو پڑے۔ آپ ﷺ نے بچہ کو گود میں لے کر سینہ سے لگایا آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور شدید رنج و غم آپ ﷺ پر طاری تھا۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی اور انہوں نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔ پہلے تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بول نہ سکے پھر فرمایا کہ ''میں نے فطری اظہار محبت اور اظہار رنج سے منع نہیں کیا بلکہ نوحہ و ماتم سے منع کیا ہے جس میں لوگ چلاتے اور کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں اور مردوں پر با آواز بلند روتے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ میرے یہ آنسو نرمی و محبت کے آنسو ہیں۔ زندگی کی مشکل گھڑیوں میں مہر و وفا، جذبہ شوق، رحمت و محبت اور انسانیت کا رشتہ یہ سب انسان کو خدا تعالیٰ سے قریب کر دیتے ہیں۔ جو الرحمن ہے وہی سب سے زیادہ مہربان اور بڑا قدرت والا ہے۔ اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اضافہ کیا کہ جو محبت پیار اور لطف و کرم نہیں دکھاتا اس کے ساتھ بھی محبت نہیں کی جائے گی۔ یہ جذبے انسان کو انسان سے قریب کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان جذبوں والے انسان کو (مرد ہو یا عورت) خدا بھی ملتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غم کا اظہار کیا اور فرمایا:

''آنکھیں روتی ہیں اے ابراہیم رضی اللہ عنہ اور دل میں غم ہے مگر ہم وہی کہیں گے جس سے خدا خوش ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے ایک بار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمایا تھا۔ اس سے قبل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعدد پیاروں کو کھو دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بیٹیاں داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم ہوا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعصاب اور جذبات پر قابو رکھا اور اپنے مشن کے سلسلہ میں نہایت استقامت کا ثبوت دیا۔

سورج گرہن

قبرستان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس ہونے کے چند گھنٹے بعد ہی سورج گرہن پڑ گیا اور لوگوں میں یہ احساس پھیل گیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کی موت کا غم سورج کو بھی ہوا اور گویا یہ اپنے نبی کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک پیغام ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس کا نوٹس لیا اور اس توہم کی جڑ کاٹ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور پرزور لہجہ میں بتایا کہ ''سورج چاند دونوں خدا کی نشانیاں ہیں وہ کسی کی موت پر گرہن نہیں پڑتے۔'' اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک توہم کا پیدا ہونے سے پہلے ہی خاتمہ کر دیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو ایک روحانی سبق دیا کہ وہ اپنے پیاروں کو کس طرح رخصت کریں اور انسانوں کو اپنی اور اپنے عزیزوں کی موت کو کس طرح لینا چاہیے۔ بشریت جس کے سبب آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے، اور عقیدہ کا امتحان یہی ہے کہ موت و حیات اور آنے جانے کے اس ازلی سلسلہ میں یہ سیکھا جائے کہ جب موت آئے یا کوئی اچانک رخصت ہو جائے تو اس کا سامنا کرنے کی قوت کیسے پیدا ہو۔ اقبالؒ نے کہا

نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

کسی کی موت کے وقت کسی معجزہ کا ہونا خدا کی نشانی نہیں۔ خدا کے وجود کی نشانی تو یہ ہے کہ زندگی اور موت، گردش ایام اور دنوں کے الٹ پھیر اور روز و شب کی آمد و رفت میں تخلیق خدا کا مشاہدہ کیا جائے اور اس کے وجود کا جلوہ دیکھا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ستائیسواں باب

حجۃ الوداع

سن 10 ھ کے رمضان المبارک میں حضرت محمد ﷺ کو خدا کی طرف سے ایک اور نشانی دکھائی گئی۔ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس کا تذکرہ کیا:

> ہر سال جبرئیل علیہ السلام میرے ساتھ قرآن کا ایک دور کرتے ہیں لیکن اس بار انہوں نے میرے ساتھ دو بار دور کیا ہے مجھے لگتا ہے کہ اب میرا وقت قریب ہے۔

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے اور مسلمان مرد و عورت کو زندگی میں کم از کم ایک بار ذوالحجہ کے مہینہ میں متعینہ دنوں میں مکہ جانا اور خانہ کعبہ کا طواف وغیرہ کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ آپ ﷺ نے ابھی تک یہ فریضہ ادا نہیں کیا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے حج کا ارادہ کیا اور اس کا اعلان فرما دیا۔ چند ہفتوں بعد مدینہ سے آپ ﷺ تیس ہزار حاجیوں کے ساتھ مکہ کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں پورے جزیرۃ العرب سے کئی گنا افراد آ آ کر شامل ہوتے گئے۔

جب آپ ﷺ راستہ میں تھے تو آپ ﷺ پر ایک بہت اہم وحی نازل ہوئی جس میں مکہ اور کعبہ کے پاس کی جانے والی رسموں کا تذکرہ تھا۔ یہ سورہ توبہ (سورہ نمبر 9) کی ابتدائی آیات تھیں۔ یاد رہے کہ سورہ توبہ وہ تنہا سورہ ہے جس کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں ہے۔ ان آیات میں سب سے پہلے تو بالکل واضح انداز میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں (مثلاً خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرنا وغیرہ) سب ختم کی جاتی ہیں اور اسی طرح یہ کہ مشرکین کو چار مہینے کی مہلت ہے اس کے بعد عرب میں ان کا وجود برداشت نہ کیا جائے گا۔ اس پیغام میں صراحت سے یہ بھی بتا دیا گیا کہ آئندہ سے کعبہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے خاص ہوگا اور اس میں صرف مسلمان ہی داخل ہو سکیں گے۔ آیات میں کہا گیا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کعبۃ اللہ میں صرف وہی لوگ داخل ہوں گے اور وہی اس کے متولی ہوں گے جو اللہ پر، یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، جو پابندی سے نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں کیونکہ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

اس حکم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی اکثریت نے یہی سمجھا ہے کہ اس سے مراد صرف کعبۃ اللہ ہے۔ دنیا کی دوسری مساجد میں مشرکین داخل ہو سکتے ہیں۔ ان حکم کا خاص منشا توحید کی اقامت ہے۔

جب آپ ﷺ مکہ پہنچ گئے تو آپ ﷺ حج کے مختلف ارکان کی ادائیگی کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ اس طرح وہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خالص توحیدی عبادت کا احیا کر رہے ہیں۔ حج کیا تھا آپ ﷺ کی پوری زندگی کی طرح ''اصل مرجع و مبدا اول خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم کی پیروی کرنی تھی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے اس کا سب سے پہلا گھر بنایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ہر نقش قدم کے پیچھے چلے۔ چونکہ آپ ﷺ کا مقصد ان کو حج کے ارکان و مناسک سکھانا بھی تھا اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''خذوا عني مناسككم'' (مجھ سے حج کے ارکان و مسائل سیکھ لو) سن 10 ھ کے ماہ ذی الحجہ کے نویں دن آپ ﷺ نے تقریباً ایک لاکھ 44 ہزار حاجیوں کو جبل رحمت سے خطاب فرمایا۔ جبل رحمت کے چاروں طرف میدان عرفات ہے (جو مکہ سے 20 کلومیٹر پر ہے) میدان عرفات میں جانا حج کے ارکان و فرائض کا مرکزی حصہ ہے۔ آپ ﷺ نے چھوٹے چھوٹے جملے ارشاد فرمائے، جن کو آپ ﷺ کے گرد کے لوگ دہراتے تاکہ میدان میں جمع تمام لوگ آپ ﷺ کے خطاب کو سن سکیں۔

الوداعی خطبہ:

یہ خطبہ سن 632ء میں اور سن 10 ھ میں ارشاد کیا گیا۔ مکہ کے جبل عرفات پر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور حجۃ الوداع کے موقع سے یہ خطبہ دیا۔ اس خطبہ کے مضامین میں زور و قوت ہے۔ آپ ﷺ نے آغاز میں ہی کہا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شائد ہم لوگ اگلے سال دوبارہ یہاں جمع نہ ہوں گے۔آپ ﷺ نے اس جگہ، اس شہر اور اس مقام کا تقدس بھی یاد دلایا۔لوگوں کی زندگیوں، ان کی عزت اور ان کی دین سے وابستگی کی اہمیت کو ان کے ذہنوں میں تازہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:''جاہلیت کا زمانہ اب ختم،لہٰذا اس کی رسمیں، اس کی لڑائیاں ودشمنیاں سب ختم۔اب سے تمام مسلمان ایک امت واحدہ ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔وہ کسی بھی حال میں''نہ ظلم کریں اور نہ ظلم سہیں۔''تم سب کو اسلام کا سفیر بننا ہے۔تم سب کو خاکساری ومساوات سیکھنی ہے کیوں کہ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے تم میں افضل وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو''۔آپ ﷺ نے فرمایا:

''کوئی عرب کسی عجمی پر برتر نہیں نہ کوئی عجمی کسی عرب پر،فضلیت صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے''۔آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اپنی خواتین سے اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی اور کہا کہ اپنی عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو''۔اسکے بعد آپ ﷺ نے موجود اور آنے والوں کو یہ نصیحت فرمائی:

میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، ان کو پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔خدا کی کتاب،قرآن اور نبی کا طریقہ،سنت۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا خطبہ ایک اہم سوال پر ختم کیا اور فرمایا:

''لوگو! کیا میں نے خدا کا پیغام صحیح طور پر پہنچا دیا؟ حاضرین نے پر زور انداز میں کہا جی ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اٹھائی اور فرمایا، بار الٰہ! تو گواہ رہنا، آخر میں حاضرین نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایمانداری سے پیغام پہنچا دیا کہ آپ ﷺ نے اپنا مشن پورا کر دیا اور یہ کہ آپ ﷺ نے امت کو بہترین نصیحت کی۔اس کے بعد پھر آپ ﷺ نے فرمایا:''یا اللہ گواہ رہنا! اور جو یہاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حاضر ہیں وہ یہ باتیں دوسروں تک (جو یہاں حاضر نہیں ہیں) پہنچا دیں۔"

حقیقت میں اتنے سارے حاضرین کے آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گواہ تھے کہ اللہ کی کے ہاں تمام انسان برابر ہیں، وہاں نسل، سماجی طبقہ جنس وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ وہاں تو صرف تو عمل کا سوال ہوگا۔ اور اس کا سوال ہوگا کہ خدا نے جو صلاحیتیں دیں مثلاً مال عقل و ذہانت کا کیا استعمال کیا، قلب سلیم لے کر آئے یا نہیں۔ وہ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں عربی ہیں کہ عجمی، کالے ہیں کہ گورے، مالدار ہیں یا غریب، مرد ہیں یا عورت اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انسان کو دوسروں پر فضیلت ملتی ہے اپنے روحانی شعور سے، انا کو قابو میں رکھنے سے اور اپنے ایمان کی تازگی سے، اسلام کی عزت، عمل صالح اور روح کی قوت سے۔ ان حاجیوں کے سامنے جن میں آزاد، غلام، قبیلوں کے سردار اور مرد عورت سبھی تھے، پیغمبر اسلام نے یہ گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کی روشنی میں اپنا مشن پورا کر دیا اور تمام ایمان والوں نے ہم آواز ہو کر کہا کہ ہاں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کے مضمون و معنی کو سمجھ لیا ہے۔

اس کے چند ہی گھنٹوں بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نے نازل ہوئی کہ اب نبوی مشن تکمیل کے قریب ہے

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ

آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔[1]

رسالت و نبوت کا سلسلہ اب ختم ہوا چاہتا تھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے ماورا جنت ابدی کو تشریف لے جانے والے تھے۔

❁❁❁❁❁❁

[1] المائدہ:3

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اٹھائیسواں باب

جنت میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ

حجۃ الوداع ختم ہو گیا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے حج کے تمام ارکان و واجبات ادا کئے اور لوگوں کو سکھائے، اب آپ ﷺ مدینہ لوٹنا چاہتے تھے چنانچہ حجاج واپس جانے شروع ہوئے۔ مدینہ واپسی پر زندگی معمول کے مطابق چلنے لگی۔ سارے مسلمانوں کو دینی فرائض اور ان کے شرائط و آداب سکھا دیئے گئے۔ زکوٰۃ (جس کا مطلب ہے مال کو پاک کر کے نشوونما دینا) شرعی اصولوں کے مطابق جمع و تقسیم کی گئی۔ جس کے مفصل اصول نازل ہو چکے تھے۔ اسی طرح حج سمیت دین کے تمام ارکان کی تعلیم و تعمیل پوری ہو گئی۔ نئی تشکیل شدہ امت مسلمہ کو روز مرہ کی زندگی میں دین کو جینے اور اسلام کو برتنے کا سلیقہ آ گیا تھا۔ اب آفتاب نبوت غروب ہوا چاہتا تھا۔

بیماری:

گیارہویں ہجری کے رمضان المبارک کے ایک ماہ بعد رسول اللہ ﷺ جبل احد پر تشریف لے گئے۔ جہاں مسلمانوں کے ساتھ مشرکین قریش کی دوسری جنگ ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے شہدائے احد کے لیے خصوصی الوداعی نماز پڑھی۔ پھر آپ ﷺ مدینہ واپس آ کر مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ منبر پر تشریف فرما ہو کر آپ ﷺ نے خطبہ دیا۔ فرمایا:

''لوگو! اب میرے جانے کا وقت قریب ہے۔ میں تمہارے لیے گواہی دوں گا۔'' پھر آپ ﷺ نے نصیحتیں فرمائیں اور اپنا خطبہ یوں ختم کیا۔ ''مجھے یہ خوف تو نہیں ہے کہ میرے جانے کے بعد تم دوبارہ شرک کرنے لگو گے، لیکن میں تم پر اس دنیا کے مال و متاع سے ڈرتا ہوں۔''
آپ ﷺ کے الفاظ صراحت سے بتا رہے تھے کہ آپ ﷺ اب رخت سفر باندھنے کی فکر کر رہے ہیں اور اسی سانس میں آپ ﷺ نے فتنہ دنیا سے بھی آگاہ کیا، فرمایا کہ یہ امت فتنہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مال ومنال میں پڑے گی دنیا کے سراب کے پیچھے بھاگے گی۔ آپ ﷺ کا یہ اندیشہ گویا کہ پیشین گوئی تھا، جو پورا ہو کر رہا۔ مطلب یہ تھا کہ بعد میں مسلمان نماز روزہ کرتے رہیں گے مگر حب مال اور حب دنیا میں پڑ کر وہ منتشر ہو جائیں گے۔ ان کی وابستگیاں مختلف ہو جائیں گی اور وہ جادہ شریعت ہاتھ سے جاتا رہے گا جو انہیں متحد کیے ہوئے ہے۔

دوسرے دن کی رات میں آپ ﷺ مدینہ کے جنت البقیع قبرستان گئے مردوں کو سلام کیا اور فرمایا تم لوگ آگے گئے، ہم بھی پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔'' گھر کی طرف واپسی میں آپ ﷺ کو سر میں درد محسوس ہوا جو دو ہفتے تک رہا۔ شروع میں بخار اور سر درد کے باوجود آپ ﷺ نماز جماعت میں حاضر ہوتے رہے مگر جیسے جیسے دن گزرتے گئے بیماری بڑھتی چلی گئی اور آپ ﷺ کو لمبے وقت تک بستر سے لگ جانا پڑا۔

آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں کئی دنوں سے مقیم تھے کہ بخار میں شدت آ گئی اور آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی کے چھ مشکیزے آپ ﷺ کے چہرے پر مارے جائیں۔ چند گھنٹوں بعد آپ ﷺ نے کچھ افاقہ محسوس کرنا شروع کیا اور سر پر پٹی باندھ کر مسجد جانے کا ارادہ کیا۔ آپ ﷺ ممبر پر بیٹھے حاضرین کو خطاب کیا قبروں کا تذکرہ کیا اور قبر پرستی پر شدت سے نکیر کی اور فرمایا: ''میری قبر کو بت نہ بنا ڈالنا۔'' آپ ﷺ پیغمبر تھے مگر آپ ﷺ ہمیشہ ایک عام انسان کی طرح رہے۔ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کی اپنے سے گہری محبت کو جانتے تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ان کو آگاہ کیا کہ وہ خدا کے ساتھ آپ ﷺ کو شریک نہ کرنے لگیں۔ اس لیے کہ اس سے پہلے کی امتوں نے اپنے نبیوں اور اپنے صالحین کے ساتھ یہی کیا تھا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انبیا اور صالحین کے مجسمے اور تصویریں بنانی اسلام میں کیوں ممنوع ہیں اور اسلامی آرٹ میں ان چیزوں کی گنجائش کیوں نہیں ہے۔ انسان کو نبی کی تعلیمات پر چلنا چاہیے۔ ان کی شخصیت کی پوجا نہیں کرنی چاہیے۔ وہ تو ہادی و رہنما ہیں جو لوگوں کو خدا کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں۔ خود عبادت کے لائق نہیں ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اٹھے اور آپ ﷺ نے پوچھا کہ آپ ﷺ پر کسی کا کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرضہ اور کوئی ادھار تو باقی نہیں ہے؟ اگر ہے تو اس کو ابھی بتا دینا چاہیے تاکہ معاملہ صاف ہو جائے۔ ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کے تین درہم باقی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے درہم فوراً ادا کر دیئے جائیں۔

شریعت کے حکم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی نماز جنازہ اس وقت تک ادا نہیں کرتے تھے جب تک کہ اس کے ذمہ کوئی قرض، ادھار یا کوئی بھی چیز باقی رہ گئی ہو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے بھی یہی معیار اپنایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے اس طرح جانا چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر کسی کا کوئی سامان، کسی کی کوئی شکایت، کسی کا کوئی قرضہ یا ادھار یا کوئی اور بات باقی نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار پھر ممبر پر بیٹھ گئے اور فرمایا اللہ عزوجل نے اپنے نیک بندے کو یہ اختیار دیا کہ وہ دنیا کی دولت کو پسند کرے یا خدا کے قرب کو، اور اس نے خدا کے قرب کو منتخب کر لیا ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس جملہ کا معنی سب سے پہلے سمجھ گئے اور بے اختیار رونے لگے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یار غار اور محرم اسرار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید محبت کے پیش نظر وہ سمجھ گئے کہ جس بندے کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تذکرہ فرما رہے ہیں وہ اور کوئی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رخصتی کا وقت قریب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دلاسا دیا اور شخصی طور پر ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ: ''میرے جس ساتھی نے اپنی معیت اور دولت سے میرا سب سے زیادہ ساتھ دیا ہے وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کو خلیل (محبوب دوست) بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ مگر اسلامی اخوت و محبت کا اٹوٹ رشتہ تو ان سے ہے ہی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گئے اور لیٹ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان، عمل اور کعبہ کی نگہداشت کے بارے میں مزید چند ہدایات دیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد جانا چاہا مگر درد میں اتنی شدت آ گئی کہ جیسے ہی اٹھنا چاہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے ہوش ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوش میں آئے تو دریافت کیا کہ کیا مسلمانوں نے نماز پڑھ لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اٹھنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چاہا دوبارہ پھر آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ افاقہ ہونے پر پھر وہی سوال کیا۔ آپ ﷺ کو پھر بتایا گیا کہ مسلمان نماز کے لیے آپ ﷺ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ دیکھیں کہ مسلمانوں نے نماز پڑھ لی ہے یا نہیں اور یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں۔ اس کے بعد بھی کئی بار آپ ﷺ نے یہی کہا۔ جب بھی آپ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں امامت کے لیے کہتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ یارسول اللہ میرے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت حساس اور نرم دل ہیں ان کے بجائے کسی اور کو امامت کے لیے کہیں مگر آپ ﷺ نے سختی کے ساتھ فرمایا: نہیں، امامت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کریں گے۔ دو دن بعد طبیعت کسی قدر بحال تھی آپ ﷺ مسجد گئے، لوگ ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امام تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے مصلیٰ سے پیچھے ہٹنا چاہا مگر آپ ﷺ نے اشارہ سے ان کو روک دیا اور ان کے بائیں طرف بیٹھ گئے بقیہ نماز آپ ﷺ نے پڑھائی ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے الفاظ بلند آواز سے دہراتے گئے۔

یہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آخری نماز تھی۔ دوسرے دن آپ ﷺ نے گھر میں موجود تمام چیزیں تقسیم کر دیں، ایک درہم بھی باقی نہیں چھوڑا۔ اور آخری نصائح بھی جاری رکھیں، جو غلاموں، غریبوں اور ناداروں کے ساتھ حسن سلوک کے لیے تھیں۔

دوسرے دن سوموار کی صبح نماز چاشت کے وقت آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کا پردہ اٹھا کر مسجد کے اندر موجود مسلمانوں پر ایک نظر ڈالی اور مسکرائے۔ اس سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی وہ سمجھے کہ آپ ﷺ کو افاقہ ہو رہا ہے اور آپ ﷺ جلد ہی پھر ان کے ساتھ ہوں گے۔ مگر پردہ دوبارہ گرا اور آپ ﷺ اندر سے برآمد نہیں ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ ﷺ کی تکلیف پر غم کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اس دن کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی'' آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کان میں کچھ کہا، وہ رونے لگیں تو آپ ﷺ نے دوبارہ ان کے کان میں سرگوشی کی جس سے ان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اصل میں آپ ﷺ نے ان کو بتایا تھا کہ اب آپ ﷺ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں اور وہ بھی جلد ہی آپ ﷺ سے آملیں گی۔ اب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ کی تکلیف میں بہت اضافہ ہو گیا تھا اور آپ ﷺ بولنے کے قابل نہ رہ گئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس آ کر بیٹھیں اور اپنے زانوں پر آپ ﷺ کا سر رکھ لیا اور ہولے ہولے سر سہلانے لگیں۔ انہوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ سرگوشیوں میں کہہ رہے تھے ''فی الجنة بالرفیق الاعلیٰ'' (جنت میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ) اس کے بعد آپ ﷺ نے سورہ نساء کی آیت نمبر 69 کا آخر کا حصہ پڑھا

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾

ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی، صدیق، شہداء اور نیک لوگ یہ بہترین ساتھی ہیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے تین بار دہرایا'' اللھم بالرفیق الاعلیٰ'' پھر ایک دم آپ ﷺ کے بازو گر گئے، آپ ﷺ کا سر مبارک نہایت بھاری ہو گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو احساس ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات 8 جون 632 عیسوی کو 63 سال کی عمر میں ہوئی۔ پیر کا دن 12 ربیع الاول 11 ہجری تھا۔ آپ ﷺ کے خلیل، رب، معلم اور آقا نے بالآخر آپ ﷺ کو اپنے پاس بلا لیا جس نے آپ ﷺ کو اپنے آخری پیغام محبت کے ساتھ اس سرزمین پر بھیجا تھا تاکہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو پھر اس کے در پہ لے آئیں۔ وہ دن ہے اور آج کا دن مسلمان دنیا بھر میں آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے آ رہے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٥٦﴾

اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھی بھیجتے رہا کرو۔ [1]

[1] سورۃ الاحزاب: 56

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مدینہ پر غم کے بادل چھا گئے

رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر مدینہ میں پھیل گئی۔ جس نے جہاں سنا وہیں رنج وغم سے ڈھل کر بیٹھ گیا۔ اہل مدینہ کے لیے اس سے بڑی کوئی غم کی خبر نہ تھی، حزن وملال ہر چہرہ سے ٹپک رہا تھا، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے بے حرکت ہو کر رہ گئے تھے۔ اس خاموشی کو یک دم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توڑا، جنہیں شاک وشدید غم کی وجہ سے یہ یقین ہی نہ آتا تھا کہ آپ ﷺ دنیا سے چلے گئے۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ آپ ﷺ آسمان میں گئے ہیں اور جلد ہی لوٹیں گے۔ اس کے بعد جوش میں آکر تلوار نکال لی، کہنے لگے جس نے بھی یہ کہا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا، اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اسی عالم میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، جو وہاں نہیں تھے، آپ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر آگئے۔ انہوں نے چادر ہٹا کر آپ ﷺ کا رخ انور دیکھا، ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ پر قابو رکھا، باہر نکلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خاموش کرانے کی کوشش کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے انتقال پر ایسا خلا محسوس کر رہے تھے کہ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ آخر کو حضور ﷺ اہل ایمان کے رہنما، مشفق ومہربان اور محبت کرنے والے پیغمبر تھے جس کو خود قرآن نے بیان کیا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

(لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔ [1]

لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے لوگوں کو خطاب کیا اور کہا: ”جو محمد ﷺ کی پوجا کرتے تھے انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محمد ﷺ انتقال کر گئے اور جو خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ خدا حی لا یموت ہے۔“ یہ حکیمانہ، بلیغ اور موثر جملہ

[1] التوبہ: 128

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اپنا کام کر گیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ذیل کی آیات پڑھیں:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۴

حضرت محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو ہر گز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا، عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیات سنیں تو انہیں کچھ ڈھارس ہوگئی، بعد میں ان کا کہنا تھا کہ مجھے لگا کہ جیسے یہ آیت آج ہی اتری ہو، حالانکہ وہ بہت پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اب انہوں نے حقیقت واقعہ کو سمجھ لیا کہ رسول اللہ ان کو چھوڑ کر جا چکے اور جو خلا ان کی زندگی میں اچانک پیدا ہو گیا ہے خدا سے لو لگا کر اور صبر جمیل کی دعا کر کے ہی اسے پر کیا جا سکتا ہے کہ خدا حی لا یموت ہے، اس پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی، وہی حقیقت اعلیٰ ہے، اسی کی نصرت، مدد اور عنایت کے ساتھ رسول اللہ کے بغیر، مگر آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں اہل ایمان کا قافلہ آگے بڑھے گا۔

[1] آل عمران:144

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتیسواں باب

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، رسولِ انسانیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ

قرآن نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور اسی طرح آج کے اور قیامت تک ہونے والے مسلمانوں کو چاہے وہ جس معاشرے اور کلچر سے تعلق رکھتے ہوں، یہ بتا دیا کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں عمدہ نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔[1]

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلم انسانیت ہیں جن کی تعلیمات سے انسان قیامت تک فیض حاصل کر سکتا ہے۔ ہادی عالم ہیں جن کی اسے پیروی کرنی ہے۔ اسوہ حسنہ ہیں جس کی اتباع کرنے کا انسان پابند ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ رسول مصطفی و مجتبیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہیں جن کی باتوں، جن کی خاموشی اور جن کے اقوال و افعال سب پر انسان کو غور و فکر کرنا ہے۔

اپنے مشن کے پورے تئیس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحانی آزادی اور حریت کی جستجو کرتے رہے۔ نبوی زندگی کے ہر گام پر وحی کی رہنمائی حاصل رہی گویا اللہ سبحانہ وتعالیٰ تاریخ کے اس لمحے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم کلام ہوتا رہا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاوداں کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا تعالیٰ سے

[1] الاحزاب:21

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم کلامی کی، اسے سنا اور رات و دن اپنے وفادار ساتھیوں کی گرم جوشی و محبت آگئیں رفاقت میں، عرب کے تپتے صحرا میں اللہ کے ملکوت کی نشانیاں دیکھیں۔ جب ساری دنیا سوتی آپ ﷺ خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتے۔ اپنے پیاروں اور عزیزوں کی جدائی میں بھی آپ ﷺ دعا کرتے رہے۔ شدید ترین مصائب، استہزا، اہانت اور جسمانی اذیت برداشت کر کے بھی آپ ﷺ نے دشمنوں کو رحمت کی دعائیں دیں۔ گہری روحانیت نے آپ ﷺ کو نفس کے ہر جال سے آزاد کر دیا تھا۔ کائنات کی ہر چیز میں، اڑتے پرندے، کھڑے ہوئے درخت، دنیا پر چھا جانے والے اندھیرے اور تابناک ستاروں اور آفتاب عالم تاب سب میں آپ ﷺ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے جلوے دیکھتے تھے۔

پیغمبر اسلام ﷺ سراپا محبت و رحمت تھے۔ آپ ﷺ کی بیویاں، امہات المومنین رضی اللہ عنہن آپ ﷺ کے وجود کی گرمی، آپ ﷺ کی نرمی اور آپ ﷺ کی شفقت و محبت سے نہال تھیں۔ صحابہ آپ ﷺ سے ٹوٹ کر محبت کرتے۔ جس کی کوئی نظیر چشم فلک نے نہیں دیکھی۔ آپ ﷺ لوگوں سے خندہ پیشانی اور مسکراہٹ کے ساتھ ملتے۔ ایک غلام بھی آپ کا ہاتھ پکڑ کر شہر کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک لے جا سکتا تھا۔ آپ ﷺ ہر ایک کی سنتے۔ سب کو محبتیں بانٹتے۔ خدا کو چھوڑ کر آپ ﷺ کسی کی ملک نہ تھے۔ جب آپ ﷺ کسی سے ہاتھ ملاتے تو خود کبھی پیچھے نہ ہٹاتے۔ آپ ﷺ جانتے تھے کہ محبت کا ایک جملہ دل کی دنیا بدل دیتا ہے۔ آپ ﷺ کا وجود سب کے لیے پناہ گاہ تھا آپ ﷺ سب کے لیے پیغمبر تھے۔ محبت کے ساتھ ہی آپ ﷺ سراپا عفوو درگزر بھی تھے۔ روزانہ آپ ﷺ خدا تعالیٰ سے اپنی غلطیوں و کوتاہیوں کی معافی مانگتے تھے۔ جب کوئی مرد یا عورت احساس گناہ سے دبا ہوا آپ ﷺ کے پاس آتا آپ ﷺ اس کے لیے ڈھال بن جاتے۔ گناہ چاہے جتنا بڑا ہو آپ ﷺ اس کو اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے، توبہ کرنے اور رجوع کرنے کی راہ دکھاتے اور اسے تسلی وتشفی دیتے۔ لوگوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو دوسروں کی نظروں سے چھپاتے اور ان کو ذاتی طور پر تقویٰ و پرہیز گاری کی تربیت دیتے۔ کوئی آدمی سستی کی وجہ سے رخصت کی درخواست کرتا تو آپ ﷺ ہمیشہ مان لیتے۔ آپ ﷺ لوگوں کو ابھارتے کہ تفکر و تامل اور غور وفکر کی قوتوں کا استعمال کریں۔ آپ ﷺ ان کو ذمہ داریاں لینا اور اخلاقیات کا پابند بننا سکھاتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عدل و انصاف امن کی شرط ہے۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ جو آدمی دوسروں کی عزت و احترام کا پاس نہ کرے اسے مساوات نہیں مل سکتی۔ آپ ﷺ غلاموں کو آزاد کرتے اور ہمیشہ لوگوں کو اس پر ابھارتے۔ یعنی مسلمان ملت کو آزادوں و احرار کی ملت ہونا چاہیے۔

وحی قرآنی نے محمد ﷺ کو راستہ دکھایا اور آپ ﷺ نے غریبوں، غلاموں و ناداروں پر خصوصی توجہ دی۔ آپ ﷺ نے ان کو اس پر ابھارا کہ اپنا وقار و احترام پیدا کریں، اپنے حقوق مانگیں اور کمتری کے ہر احساس سے اپنے آپ کو چھٹکارا دلائیں۔ آپ ﷺ کا پیغام مذہبی، سماجی اور سیاسی آزادی کا پیغام تھا۔

آپ ﷺ کے مشن کا اختتام ہوا چاہتا تھا۔ جب جبل رحمت کے دامن میں مختلف نسلوں، قبیلوں کلچروں اور رنگوں کے لوگ مرد و عورت، آزاد، غلام، مالدار اور غریب سب موجود تھے اور آپ ﷺ کا خطاب سن رہے تھے، جس میں آپ ﷺ نے اس پر زور دیا کہ تم میں بڑائی اور فضیلت کا معیار دل کی سلامتی و تقویٰ ہے ذات پات اور رنگ و نسل نہیں۔

''تم میں سب سے بہتر ہیں وہ جو لوگوں کے ساتھ بہتر سلوک کریں۔'' الوداعی خطبہ میں آپ ﷺ نے تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: ''اے لوگو! (آپ ﷺ نے اے مسلمانوں نہیں کہا) خدا کے ہاں کسی ذات برادری اور رنگ و نسل کو نہیں دیکھا جائے گا۔'' مسلمانوں میں ایک غلام اذان دیا کرتا تھا اور ایک غلام کے بیٹے نے مسلمانوں کی فوج کی قیادت کی تھی۔ ایمان نے لوگوں کو اس قسم کی تمام خرافات سے دور کر دیا تھا۔

نبوت محمدی ﷺ سے پہلے عرب معاشرہ اور ساری دنیا میں عورتوں کی حالت سب سے زیادہ خستہ تھی، مگر آپ ﷺ نے ان کو عزت و احترام دیا، جب کوئی عورت آپ ﷺ سے کچھ کہتی تو آپ ﷺ توجہ سے اس کی بات سنتے یہاں تک کہ اس چیز کو قرآن نے بھی بیان کیا:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے اپنے شوہر کے سلسلے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تعالیٰ تم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا، بے شک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے۔ [1]

اسی طرح ایک خاتون آئیں جو اپنے شوہر سے جدا ہونا چاہتی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کی بات سنی اور معاملہ کا جائزہ لیا اور پھر دونوں کے بیچ تفریق کرا دی۔ کئی عورتیں خلع لینے کے لیے آپ ﷺ کے پاس آئیں جن میں سیرت کی کتابوں میں جمیلہ بنت ابی، حبیبہ بنت ساحل، ثابت بن قیس کی بیوی نیز ان کے غلام مغیث کی بیوی بریرہ رضی اللہ عنہن وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوی آپ ﷺ کے پاس آئیں اور انہوں نے کہا کہ مجھے ثابت رضی اللہ عنہ کے دین کے وفادار ہونے میں کوئی شک نہیں ہے مگر ثابت رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنے میں میرے ایمان کو خطرہ ہے (یعنی وہ شوہر کے حقوق نہیں ادا کر پا رہی ہیں) آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ اس باغ کو لوٹا دیں گی جو ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کو بطور جہیز دیا ہے۔ انہوں نے اس بات کو قبول کر لیا، تب آپ ﷺ نے دونوں میں تفریق کرا دی۔

ایک اور خاتون آئیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے والد نے بغیر ان کی مرضی معلوم کئے ان کی شادی کر دی ہے۔ آپ ﷺ اس کیس میں بھی تفریق کرا دینے پر راضی ہو گئے۔ تاہم خاتون نے کہا کہ میرے والد نے جہاں شادی کی ہے میں اس سے مطمئن ہوں مگر میں یہ صرف چاہتی تھی کہ والدین کو بھی معلوم ہو جائے کہ صرف انہی کا فیصلہ کافی نہیں، انہیں بیٹیوں کی رضامندی بھی لینی چاہیے۔

حضرت محمد ﷺ نے خواتین کو دوہری ذمہ داری تفویض کی، روحانی تربیت، نسوانیت کی حفاظت۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے ایسی محفوظ فضا مہیا کی جہاں وہ مردوں کی ہوسناک نگاہوں سے پوری طرح محفوظ بھی رہیں اور اپنے اجتماعی فرائض بھی انجام دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کے عہد میں عورت صرف خاتون خانہ ہی نہیں بلکہ سیاسی، سماجی، معاشرتی، دعوتی معاشی اور حتی کہ عسکری سرگرمیوں میں بھی متحرک نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ ان کی حوصلہ افزائی کرتے

[1] سورۃ المجادلہ:1

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں ان کی دل شکنی نہیں۔ آپ ﷺ نے ان کو آزادی دی کہ اپنے آپ کو سمجھیں، اپنے وجود کا احساس کرائیں اور اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ اللہ تعالیٰ پر کامل یقین و اعتماد رکھیں اور تمام اخلاقی حدود و قیود کی پابندی کریں۔

پیغمبر اسلام بچوں سے پیار کرتے ان کی معصومیت پر لاڈ پیار کرتے۔ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے بے حد قریب ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ دل کی زبان کو جانتے تھے۔ آپ ﷺ بچوں کو بوسہ دیتے، انہیں اپنے کاندھوں پر بٹھاتے، ان کے ساتھ کھیلتے۔ دراصل بچوں کی محبت و معصومیت دراصل خود خدا سے مناجات ہے۔ بچے فرشتوں کی معصومیت کے ساتھ پورے طور پر خدا سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ خدا کی نشانی ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا اسوہ بھی یہی تھا۔ چنانچہ بچوں پر آپ ﷺ اتنی شفقت فرماتے تھے کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھا رہے ہوتے اور کوئی بچہ رونے لگتا یا اپنے ماں باپ کو آواز دیتا تو چونکہ بچہ بھی اپنی آواز میں خدا سے بولتا ہے، اس لیے آپ ﷺ فوراً نماز مختصر کر دیا کرتے تاکہ بچہ کی دیکھ بھال کی جا سکے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کسی وقت میں لمبی نماز کے لیے تیار ہوتا ہوں مگر بچہ کی رونے کی آواز سن کر نماز ہلکی کر دیتا ہوں تاکہ بچہ کی ماں کو کوئی مشکل نہ ہو جائے۔''

آپ ﷺ بچوں کی معصومیت سے لگاؤ رکھتے، بچوں کی معصومیت کے جمال میں آپ ﷺ کو انسانیت اور ماحول کا جمال دکھائی دیتا۔ اس جمال کو دیکھ کر آپ ﷺ متاثر ہوتے اور رو پڑتے اور کبھی آنسو رخساروں پر آ جاتے۔ آپ ﷺ قرآنی آیتوں کی خوبصورتی سے متاثر ہوتے اور شاعرانہ حسن کی طرف کھنچے چلے جاتے اور اکثر آپ ﷺ کا دل بھر آتا۔

نور سے نور تک:

نبی اکرم ﷺ انسانیت کے پاس ایمان و یقین، اعلیٰ اخلاق، تذکیر آخرت، خدا کی آیات کی یاد دہانی اور امیدوں سے بھرا ایک پیغام لے کر آئے۔ آپ ﷺ خود سب سے بڑھ چڑھ کر اس پیغام پر عمل کرتے تھے۔ ساری زندگی آپ ﷺ عورتوں، بچوں، مردوں، غلاموں، مالداروں، غریبوں اور ناداروں کی سنتے انہیں خوش آمدید کہتے اور ان کو دلاسا و تشفی دیتے رہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زمین کے انسانوں میں آپ ﷺ منتخب بندے تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنے جذبہ محبت، غم گساری اور نرم دلی کو چھپا کر نہیں رکھا۔

آپ ﷺ کی زندگی میں ہر چیز انقلابی اور تجدیدی تھی، چھوٹی سی بات ہو یا کوئی بڑا واقعہ صرف مسلمان ہی نہیں، آپ ﷺ کی زندگی کا دوسرے مذاہب اور دھرموں کے لوگ بھی، اگر مطالعہ کریں گے تو وہ اس سے بہت کچھ فیض پا سکتے ہیں۔ آپ ﷺ دعا فرماتے، غور وفکر کرتے اور اس طریقہ سے پہلے آپ ﷺ کے اندر بدلاؤ آیا اور پھر آپ ﷺ نے ایک عالم کو بدل کر رکھ دیا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی رہنمائی میں جو آپ ﷺ کا معلم تھا، آپ ﷺ نے اپنے بلند انسانی کردار اور اسوہ حسنہ سے دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ یہی جہاد کبیر تھا، یہی ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کا معنی تھا۔ آپ ﷺ کی زندگی اسی خدائی تعلیم کا عکس تھی۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ زندگی کے ہر مرحلہ اور ہر موڑ پر ایک نمونہ تھی، جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے وقف تھی۔ ہر آدمی آپ ﷺ کی عظیم روحانی شخصیت کے آگے ڈھیر ہو جاتا اور اس سے محبت کرتا۔ کیوں کہ آپ ﷺ کی بلند روحانیت نے آپ ﷺ کو انا، تعلّی اور عصبیت جیسی آفتوں سے بہت اونچا اٹھا دیا تھا۔ آپ ﷺ کی روحانیت وہ روحانیت تھی جو کسی بھی انسانی انحصار سے ماورا ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیا تھا اور ہر طرح کے بندھن سے آزاد ہو گئے تھے اور اس حوالگی کے باعث آپ ﷺ پر الوہی سکینت کا نزول ہوتا تھا۔ ایک بار آپ ﷺ نے اس کا راز ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو بتایا:

''جن چیزوں کو لوگ چاہتے ہیں ان سے اپنے آپ کو دور کر لو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے''۔

ایک حدیث قدسی میں یہ مضمون یوں بیان ہوا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

''میرا بندہ اپنی پسند وانتخاب سے اور اخلاص سے میرے قریب آتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، میں اس کا کان بن جاتا ہوں۔ جس سے وہ سنتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے پاؤں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔"

خدا سے محبت اس کا قرب عطا کرتی ہے اور خود پسندی سے اونچا اٹھا دیتی ہے، خدا سے محبت ہر قسم کی احتیاج سے چھٹکارا دلاتی ہے۔ وہ ایسی محبت ہے جو ہر بندھن سے آزاد کرتی اور بلندی کی معراج پر لے جاتی ہے۔

آپ ﷺ کی زندگی میں کئی مرحلے ہیں: دعوت، ہجرت، فتح اور آخر میں رفیق اعلیٰ سے ملاقات۔ ان تمام موڑوں اور مرحلوں پر آپ ﷺ کو خدا کی معیت اور محبت حاصل رہی۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا اور وہ بھی شان محبوبیت کے ساتھ۔ آپ ﷺ ایک آفاقی پیغام محبت لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے ساری عمر محبتیں لٹائیں اور لوگوں کو دنیا میں ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں پر چلنے کی دعوت دی جنھوں نے ان کو تمام جکڑ بندیوں سے نجات دی اور قوم قبیلہ اور رنگ ونسل کی تمام بندشوں سے آزاد کر دیا۔ آپ ﷺ کا پیار جو اخلاقی حس روشن کرتا تھا اس نے آپ ﷺ کو سب سے اچھا انسان بنا دیا اور اس بلند اخلاق نے آپ ﷺ کو ہر چیز سے آزاد کر دیا۔ انسانوں میں سب سے زیادہ خوبیوں والا اور ان کی تمام کمزوریوں سے آزاد نبی، یہ صفات عالیہ صحابہ رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے آپ ﷺ کے اندر جانی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ اور حبیب خدا ﷺ تمام انسانوں کے لیے اسوہ حسنہ تھے۔ آپ ﷺ کی نماز، آپ ﷺ کا غور وفکر آپ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی عطا، آپ ﷺ کی عظیم خدمت اور زبردست انقلاب غرض ہر چیز بے مثال تھی۔ آپ ﷺ ایک روشنی تھے اور روشنی کی طرف رہنمائی کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے سیکھ کر اہل ایمان زندگی کے سرچشمہ قوت سے جڑ جاتے ہیں جہاں ان کو آپ ﷺ کی روشنی، آپ ﷺ کی گرم جوشی اور محبت ملتی ہے آپ ﷺ گرچہ دنیا سے رخصت ہو گئے، مگر آپ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ ہم اللہ کو کبھی نہ بھولیں جو حقیقت اعلیٰ ہے۔ شاہد ومشہود ہے اور شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔

یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، دراصل سب سے بڑی آزادی کے راستہ پر چلنا ہے اور محمد ﷺ کو پیغمبر ماننے کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی حاضری اور غائبانہ دونوں میں آپ ﷺ سے محبت کی جائے۔ خدا، رسول اور بنی نوع انسانی سے محبت کی جائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور محمد ﷺ کو پیغمبر ماننے کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی حاضری اور غائبانہ دونوں میں آپ ﷺ سے محبت کی جائے۔ خدا، رسول اور بنی نوع انسانی سے محبت کی جائے اور محبت کا ادب اور قرینہ سیکھا جائے۔

دنیا کے بڑے لوگ محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

ایک امریکی مصنف نے ایک کتاب لکھی جس کا نام The Hundred (سو بڑے آدمی) ہے۔ مصنف کتاب میں ان سو لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے جنہوں نے، اس کے خیال میں، دنیا کی تاریخ پر سب سے زیادہ اثرات ڈالے ہیں۔ ان سو لوگوں میں بھی اس نے سرفہرست حضرت محمد ﷺ کو رکھا ہے۔ مصنف مائیکل ہارٹ ایک عیسائی سائنس دان ہے۔ مگر اس نے نمبر ایک پر نہ تو عیسیٰ مسیح کو رکھا اور نہ نیوٹن کو۔ اس کے خیال میں محمد ﷺ ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے انسانی تاریخ پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> ''کتاب The Hundred میں دنیا کے سب سے زیادہ متاثر کن لوگوں کی اس فہرست میں سب سے ٹاپ پر میں نے محمد ﷺ کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ وہ تنہا ایسے آدمی ہیں جو مادی و روحانی دونوں معیاروں پر کامیاب ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کو اس پر تعجب ہو اور بعض اس پر سوال بھی اٹھائیں گے مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام پر محمد ﷺ کا اثر اس سے کہیں زیادہ ہے جتنا کہ یسوع مسیح اور سینٹ پال دونوں کا ملا کر عیسائیت پر اثر ہے۔''
>
> یہی مادی و روحانی اثر ہے جس کی وجہ سے میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کو اس کا مستحق بتاتا ہے کہ ان کو انسانیت کی تاریخ کا سب سے بڑا آدمی مانا جائے''۔

جارج برنارڈ شا

Genuine Islam جلد 1، ص 8 پر لکھتا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"میرا ماننا ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے شخص کو آج کی جدید دنیا کا اقتدار مطلق دے دیا جائے تو وہ انسانوں کے مسائل کو سلجھانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور اس طریقہ پر ہوں گے جس سے دنیا میں امن اور خوشی آ جائے جس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ میں نے پیشین گوئی کی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب کل کے یوروپ میں مقبول ہو جائے گا جیسا کہ وہ آج کے یوروپ میں بھی مقبول ہونا شروع ہو گیا ہے۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب کا ہمیشہ بڑا احترام کرتا ہوں، کیوں کہ وہ حیرت انگیز اہمیت رکھتا ہے۔ یہ تنہا مذہب ہے جو مجھے لگتا ہے کہ کائنات کے بدلتے ہوئے مرحلہ کی قیادت کی صلاحیت رکھتا ہے اور اپنے آپ کو زمانہ کے لیے اپیلنگ بنا سکتا ہے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ حیرت انگیز شخصیت ہیں اور میری رائے میں ان کو مسیح کا مخالف نہیں انسانیت کا نجات دہندہ کہنا چاہیے۔"

"اگر کسی مذہب کو آنے والے سو سالوں میں انگلینڈ بلکہ پورے یوروپ پر حکومت کرنے کا موقع ملا تو وہ اسلام ہوگا۔"

فرانس کا مشہور شاعر اور مورخ لامارٹین Historire Dela Torquie (مطبوعہ پیرس 1854 جلد 2، ص، 77-226) میں لکھتا ہے:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلاسفر خطیب، نبی، قانون دان، سپاہی، افکار کی دنیا کے فاتح، معقول عقائد کو ثابت کرنے والے، ایک مذہب کے بانی، دنیا کی 20 بڑی سلطنتوں کے موسس اور ایک عظیم روحانی ایمپائر کے بانی ہیں۔ دنیا میں انسانی عظمت کے جتنے پیمانے رائج ہیں ان کی روشنی میں ہم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا بھی کوئی انسان گزرا ہے؟"

موہن داس کرم چند گاندھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

Young Indira (سولہویں ستمبر 1924ص،17 میں لکھتے ہیں:

''میں اس شخصیت کی زندگی کو جانتا ہوں جو آج بھی غیر متنازعہ طور پر کروڑوں انسانوں کے اوپر راج کرتی ہے۔ میں پہلے سے کہیں زیادہ اس بات پر مطمئن ہوں کہ یہ تلوار نہیں تھی جس نے اسلام کے لیے ان دنوں جگہ بنائی تھی جب کہ پیغمبر نے زبردست قربانیاں دی تھیں۔ بلکہ معاہدوں کا شدید احترام، اپنے دوستوں اور احباب کے لیے زبردست خلوص، آپ ﷺ کی بہادری اور بے خوفی اور خدا پر مکمل اعتماد اور اپنے مشن پر کامل یقین ان چیزوں نے وہ جگہ بنائی اور ہر مشکل کو آسان کر دیا۔''

اینی بیسینٹ

(معروف خاتون ایکٹوسٹ) مصنفہ اور خطیبہ اور تھیوسوفیکل سوسائٹی کی بانی) اپنی کتاب Life and Teachings of Mohammad،(طبع مدراس 1932،ص4) میں لکھتی ہیں:

''عرب کے اس عظیم پیغمبر کی زندگی اور کردار کے بارے میں جو بھی پڑھے گا اور جو بھی یہ جان لے گا کہ آپ ﷺ نے کیسی تعلیم دی اور کس طرح زندگی گزاری، وہ صرف آپ ﷺ کا احترام ہی کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبیوں و رسولوں میں عظیم تر تھے۔ مجھ سمیت بہت سے لوگ جب بھی آپ ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں انہیں عرب کے اس عظیم نبی کے لیے ایک نیا اعتراف اور ایک نئے احترام پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔''

دیوان چند شرما:

کتاب The prophet of the East میں لکھتے ہیں:

''محمد ﷺ رحمت ورافت کی روح تھے، آپ ﷺ کے اردگرد جو لوگ جمع تھے ان پر آپ ﷺ کے اثرات نہایت گہرے تھے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نپولین بوناپارٹ:

(مشہور فاتح اور فرانس کا بادشاہ اپنی کتاب Bonaparte et L' Islam (مطبوعہ پیرس، ص، 17 میں لکھتا ہے:

''موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خدا کے وجود سے آشنا کیا۔ عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے رومی دنیا کو توحید کا درس دیا جب کہ محمد ﷺ نے اس خدا کی عبادت کا درس دیا جو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سب کا خدا ہے۔ محمد ﷺ نے بتایا کہ عبادت کے لائق صرف ایک خدا ہے جس کا نہ باپ ہے نہ بیٹا اور یہ کہ تثلیث عیسائیت میں ایک درآمد شدہ تصور ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ وقت بہت جلد آئے گا جب میں دنیا کے تمام معقول اور پڑھے لکھے لوگوں کو یکجا کر لوں گا اور قرآن کے اصولوں کے مطابق ایک واحد عالمی حکومت قائم کروں گا کیوں کہ صرف قرآن کے اصول ہی سچے ہیں اور وہی انسانوں کو شادمانی دے سکتے ہیں۔''

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتابیات:

۱۔ سیرۃ ابن اسحاق — امام محمد بن اسحاق

۲۔ سیرۃ ابن کثیر — امام عماد الدین ابن کثیرؒ

۳۔ سیرت النبی ﷺ — مولانا شبلی نعمانیؒ

۴۔ سیرت النبی ﷺ — سید سلیمان ندویؒ

۵ Encyclopedia of Seerah . Muhammad — افضال الرحمان

۶ The emergence of Islam — ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۷۔ الرحیق المختوم — صفی الرحمن مبارکپوری

۸۔ محسن انسانیت — نعیم صدیقیؒ

۹۔ The Massenger — طارق رمضان

۱۰۔ life of Muahammad — محمد حسین ہیکل

۱۱۔ محمد ﷺ — ابوبکر مارٹن لنگس

۱۲۔ Prophet Mohammad — فتح اللہ گلن

۱۳۔ Mohammad and Quran — رفیق زکریا

۱۴۔ Mohammad's legacy — ابراہیم ایچ مالا باری، کناڈا

۱۵۔ Prophet Muhammad's life and teachings

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر عبدالرحمن مومن

۱۶۔The Prophetic Mission — پروفیسر محمد رفعت

۱۷۔Teachings of Prophet — پروفیسر سعود عالم قاسمی

۱۸۔Prophet Mohammad a Role Modle — محمد یاسین مظہر صدیقی

۱۹۔The Leadersip of Mohammad — جان اڈاگر

۲۰۔تدبر قرآن — مولانا امین احسن اصلاحی

۲۱۔تفہیم القرآن — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

۲۲۔The Holy Quran — عبداللہ یوسف علی

۲۳۔The Quran — ڈاکٹر نذیر احمد

۲۴۔ہادی انسانیت — محمد رابع حسنی ندوی

۲۵۔اسلام میں خدمت خلق کا تصور — سید جلال الدین عمری۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

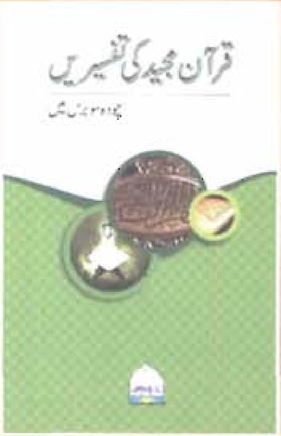

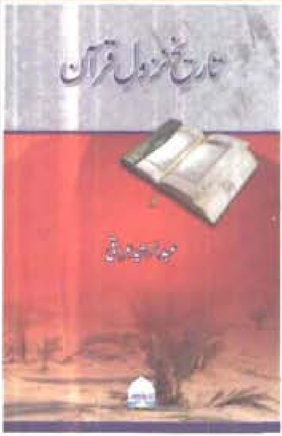

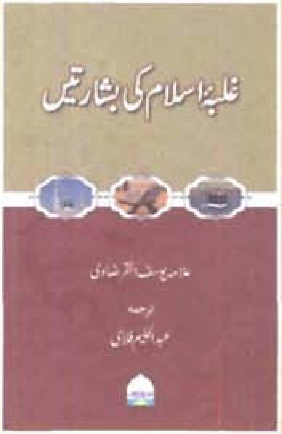

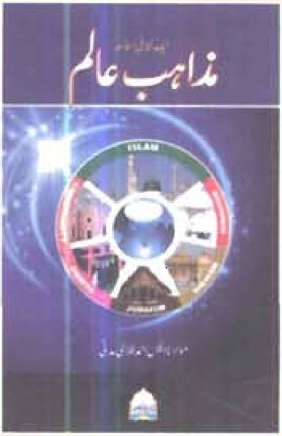

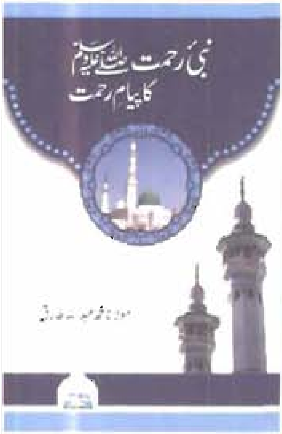

رحمان مارکیٹ ● غزنی سٹریٹ ● اردو بازار ● لاہور ● پاکستان
Ph: 042-37231119 , 0321-4021415
qasimulaloom@gmail.com